جال بچھائے بیٹھی تھی۔ ان کا انتظار رنگ لایا۔ فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے فریڈم انٹرنیشنل کے ذریعے ان پر اپنی تجوری کا منہ کھول دیا۔"

"صحرا والے تھر کے بھوکے پیاسے خانہ بدوشوں کے نام پر ایک تہمت ہیں۔ اس فراڈ میں دھنی رام جیسے متمدن مجرم ہی مراد کا ساتھ دے سکتے تھے" اول خان نے میری بات آگے بڑھائی "اس کے دوسرے ساتھی بھی چور' ڈاکو اور قاتل ہی ہوں گے۔"

"ہمیں پہلی فرصت میں ہیر آباد کے علاقے میں صحرا کا دفتر تباہ کردینا چاہیے" سلطان شاہ نے تجویز پیش کی۔

میں بے اختیار ہنس پڑا "تم اس دفتر کی یتیمی کا احوال سن ہی چکے ہو۔ وہ کرائے کی ایک کوٹھری میں قائم ہے' وہاں رکھا ہوا بے جان فون محض نمائش کے لیے ہے۔ وہاں ایک آدمی دن بھر بیٹھا' کھیاں مارتا رہتا ہے۔"

"دفتر کی تباہی سے سارا نقصان مالک دکان کا ہوگا۔ صحرا کا ملازم اپنا دامن جھاڑ کر گھر چل دے گا" ویرا بولی۔

"وہ مجرموں کا ٹھکانا ہے۔ وہاں کچھ نہ کچھ ہوتا ہی ہوگا۔ اس کا ختم کیا جانا ضروری ہے" سلطان شاہ نے ضد کی۔

"جرم دفاتر میں بیٹھ کر کیے جاتے ہیں نہ ان کا کوئی ریکارڈ ہوتا ہے" اول خان نے گفتگو میں دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "جرم کا بیج مجرموں کے ذہن میں پھوٹتا ہے اور وہ اپنے ہاتھ پیروں سے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ صحرا کے دفتر سے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ انہوں نے اپنا وہ دفتر محض آڑ کے لیے قائم کیا ہوا ہے۔"

"یہی بات ہے تو ڈینی کو اکرم الٰہی کی بنائی ہوئی فائل کی جستجو کیوں تھی؟ اسی فائل نے مراد ظریف کی نشاندہی کی تھی۔ آج اس نشان دہی کے نتائج ہم سب کے سامنے ہیں" سلطان شاہ کے پاس نیا سوال موجود تھا۔

"جس طرح کاروبار کی دو اقسام ہیں۔ انفرادی اور کارپوریٹ۔ اسی طرح جرائم بھی انفرادی اور منظم درجوں میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں۔ صحرا اور فریڈم انٹرنیشنل والے چلتے پھرتے مقامی مجرم ہیں جو ہر جرم کی کلید اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں۔" میں نے اس کی بے اطمینانی دور کرنے کے لیے جواب دیا "اس کے برعکس شی' ڈیوڈ اسٹارز اور فورڈ فاؤنڈیشن منظم جرائم کے گویا کارپوریٹ ادارے ہیں۔ ان کی اپنی عالمی مجبوریاں ہوتی ہیں اس لیے کچھ نہ کچھ ریکارڈ پر آجاتا ہے۔"

"جب سے فورڈ فاؤنڈیشن والوں کو اکرم الٰہی کی بدنیتی کا اندازہ ہوا' ریکارڈ غائب ہوگیا اور سارے کام زبانی طے پانے لگے" اول خان نے میری بات پوری کرتے ہوئے کہا "ہمارے لیے ریکارڈ اور ثبوت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ بس مجرموں کے عزائم کا ٹریک ملنا چاہیے پھر ہم ان کی نیتوں کی بنیاد پر اپنا کام آگے بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔"

"مجھے یقین ہے کہ مراد مجھ سے کل تک ضرور رابطہ کرے گا اور میں اسے گھیرنے کی کوئی نہ کوئی راہ نکال لوں گا۔" میں نے اپنی پُرامیدی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "وہ خوف زدہ ضرور ہے مگر مجھے مقبول سمجھ رہا ہے۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ تم کبھی بھی اور کہیں بھی مقبول نہیں رہے" ویرا نے ٹکڑا لگایا اور سب ہنس پڑے۔

"کل تک انتظار میں بیٹھے رہنے سے بہتر ہوگا کہ حیدر آباد میں صحرا کے دفتر کو اجاڑ دیا جائے" سلطان شاہ کے ریکارڈ کی سوئی ایک ہی جگہ پھنسی ہوئی تھی "وہ بُری طرح بوکھلا جائے گا۔"

"بوکھلا نہیں جائے گا' ہوشیار ہوجائے گا کہ کوئی اس کے پیچھے لگ چکا ہے۔ ڈینی سے رابطہ ہونے تک اسے یہ اطمینان رہنا چاہیے کہ وہ ہر طرح سے محفوظ ہے" ویرا نے بھرپور دلیل کے ساتھ سلطان شاہ کو خاموش ہونے پر مجبور کردیا۔

بدلے ہوئے حالات کے تحت مائیکرو سینٹر کا آباد رہنا بلکہ میرا وہاں موجود رہنا ضروری تھا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ مراد کب مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر بیٹھتا۔ اس کے وعدے کی تکمیل کے انتظار میں مجھے کم از کم اگلے چوبیس گھنٹے اسی عمارت میں بسر کرنے تھے۔ ویسے بھی گلشن اقبال والے گھر میں میرے لیے کوئی کام نہیں تھا۔ مائیکرو سینٹر میں رہائش اور خورونوش کا پورا بندوبست تھا۔ میں کسی بھی زحمت سے دوچار ہوئے بغیر مطلوبہ وقت وہاں گزار سکتا تھا۔

میرے ارادے سے واقف ہوتے ہی ان تینوں نے بھی میرا ساتھ دینے کا فیصلہ کرلیا۔ مائیکرو سینٹر کی رہائشی سہولت میں ان کے لیے ضرورت سے کہیں زیادہ گنجائش موجود تھی۔

اول خان کا مسئلہ ذرا مختلف تھا۔ اس کی بیوی چند روز قبل ہی میکے سے واپس آئی تھی اور اس کے آتے ہی اول خان کو اہم کام سے پشاور جانا پڑگیا۔ اسے اپنی بیوی بچوں کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ اس نے ہمارے ساتھ رکنے میں دلچسپی ظاہر کی نہ کسی نے اسے روکنے کی کوشش کی۔ سو انو بجے وہ ہم سے رخصت ہوگیا۔

اس کے روانہ ہونے تک دھنی رام کے بارے میں حامد کی طرف سے کوئی خبر نہیں ملی تھی۔

○☆○

مائیکرو سینٹر کی عمارت ویرا کے لیے جنتِ ارضی ثابت ہوئی کیونکہ وہاں ہر منزل پر بیش قیمت اور پرانی شرابوں کے بھاری ذخائر موجود تھے۔ اس نے اول خان کے جاتے ہی عمارت کی تلاشی لینے کا قصد کیا تھا' دونوں رہائشی منزلوں کے علاوہ فریڈم انٹرنیشنل والے فرسٹ فلور پر بھی ایسی الماریاں دریافت کرلی تھیں جن میں وہسکی' وائن' رم' جن' واڈکا اور شمپین کی متعدد اقسام قطار در قطار سجی

Downloaded from https://paksociety.com

ہوئی تھیں۔ دفتر میں موجود ریفریجریٹر کا ایک پورا خانہ ولایتی بیئر کے ڈبوں سے بھرا ہوا تھا۔

ویرا کو بہت زیادہ نفیس اور پرانی وہسکی سے زیادہ رغبت نہیں تھی۔ اس کی منطق تھی کہ پرانی اسکاچ دیر سے اثر دکھاتی ہے اور پھر اس کے اثرات بھی زیادہ دیر تک اعصاب پر قائم رہتے ہیں۔ وہ اپنے مزاج کے اعتبار سے عجلت پسند تھی اس لیے ہمیشہ ڈی لکس کے بجائے اسٹینڈرڈ اسکاچ کو ترجیح دیتی تھی۔

اس روز وہ نہ جانے کس موڈ میں تھی کہ اس نے الماری سے رائل سیلیوٹ کا چمکتا دمکتا ہوا ڈبا نکال لیا۔ ویرا کے کہنے کے مطابق اکرم الٰہی اور مقبول کے ذخیرے کی خوبی یہ تھی کہ الماریوں میں ہر بوتل اپنی اصل پیکنگ میں موجود تھی۔

ویرا نے میز پر لوازم جمع کرنے کے بعد جب بلور کے دو پیمانے نکالے تو سلطان شاہ چونک پڑا "یہ دوسرا پیمانہ کس کے لیے ہے؟"

"چاہو تو تم میرا ساتھ دے سکتے ہو" ویرا نے اسے آنکھ مار کر کہا "یہ دنیا کی بہترین اسکاچ ہے۔"

"ہوگی۔" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر کہا "میرے لیے تو یہ ناپاک پانی سے زیادہ نہیں ہے۔"

ویرا نے ڈبا کھول کر سرخ مخمل کی تھیلی میں ملفوف بوتل باہر نکالی اور جواب دیا "ایک دفعہ چند گھونٹ لے کر دیکھو' دنیا کا رنگ ہی بدلا ہوا نظر نہ آئے تو میرا نام بدل دینا۔"

"اسے پینے والوں پر خدا کی لعنت ہوتی ہے" سلطان شاہ اس کی تذلیل پر تلا ہوا تھا۔

"ہوا کرے" ویرا مسکراتے ہوئے بولی "رحمت ہو یا لعنت' بندہ اپنے خالق سے براہِ راست رابطے میں تو رہتا ہے۔ تمہاری طرح بیچ میں معلق نہیں رہتا۔ خدا اور وصالِ صنم' دونوں سے یکسر محروم!"

"یہ وصالِ صنم کا کیا تذکرہ ہے؟" غزالہ نے باہر سے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"اسے سمجھاؤ کہ شراب نوشی حرام ہے۔ یہ اس سے توبہ کرلے" سلطان شاہ نے غزالہ سے سفارش کی۔

"تمہارے لیے حرام ہوگی مگر بہت سے مسلمان اسے عزیز رکھتے ہیں اور میں تو عیسائی ہوں" ویرا نے اسے چڑایا۔

"نشہ دنیا کے ہر مذہب میں حرام ہے۔ عیسائیت میں بھی اس کی ممانعت ہے" سلطان شاہ نے بھنا کر کہا۔

"خبردار!" ویرا نے اسے گھورا "میرے مذہب میں دخل مت دو۔ اپنے مذہب پر میں خود اتھارٹی ہوں۔"

"مگر میز پر یہ دو گلاس کس کس کے لیے ہیں؟" غزالہ نے حیرت اور دلچسپی سے پوچھا۔

"ایک میرے لیے اور دوسرا میرے اس مرحوم دوست کے لیے ہے جو اب شراب سے تائب ہوچکا ہے" ویرا نے کن انکھیوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے شوخی سے جواب دیا "اب میں دونوں گلاسوں سے باری باری گھونٹ لیتی رہوں گی۔"

اس وقت تک میں بظاہر ان سرگرمیوں سے لاتعلقی اختیار کیے' ان کاغذوں کے مطالعے میں مصروف تھا جو نسرین کے گھر سے حاصل کی جانے والی فائل میں لگے ہوئے تھے۔ ویرا کے جواب پر مجھے بولنا پڑ گیا "تم مرحوم کے کہہ رہی ہو؟"

"تمہارے سوا اور کس کو کہہ سکتی ہوں؟ رائل سیلیوٹ لوگے؟" اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"میں مرا نہیں' ابھی زندہ ہوں" میں نے اس کے آخری سوال کو نظرانداز کرکے تلخی سے کہا۔

"میں نے کب کہا کہ تم زندہ نہیں ہو؟" ویرا کے چہرے پر معصومانہ حیرت ابھر آئی۔

"پھر مرحوم کے کہتے ہیں؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

"تمہاری اردو بہت ناقص ہے" وہ بے ساختہ ہنس پڑی "میں تمہیں مرحوم و مغفور بھی کہوں تو بے جا نہ ہوگا۔ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تم پر جیتے جی رحمت ہو اور تمہاری مغفرت ہوجائے۔ شراب تم کچھ عرصے سے... چھوڑ ہی چکے ہو۔ یہ دونوں درجے بھی مل جائیں تو کسی فرشتے کی طرح پاک صاف ہوجاؤ گے۔"

"اپنی اردو دانی اپنے ناریل تک محدود رکھو اور مجھے ڈسٹرب نہ کرو ورنہ سر توڑ دوں گا۔"

"ڈسٹرب ہو رہے ہو تو کسی اور کمرے میں چلے جاؤ۔ اسی فلور پر کئی کمرے ہیں۔ یہاں یہی ہوتا رہے گا کیونکہ اس فلور کی واحد گیسٹ بدقسمتی سے اسی کمرے میں موجود ہے۔"

"ویرا! پلیز شٹ اَپ اینڈ گیٹ آؤٹ" میں نے سنجیدگی سے کہا "تمہیں معلوم ہے کہ میں فون کی وجہ سے اس کمرے میں رہنے پر مجبور ہوں۔ آنے والی ہر کال میں خود ریسیو کرنا چاہتا ہوں۔"

ویرا نے مجروح نظروں سے لمحہ بھر کے لیے میری طرف دیکھا۔ اور پھر بوتل لے کر کمرے سے نکل گئی۔

"اس کا ساز و سامان بھی اس کے پاس پہنچا دو" میں نے رواروی میں غزالہ سے کہا۔

"میں اس کی نوکرانی نہیں ہوں" غزالہ نے دبی آواز میں کہا۔

"ضرورت ہوگی تو خود لے جائے گی' کچن میں ہر چیز موجود ہے۔"

"واہ!" سلطان شاہ سینے پر ہاتھ مار کر بازاری انداز میں اچھلا۔ "آج تم نے میرا جی خوش کردیا۔"

"اچھل کود کرنے کے بجائے خاموشی سے بیٹھو ورنہ میں تمہیں بھی باہر نکال دوں گا۔" میں نے اسے ڈانٹا۔

وقتی طور پر سکون ہوگیا اور میں نے اپنی توجہ دوبارہ فائل پر مرکوز کردی۔ اس میں موجود دوسرے مقامیوں کے نام اور فون نمبر نوٹ کرتے ہوئے میں مسلسل یہ سوچ رہا تھا کہ فائل میں موجود

Downloaded from https://paksociety.com

آخری کاغذ کی تاریخ تقریباً چھ ماہ پرانی تھی جبکہ رستم ایرانی کے بارے میں فریڈم انٹرنیشنل کے اخباری بیان کو مشکل سے دو ہفتے بھی نہیں ہوئے تھے۔ اکرم الٰہی نے بتایا تھا کہ اس بیان کا متن فورڈ فاؤنڈیشن سے فیکس پر موصول ہوا تھا جو مقبول چوہدری نے اپنی تنظیم کی طرف سے جاری کردیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ وہ فیکس کہاں تھا!

میرے ذہن میں یہ نکتہ محفوظ تھا کہ اکرم الٰہی کی طرف سے ریکارڈ کے ذریعے بلیک میلنگ کا علم ہوتے ہی فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے اس سے تحریری پیغامات کے تبادلے کا سلسلہ موقوف کردیا تھا تو رستم ایرانی کے لیے فیکس کیوں بھیجا؟ اس سوال کا جواب دینے والے دونوں افراد جہنم واصل ہو چکے تھے اور وہ فیکس غائب تھا۔

میں نے فرض کرلیا کہ غیر اہم پیغامات کے لیے شاید فیکس اور ٹیلکس وغیرہ استعمال کیا جاتا رہا ہو یا پھر اکرم الٰہی کی جگہ مقبول چوہدری کے آنے کے بعد فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے اپنی پالیسی کچھ نرم کرلی ہو۔ صورت جو بھی رہی ہو' وہ فیکس مقبول چوہدری کو موصول ہوا تھا اور اس نے اپنا کام پورا کرنے کے بعد اس پیغام کو ضائع کردیا۔

اس ذہنی مشقت سے فارغ ہو کر میں نے سر اٹھایا تو کمرے میں میرے سوا کوئی متنفس موجود نہیں تھا۔ کسی اندرونی کمرے سے ویرا کے بولنے کی آواز آرہی تھی۔ بے اختیار میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

ویرا کی عادات اور حرکات سے بے زاری کے مسلسل اظہار کے باوجود غزالہ اور سلطان شاہ کے لیے زیادہ دیر تک اس سے الگ تھلگ رہنا ممکن نہیں تھا۔ وہ اپنی نوک جھوک سے کسی کو بھی ذہنی اضمحلال کا شکار نہیں ہونے دیتی تھی۔ اپنی اس خوبی کی بنا پر ویرا کی شخصیت میں ایسی مقناطیسی کشش پیدا ہوگئی تھی کہ اس سے ملنے والے ہمیشہ کے لیے اس کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔

ویرا کی مے نوشی کے اختتام پر ہم کھانے کی میز کے گرد جمع ہوئے' کسی کے چہرے پر تلخی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ ویرا اپنے دھیمے اور مخمور لہجے میں سب سے باتیں کررہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی غلافی آنکھوں کی چمک گہری ہو چکی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں لقمہ پلیٹ میں چھوڑ کر تیزی سے کمرے کی طرف دوڑا اور ریسیور اٹھالیا۔

"مرنے والا ایک بدنام دہشت گرد اور ڈکیت تھا" دوسری طرف سے حامد اطلاع دے رہا تھا "اس کی گرفتاری پر پانچ لاکھ روپے کا انعام مقرر تھا۔ یہ واقعہ مقامی پولیس کے کھاتے میں گیا ہے۔"

"اس کی موجودہ سرگرمیوں کے بارے میں کیا خیر خبر ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"نواب شاہ میں قتل اور ڈکیتی کی ایک بڑی واردات کے بعد

فیروپائرین (رجسٹرڈ)

قائم شدہ 1956

T.M. Reg. 7635

فیروپائرین دانتوں میں لگے ہوئے سب کیڑوں کو جڑ سے بالکل ختم کردیتی ہے۔
فیروپائرین دانتوں اور مسوڑوں میں ٹھنڈ اور گرم پانی لگنا بند کردیتی ہے۔
فیروپائرین پائیوریا کی خطرناک بیماری دور کر کے دانتوں اور مسوڑوں کو تندرست رکھتی ہے۔
فیروپائرین مسوڑوں سے گندہ اور بادی پانی خارج کر کے ورم اور سوزش اتارتا ہے۔
فیروپائرین مسوڑوں سے خون نکلنا بند کر کے مسوڑوں کو مضبوط اور سخت بناتی ہے۔
فیروپائرین منہ کے ان تمام جراثیم کو ہلاک کرتی ہے جو دانتوں میں کیڑا لبانے کا سبب بنتے ہیں۔
فیروپائرین منہ میں گندگی اور بدبو دور کر کے سانسوں کو خوشگوار بناتی ہے۔
فیروپائرین دانتوں مسوڑوں اور منہ کی سب پیچیدہ بیماریوں کی بے مثال دوائی ہے۔
فیروپائرین جراثیم کش ہے زخموں پر لگائی جاسکتی ہے۔

Packing
10 ml Rs. 12.00.
25 ml Rs. 24.00

ہر اچھے گھر کی ضرورت

تیار کردہ فیر لیبارٹریز O/1084، غازی روڈ، راولپنڈی۔ فون (051-451631)

Downloaded from https://paksociety.com

وہ روپوش تھا۔ فی الحال مفرور مجرموں کی فہرست سے اس کی شناخت ہوئی ہے۔ یہاں ایک جشن کی سی کیفیت ہے۔ تفصیلات بعد میں مل سکیں گی۔"

"تم نے ابھی تک اس کا نام نہیں بتایا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"وہ نام بدل بدل کر وارداتیں کرتا تھا۔ اکبر ملاح' دھنی رام اور کھیرومل جیسے کئی نام ریکارڈ پر ہیں۔"

"اس کا اصل نام دھنی رام ہے!" میں نے اس کی تصحیح کی۔

"اب تم جاکر آرام کرو۔"

فون بند کرنے کے بعد مجھے ندامت محسوس ہوئی کہ اپنے چکروں میں پڑکر میں حامد کو بھول ہی گیا تھا اور وہ بے چارہ ایک بے مصرف بات معلوم کرنے کے لیے اس وقت تک تھانے میں بندھا بیٹھا تھا۔

دھنی رام کا قصہ تازہ ہوا تو سلطان شاہ کو پھر صحرا کا دفتر یاد آگیا۔

"میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ ان بدمعاشوں کی سرکوبی کے لیے ہمیں حیدر آباد ہی کا رخ کرنا پڑے گا۔ پتا نہیں تم لوگ مجھے کیوں روک رہے ہو؟"

"میں تمہیں سمجھا چکی ہوں کہ اس وقت اسے چھیڑنا مناسب نہیں ہے۔" ویرا نے خفگی سے کہا۔

"اس وقت رات کے گیارہ بج چکے ہیں۔ دفتر بند ہوچکا ہوگا" سلطان شاہ نے مصالحانہ لہجے میں کہا "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ جس وقت تم مراد ظریف کو قابو کرنے میں کامیاب ہوجاؤ تو میں حیدر آباد میں موجود رہوں۔ تم فون پر مجھے ایک اشارہ دوگے اور میں صحرا کے دفتر کا کیا کرم کردوں گا۔"

دوسروں نے سلطان شاہ کی اس تجویز پر کان نہیں دھرا مگر میرے لیے وہ مشورہ قابل غور تھا۔ میں نے قدرے توقف کے بعد کہا "ٹھیک ہے.... تم غزالہ کو ساتھ لے کر گاڑی سے حیدر آباد نکل جاؤ۔ وہاں جس ہوٹل میں ٹھہرو' فون پر ہمیں بتادینا تاکہ ضرورت پیش آنے پر تم سے رابطہ کیا جاسکے۔ یہ خیال رکھنا کہ صحرا کے دفتر میں بیٹھنے والا کوئی تنخواہ دار نادار آدمی بھی ہوسکتا ہے۔"

"اس کے رنگ ڈھنگ سے ہی پتا چل جائے گا کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔" سلطان شاہ نے خوش ہوکر کہا "تمہیں میری طرف سے شکایت کا کوئی موقع نہیں ملے گا۔"

ویرا کے لیے میرا وہ اعلان غیر متوقع تھا۔ اس نے تیوریوں پر بل ڈال کر کہا "جانا ضروری ہے تو پھر غزالہ کو یہیں روک لو۔ میں سلطان شاہ کے ساتھ حیدر آباد چلی جاتی ہوں' اس بہانے میری آب و ہوا بھی تبدیل ہوجائے گی۔"

سلطان شاہ کے چہرے کے نقوش پر فریاد ہی فریاد ابھر آئی مگر اس کے زبان کھولنے سے پہلے میں بول پڑا "نہیں' تم نہیں جاؤ گی۔ تمہاری وجہ سے مسائل پیدا ہوسکتے ہیں" غزالہ مسکراتی ہوئی میز سے اٹھ گئی۔

میرا فیصلہ سن کر سلطان شاہ کی آنکھوں میں تشکر کے جذبات سمٹ آئے اور ویرا چڑچڑے لہجے میں احتجاج کرنے لگی "مجھ میں ایسی کون سی خرابی ہے کہ میں سلطان شاہ کے لیے مسائل کھڑے کردوں گی؟"

"خرابی یہ ہے کہ تم ہر وقت جلنے بھننے کے باوجود اب بھی سفید فام ہو۔ حیدر آباد چھوٹا سا' قدامت پرست شہر ہے۔ تم جہاں سے گزروگی' ہر شخص کی توجہ کا مرکز بن جاؤ گی۔ اس معاملے میں بے جا ضد نہ کرو۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب مجھے اپنا منہ کالا کرنا ہی پڑے گا" ویرا بڑبڑا کر رہ گئی۔

"ڈان مرسیانو کی نگرانی میں تم یہ کام کرتی رہی ہو۔ اب اس کی ضرورت نہیں ہے" گلوخلاصی کا یقین ہوتے ہی سلطان شاہ کی شگفتہ مزاجی دوبارہ عود کر آئی "ہم.... میرا مطلب میک اَپ وغیرہ سے ہے۔"

ویرا کے بپھرے ہوئے تیور دیکھ کر اسے فوراً ہی اپنے طنز کی وضاحت کرنی پڑ گئی۔ غنیمت یہ ہوا کہ اس وقت غزالہ میز پر موجود نہیں تھی۔ ویرا اس کی موجودگی میں شاید سلطان شاہ کا گہرا مذاق بلکہ طنز ذرا بھی ہضم نہ کرپاتی۔ ویرا نے غزالہ کی خالی کرسی پر ایک نگاہ ڈالی اور ترشی سے کہا۔ "تم نے اب کبھی میرے سامنے ڈان مرسیانو کا نام لیا تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔"

"بہت بہتر!" سلطان شاہ نے سر جھکا کر سعادت مندی سے کہا۔ "مگر تم نے ڈیبی کا یہ فیصلہ ضرور سن لیا ہوگا کہ تمہارے حیدر آباد جانے سے میرے لیے کیسے سنگین مسائل پیدا ہوسکتے ہیں۔"

"تم جاؤ' مگر یہ یاد رکھنا کہ میری دعائیں نہیں' بددعائیں تمہارے ساتھ ہوں گی۔"

"کوّوں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے" سلطان شاہ نے بے پروائی سے اس کی بات اڑادی۔

"ویرا! تم اس کے ساتھ زیادتی کررہی ہو" میں نے اسے ٹوکا۔ "دعا نہیں دے سکتیں تو خاموش ہی رہو۔"

ویرا نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور کھانا ختم کرکے ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرتی ہوئی' میز سے اٹھ گئی۔

"بعض اوقات تم بہت بونگی بات کہہ جاتے ہو" ویرا کے چلے جانے کے بعد میں نے دھیمی آواز میں سلطان شاہ کو نصیحت کی "مذاق کو مذاق کی حد تک رہنا چاہیے۔ ذاتیات پر حملہ کرنے سے رنجشیں پیدا ہوجاتی ہیں۔"

"بس وہ بات میری زبان سے پھسل ہی گئی ورنہ میں نے کبھی بھی اس کے ماضی کو نشانہ نہیں بنایا۔"

یہ ایک اچھی علامت تھی کہ خود اسے بھی اپنی غلطی کا

Downloaded from https://paksociety.com

احساس ہو چکا تھا۔

ایک بجے کے قریب وہ دونوں گاڑی سے حیدر آباد کے لیے روانہ ہو گئے۔ انہیں رخصت کرکے میں ویرا کے ساتھ پہلی منزل پر گیا تو اکبر علی' ویرا کی دی ہوئی مسکن دوا کے زیر اثر گہری نیند سو رہا تھا۔ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر ہم دوسری منزل پر اکرم الٰہی کے کمرے میں آ گئے۔

میرے دل میں رہ رہ کر ویرا کی دعا اور بددعا والی بات چبھ رہی تھی۔ میں نے سلطان شاہ کو چلتے چلتے تاکید کر دی تھی کہ وہ حیدر آباد کے کسی ہوٹل میں ڈیرا ڈالتے ہی مجھے فون کرنا نہ بھولے۔

ویرا کمرے میں پہنچنے کے بعد میرے روبرو کرسی پر بیٹھ کر غور سے میری طرف دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی "سچ سچ بتانا کہ غزالہ جانے سے پہلے تمہیں میرے بارے میں کیا ہدایت دے کر گئی ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ ہم ایک دوسرے کے بارے میں فضول باتیں نہیں سوچتے" میں نے سگریٹ سلگا کر کہا۔

"کیا اسے اندازہ ہے کہ میرے اور تمہارے مراسم میں اب بھی کبھی کبھی بہت قرب پیدا ہو جاتا ہے؟"

"وہ دودھ پیتی بچی نہیں' سمجھ دار اور شادی شدہ عورت ہے۔ میرے اور تمہارے مراسم سے خوب واقف ہے۔ وہ اس بارے میں مجھ سے کبھی بات تک نہیں کرتی' خوش ہے کہ اسے اس کا جائز مقام ملا ہوا ہے۔"

"امریکا سے ہماری واپسی کے بعد بھی اس نے کچھ نہیں پوچھا؟" ویرا نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

"مجھ سے کچھ پوچھا' نہ تمہارے ساتھ رویہ تبدیل کیا' تم نے کوئی تبدیلی محسوس کی ہو تو خود ہی بتا دو!"

"مجھے حیرت ہے کہ تمہاری بیوی ہوتے ہوئے وہ یہ سب کیسے برداشت کر لیتی ہے۔ میں تو تصور بھی نہیں کر سکتی کہ کوئی بیوی اتنی چشم پوشی سے کام لے سکتی ہے۔ یہ سب انسانی سرشت کے خلاف ہے۔"

"ہم دونوں کے شب و روز تمہارے سامنے ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنے حال میں مگن رہتی ہے۔"

"وہ اپنی مجبوریوں کو سمجھتی ہے" ویرا نے اٹھ کر اپنے لیے پھر ایک گلاس بناتے ہوئے کہا "جانتی ہے کہ تم سے بگاڑ کر کہاں جائے گی۔ اس کے خاندان میں اب کوئی بھی نہیں ہے' اس کا سفینہ جل چکا ہے۔"

وہ مجھے ورغلانے اور اکسانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "تم فضولیات میں الجھ رہی ہو۔ بدترین مجبوریاں بھی انسان کی فطرت کو نہیں بدل سکتیں۔ ہماری جبری شادی سے پہلے اسے معلوم تھا کہ تم نے اسے کیوں اغوا کرایا تھا۔ تمہاری فطرت میں رقابت کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے' وہ درگزر کی قائل ہے۔"

"لو! یہ تمہارے لیے ہے" ویرا نے اپنا بنایا ہوا گلاس میری طرف بڑھا دیا "یہ نہ کہنا کہ تم نے شراب چھوڑ دی ہے۔ اس وقت کوئی دیکھنے والا نہیں ہے۔ رات لمبی ہے' جو ہمیں مل جل کر گزارنی ہے۔"

میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس کی چمکتی ہوئی مخمور آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں اور ہونٹوں پر دعوت انگیز مسکراہٹ رقصاں تھی۔ اس کے ارادے کسی بھی طرح نیک نظر نہیں آ رہے تھے۔

میں نے نرمی سے اس کا ہاتھ پرے دھکیل دیا "میں نے غزالہ یا سلطان شاہ کے دباؤ سے نہیں' از خود شراب چھوڑی ہے۔ یہ تم ہی کو مبارک ہو بلکہ گلاس سمیت دوسرے کمرے میں چلی جاؤ۔ مجھے تم سے خوف آ رہا ہے۔"

"خوف!" وہ بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑی "تم بولنے پر آتے ہو تو الفاظ کے معنی تک بدل ڈالتے ہو۔ تمہارے چہرے پر آئی ہوئی غیر معمولی سرخی اس خوف کی چغلی کھا رہی ہے جو تم مجھ سے محسوس کر رہے ہو" یہ کہتے ہوئے وہ میرے برابر میں ہی مختصر سے صوفے پر براجمان ہو گئی۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے میرا بازو تھام

عیسائی ڈاکٹر کا حیرت انگیز کمال

پاکستان بننے سے پہلے دہلی میں ایک عیسائی ڈاکٹر نے میرے مطب کے چند کامیاب نسخوں کو اپنے مریضوں پر آزما کر انکا کامیاب علاج کیا۔ تو وہ میرا اور بھی گہرا دوست بن گیا پھر وہ ریٹائر ہو کر انگلستان چلا گیا۔ یہ دوستی پھر خط و کتابت کی صورت میں جاری رہی' وہ میرے بہت سے نسخے تو اپنے ساتھ لے گیا' لیکن اپنی دواؤں کی ہوا تک نہ لگنے دی۔ آخر انتقال سے ایک سال قبل ڈاکٹر ولیم نے اپنا ایک مشہور نسخہ مجھے تفصیل سے لکھ کر بھیج دیا۔ جو کہ کمزور نوجوانوں کو بہت کم دنوں میں قابل فخر صحت کا مالک بنا دیتی تھیں میں نے خاص بیماریوں کا نسخہ پاتے ہی فوراً دوائیں تیار کر کے اپنے مطب میں آنے والے بالکل کچے گدے سے کمزور نوجوانوں کو استعمال کرائیں خدا نے میرے مریضوں کو مکمل شفاء عطا فرمائی اور ساتھ ہی میرے مطب کو ایسی شہرت بخشی جیسی ولیم کو اپنے ملک میں حاصل تھی۔ اس نسخہ کے استعمال کے فوراً بعد ہی ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسے سدا نوجوانی کا راز پا لیا ہو۔ مایوس مریضو! یہ اشتہار نہیں بلکہ حقیقت ہے اگر خدانخواستہ آپ بھی کسی ایسی ہی شکایت میں مبتلا ہوں تو آج ہی ایک خط اپنی مکمل کیفیت لکھ کر جوابی لفافے کے ہمراہ روزانہ کر دیں آپکو یہ نسخہ فوراً روانہ کر دیا جائیگا۔

حکیم اینڈ سنز پوسٹ بکس 2159 کراچی 74600 پاکستان

Downloaded from https://paksociety.com

لیا تھا۔

"تم یقین کرو کہ مجھے نیند آرہی ہے۔ شاید بلڈ پریشر بھی بڑھا ہوا ہے۔ اس کی وجہ سے میرا چہرہ تمتمارہا ہوگا" میں نے بہت نرمی سے کہا "تم اپنے کمرے میں جاکر آرام کرو اور مجھے بھی سونے دو۔"

اس نے اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لیا پھر میرے کان کی لو کو ہولے سے کھینچ کے بولی "میں آتش نہیں مگر آتش صفت ضرور ہوں۔ تم جانتے ہو کہ جمی لائیڈ نے ژان مریسا نو بن کر مجھے خود شناسی کی کیسی کیسی بھٹیوں سے گزارا تھا..."

میں نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی "میں سلطان شاہ کے بے ہودہ مذاق پر شرمندہ ہوں۔ میں نے اس کی گوشمالی بھی کی ہے۔ اب تم ژان مریسا نو کا نام لے کر مجھے مزید شرمندہ مت کرو۔"

اس نے میری پوری بات سکون سے سنی پھر کہا "میں نے اس کے مذاق کا ذرا بھی برا نہیں منایا۔ میں نے اسے سخت جواب صرف اس لیے دیا تھا کہ کہیں وہ غزالہ کے سامنے بھی ایسی کوئی بات نہ کہہ بیٹھے۔ غزالہ کے سامنے میں سربلند رہنا چاہتی ہوں" اس نے رک کر رائل سیلیوٹ کا مزید ایک لمبا گھونٹ لیا اور اپنی بات جاری رکھی "ہاں، تو میں کہہ رہی تھی کہ من آنم کہ من دانم۔ میرے قرب سے روم کے بڑے بڑے امرا اور جاگیرداروں تک کے چہرے تمتما اٹھتے تھے۔ تم تو ابھی نوجوان ہلکہ بہت کم سن ہو۔"

"آخر تم کیا چاہتی ہو؟ مجھے کیوں تنگ کررہی ہو؟" میں نے بے بسی سے کہا۔

"مجھ سے یہ جھوٹ مت بولو کہ تمہیں نیند آرہی ہے۔ تمہیں سلطان شاہ کے فون کے انتظار میں جاگنا ہے۔ وہ ڈیڑھ گھنٹے سے پہلے حیدر آباد نہیں پہنچے گا۔ یہ وقت عیش میں گزار لو۔ تمہیں معلوم ہے کہ گیا ہوا شباب اور گزرا ہوا وقت کبھی واپس نہیں آتا۔"

ویرا نے میرا جواب سنے بغیر اچک کر دیوار گیر سوئچ آف کردیا اور کمرے میں اندھیرا پھیل گیا۔

"ہائیں ہائیں!" میں بوکھلا گیا کیونکہ ویرا کے گلاس سے کچھ اسکاچ چھلک کر میرے چہرے پر آرہی تھی "روشنی کرو۔ کسی بھی وقت مرادیا سلطان شاہ کا فون آسکتا ہے۔"

اندھیرے میں اس کی کھنکتی ہوئی ہنسی کی آواز ابھری پھر اس نے میرے کان میں سرگوشی کی "فکر نہ کرو۔ فون کی گھنٹی کی آواز اندھیرے میں بھی بالکل صاف سنائی دیتی ہے۔"

○☆○

آدھا دن گزر گیا لیکن کہیں سے کوئی خبر نہیں ملی۔ انتظار کرتے کرتے طبیعت پر اکتاہٹ طاری ہونے لگی۔ رات گئے سلطان شاہ کے حیدر آباد پہنچنے کی تصدیق ہوچکی تھی۔ وہ بھی وہاں بیٹھا انتظار میں سوکھ رہا تھا لیکن شکایت کی کوئی گنجائش نہیں تھی کیونکہ وہ خود اپنی مرضی سے بلکہ اصرار کرکے حیدر آباد گیا تھا۔

دن میں اس سے دو مرتبہ میری بات ہوچکی تھی۔ اس دوران میں وہ ہیر آباد میں واقع صحرا نامی این جی او کے دفتر کا جائزہ بھی لے آیا تھا۔ وہ واقعی ایک اجاڑ اور خستہ حال کمرا تھا جس ایک میز، دو کرسیوں اور ایک ناکارہ ٹیلی فون کے سہارے غیر سرکاری تنظیم کے دفتر کا نام دے دیا گیا تھا۔ وہاں بیٹھنے والا بھی دفتر کی طرح ایک مسکین سا لڑکا تھا۔

جی آر کے ذریعے اول خان وہ معلومات پہلے ہی حاصل کرچکا تھا۔ سلطان شاہ کی چشم دید گواہی کے بعد میں ایک مرتبہ پھر یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ صحرا جیسی بے یارومددگار بلکہ کاغذی تنظیم میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے تھے جو فورڈ فاؤنڈیشن والوں کو اس کی سرپرستی اور بھاری مالی اعانت کرنی پڑ گئی تھی۔

وہ واضح طور پر بے زر و بے گھر مگر محنتی کارکنوں کی خدمات کی خرید و فروخت کا پراسرار معاملہ تھا۔ جس میں ساری اہمیت صرف اور صرف مراد ظریف کی تھی جو اپنی نان گورنمنٹ آرگنائزیشن یا این جی او کے ذریعے آخر کار اپنے خوابوں کی مالی تعبیر حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

اس خبیث نے مجھ سے اگلے روز رابطہ کرنے کا وعدہ کیا تھا مگر غائب تھا۔

دو بجے اول خان بھی اپنی دفتری ذمے داریوں سے فارغ ہوکر مائیکرو سینٹر آپہنچا۔ اسے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اس کے چلے جانے کے بعد میں نے سلطان شاہ اور غزالہ کو حیدر آباد کی طرف دوڑ لگانے کی اجازت دے دی تھی۔ اس کی دانست میں وہ وقت کے ضیاع کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ ہم حیدر آباد میں ان دونوں کی موجودگی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔

تین بجے پہلی خبر آئی جو ہم سب کے دلوں کو اداس کرگئی۔ حامد نے اسٹیشن فور سے۔ اول خان کو فون پر اطلاع دی کہ حیدر آباد میں نامعلوم کار سواروں نے جی آر یا غلام رسول بھمرو کو دورانِ سفر گولی مار کر ہلاک کردیا تھا۔

واقعے کی تفصیلات بہت لرزہ خیز تھیں۔ جی آر اپنی موٹر سائیکل پر لطیف آباد سے ٹھنڈی سڑک کے راستے رانی باغ کی طرف جارہا تھا کہ خلاموشی سے اس کا پیچھا کرنے والی کار اس کے برابر میں آئی۔ گاڑی سے اس کی کھوپڑی پر دو فائر کیے گئے اور وہ کار برق رفتاری سے کوئٹہ جانے والے اسی راستے پر فرار ہوگئی۔

جی آر موٹر سائیکل سمیت سڑک پر دور تک گھسٹتا چلا گیا۔ اس واقعے کے عینی شاہدین دوڑتے ہوئے اس کی مدد کو پہنچے تو وہ ہر دیکھ بھال کی ضرورت سے بے نیاز ہوکر خالقِ حقیقی سے جاملا تھا۔

"جی آر کے مارے جانے سے مجھے ذاتی طور پر گہرا صدمہ پہنچا ہے۔" اول خان سے وہ تفصیل سنانے کے بعد کہا "میں نے اسے مراد ظریف کے پیچھے لگایا تھا۔ ابھی اسے اس کی خدمات کا معاوضہ بھی ادا نہیں کیا گیا تھا کہ اس کا خون ہوگیا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"یہ مراد کا کام معلوم ہوتا ہے" ویرا نے اطمینان سے کہا۔ "اس نے ابھی تک ڈیبی سے رابطہ نہیں کیا۔ شاید وہ کل رات ہی حیدر آباد پہنچ گیا۔ اسے خلش تھی کہ اس کے موبائل کا نمبر ہم تک کیسے پہنچا۔ چھان بین کے بعد اسے پتا چل گیا ہوگا کہ جی آر شہر میں اس کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا پھر رہا تھا..."

"یہ سوفیصد اس کایا اس کے آدمیوں کا کام ہے" اول خان نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے اپنا فیصلہ سنادیا پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولا "ذرا سلطان شاہ سے کہو کہ صحرا کے دفتر کا جائزہ لے ڈالے۔ ہوسکتا ہے کہ مراد وہاں پہنچا ہو۔"

"وہ خود بے کار بیٹھے بیٹھے بے زار ہوگیا ہے۔ ایک مرتبہ وہاں کا چکر لگا چکا ہے۔ میں اسے دوبارہ وہاں بھیجتا ہوں۔ وہ بہت شوق سے جائے گا" یہ کہہ کر میں نے بلاتوقف فون کا ریسیور اٹھالیا۔

"وہ ایک دفعہ اُدھر جا چکا ہے تو اسے دوبارہ نہ بھیجو۔ وہ خطرناک لوگ ہیں۔ سلطان شاہ ان کی نظروں میں آگیا تو مشکل ہوجائے گی۔ جی آر جیسا زیرک آدمی ان سے نہیں بچ سکا تھا۔ سلطان شاہ کو خطرے میں نہ ڈالو۔"

اول خان بھی سلطان شاہ کی عزت کرتا تھا لیکن اس کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی جس سے ظاہر ہورہا تھا کہ اس نے سلطان شاہ کو جی آر سے کم تر تصور کیا تھا۔ میں خاموش رہا لیکن ویرا بھڑک کر بول پڑی "خطروں سے لڑ کر زندہ رہنا ہی مردانگی ہے۔ سلطان شاہ ایسا گیا گزرا بھی نہیں ہے کہ آسانی سے مارلیا جائے' اسے وہاں ضرور بھیجو۔"

پچھلی رات ویرا نے مجھے ہلکان کیے رکھا تھا۔ وہ نشے کی ترنگ میں اور دیر تک جاگنے کے موڈ میں تھی۔ طرح طرح کے حیلوں' طریقوں اور اپنائیت سے مجھے تنگ کرتی رہی پھر آسودہ ہو کر گہری نیند سوگئی۔ اس وقت وہ سلطان شاہ کا یوں دفاع کررہی تھی جیسے وہ اس کا مرد ہو اور اس کی مردانگی ویرا کے لیے عزت کا معاملہ ہو۔ وہ کسی کی سمجھ میں نہ آنے والی ایک پہیلی تھی۔

وہ ہوٹل کا فون تھا۔ لائن پر آپریٹر کی موجودگی کی وجہ سے میں اس سے کھل کر کوئی بات نہیں کرسکتا تھا۔ نمبر ملاتے ملاتے مجھے خیال آیا کہ میں دو مختلف آپریٹروں کے ذریعے سلطان شاہ سے بات کرچکا تھا اور لب ولہجے سے دونوں سندھی معلوم ہوئے تھے۔ وہ اردو اور انگریزی ضرور بول سکتے تھے لیکن پشتو زبان کو سمجھنا ان کے بس سے باہر تھا۔

میں نے جلدی سے ریسیور اول خان کو تھمادیا اور کہا "اسے پشتو میں پوری بات سمجھادینا۔"

اول خان ذہین آدمی تھا۔ فوراً بات کی تہ تک پہنچ گیا۔ لائن ملنے پر اس نے آپریٹر سے سلطان شاہ کا کمرا مانگا اور پھر پشتو میں بولنا شروع کردیا۔ میری طرح ویرا پشتو سے نابلد نہیں تھی۔ ہیروئن کی خرید و فروخت کے لیے پاکستان کے شمالی علاقوں کے بارہا کے سفر

نقصان

آفاقی صاحب لندن کے ایک ہوٹل میں ٹھہرے تو ایک شام ہوٹل کا مالک گپ شپ کرتے ہوئے خاصے غمزدہ لہجے میں انہیں بتانے لگا "کاروبار بہت مندا جارہا ہے... میں تو اس ہوٹل کی طرف سے فکرمند ہوچلا ہوں۔"

"لیکن مجھے تو ہمیشہ آپ کے ہاں ایڈوانس بکنگ کرانی پڑتی ہے اور ... میں آتا ہوں تو باہر "نو ویکنسی" کا بورڈ لگا رہتا ہے" آفاقی صاحب نے قدرے حیرت سے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے..." مالک ٹھنڈی سانس لے کر بولا "لیکن پہلے ہمارے ہاں سے روزانہ کم از کم چالیس پچاس افراد کمرا نہ ملنے پر مایوس واپس جایا کرتے تھے۔ اب صرف پندرہ بیس واپس جاتے ہیں۔"

میں اس نے اس زبان پر خاصی قدرت حاصل کرلی تھی جو اس کے کام آتی تھی۔

اول خان کی گفتگو زیادہ طویل نہیں تھی لیکن ریسیور رکھتے ہوئے وہ مطمئن تھا کہ اس نے سلطان شاہ کو متوقع خطرات سے پوری طرح آگاہ کردیا تھا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ ٹھنڈی سڑک پر ایک موٹر سائیکل سوار کے قتل کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل چکی تھی مگر سلطان شاہ کو یہ علم نہیں تھا کہ مارا جانے والا اول خان کا مخبر جی آر تھا۔

ہم اس نئے اقدام کے بارے میں گفتگو کررہے تھے کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"بوب رافیل کے کیریئر کی بربادی کے بعد سے تم کہاں غائب ہو؟" دوسری طرف سے کسی تمہید کے بغیر سوال کیا گیا اور آئی پی کے جلال کی آواز پہچان کر میرا دل خوش ہوگیا۔ مراد ظریف کے بارے میں وہ ہماری کوئی نہ کوئی مدد کرسکتا تھا۔

"وہ پرسوں کی بات ہے۔ ہمارے رابطے کو اتنے زیادہ دن تو نہیں ہوئے!"

"یہاں اب تک تمہارے چرچوں کی بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ طبیعت خوش ہوتی ہے کہ تم میرے ذاتی دوست ہو۔"

"ڈپلومیسی چھوڑ کر یہ بتاؤ کہ اس وقت کیسے یاد کیا ہے؟" میں نے ہنس کر کہا۔

"مراد ظریف نام کا ایک آدمی میرے اسٹاف کی نظروں میں آیا مگر پھر جل دے کر نکل گیا۔ میں اس کے بارے میں بہت فکرمند

Downloaded from https://paksociety.com

ہوں۔ اگر ہوسکے تو تم اس بارے میں کوئی خیر خبر نکالنے کی کوشش کرو" جلال فوراً مطلب کی بات پر آگیا۔

میں اس اتفاق پر دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ میں اس سے امید باندھے بیٹھا تھا اور وہ مراد کے بارے میں مجھ سے مدد کا خواہاں تھا۔ میں نے سرسری لہجے میں پوچھا۔ "یہ پاکستان کے کس شہر کا قصہ ہے؟"

"تم کراچی میں بیٹھے ہوئے ہو۔ میں وہاں کے علاوہ کس شہر کی بات کرسکتا ہوں۔"

"شاید تم بہت اختصار سے کام لے رہے ہو۔ میں سب سے پہلے یہ جاننا چاہوں گا کہ تمہیں اپنے مطلوبہ شخص کے نام کا علم کیسے ہوا؟ ایسا تو نہیں کہ تمہیں کوئی دھوکا ہوا ہو؟"

"ذرا لمبی لیکن دلچسپ کہانی ہے۔ یوب رائیل کا قصہ نمٹنے کے بعد ہم نے کراچی میں جان اسمتھ کی سخت نگرانی شروع کردی تھی" دوسری طرف سے جلال بتانے لگا "وہ پورے جنوب مشرقی ایشیا کے ساتھ ایران اور افغانستان میں جاری سی آئی اے آپریشنز کا نگراں ہے اور اسلام آباد کے بجائے نہایت خاموشی سے کراچی میں ڈیرا ہوا بیٹھا ہے۔ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ وہ پاکستان اور خاص طور پر کراچی میں اتنی گہری دلچسپی کیوں لے رہا ہے اور اس کے عزائم کیا ہیں؟"

"اول خان کا خیال ہے کہ اسلام آباد میں آئی بی اور آئی ایس آئی کا نیٹ ورک بہت مضبوط اور فعال ہے۔ جان اسمتھ کو ان دونوں اداروں کے عقابوں سے بچانے کے لیے کراچی میں مامور کیا گیا ہے۔"

"صرف یہ سبب نہیں ہوسکتا۔ پوری بات سن کر تم بھی مجھ سے متفق ہوجاؤ گے۔"

"میرا سوال رہ گیا۔ اس وقت میرے لیے مراد ظریف ہر شخص سے زیادہ اہم ہے۔"

"میں اسی طرف آرہا ہوں۔ یہاں کے حالات کی وجہ سے امریکی سفارت کاروں کی نقل و حرکت بہت محدود کردی گئی ہے۔ انہیں اجنبی مقامیوں سے ہر قیمت پر دور رہنے کی ہدایت دی گئی ہے لیکن کل رات، دفتری اوقات کے بعد ایک پاکستانی، امریکی قونصل خانے پہنچا تھا۔ اس وقت جان اسمتھ اپنے دفتر میں مصروف تھا۔ وہ پاکستانی جان اسمتھ سے ملنے کے بعد ٹیکسی سے واپس روانہ ہوا تو میرے آدمی نے اس کا پیچھا کیا۔ صدر کی بھیڑ بھاڑ سے گزرنے کے بعد ایم اے جناح روڈ پر میرا آدمی ٹیکسی کے قریب پہنچا تو وہ خالی تھی۔"

میں دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا "وہ راستے میں دروازہ کھول کر کہیں اتر گیا ہوگا؟"

"ہاں! ڈرائیور نے بتایا کہ محبوب کلاتھ مارکیٹ والے سرخ سگنل پر وہ ڈرائیور کو سو روپے کا نوٹ تھما کر اچانک ہی رکے ہوئے ٹریفک میں اتر گیا۔ ڈرائیور نئے مسافر کی تلاش میں آگے نکلتا چلا گیا۔"

"یہ کیسے پتا چلا کہ اس پاکستانی کا نام مراد ظریف تھا؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"قونصل خانے کے سیکیورٹی رجسٹر میں اس کے نام کا اندراج ہے۔ وہ صرف اٹھارہ منٹ بعد وہاں سے نکل آیا تھا۔ ان کے سیکیورٹی اسٹاف میں ہمارے آدمی بھی موجود ہیں۔ ہر سفارتی عمارت میں سرکاری طور پر ہمارے کچھ نہ کچھ آدمی ضرور شامل ہوتے ہیں۔ عام طور پر انہیں ریکارڈ وغیرہ سے دور اور الگ تھلگ رکھنے کی کوششیں کی جاتی ہیں لیکن گیٹ پوسٹ پر موجود سیکیورٹی رجسٹر کو کہیں بھی زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔ پتا نہیں مراد کون تھا اور وہاں کیوں گیا تھا؟"

"مراد، صحرا نامی ایک این جی او کا سربراہ بلکہ مالک ہے جو کچھ عرصے پہلے تک کوچہ نوردی کرتا تھا۔ اب اچانک مالا مال ہوگیا ہے۔ میں خود بھی کل سے اسی کے چکر میں ہوں۔"

میرا وہ انکشاف جلال کے لیے ناقابلِ یقین حد تک حیرت انگیز ثابت ہوا۔ وہ یہ ماننے کے لیے تیار ہی نہیں تھا کہ اس کے ایک پیچیدہ ترین سوال کا جواب میرے پاس پہلے سے تیار تھا۔ میں نے اسے اپنی جملہ معلومات سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

"وہ واقعی بہت مخلص اور محنتی انفارمر تھا" جی آر کے قتل کی خبر سن کر جلال نے اسے کھلے دل سے خراجِ تحسین پیش کیا "وہ کئی بار ہمارے لیے بھی کام کرچکا تھا۔ اس کی کارکردگی ہمیشہ قابلِ رشک ہوا کرتی تھی۔"

"اب مراد کی گردن پر ایک خون بھی ہے۔ میں اس کا منتظر ہوں لیکن تمہاری کہانی سننے کے بعد مجھے پورا یقین ہے کہ اب وہ بھول کر بھی مجھ سے رابطہ نہیں کرے گا۔ اس کی اصل ڈور جان اسمتھ کے ہاتھ میں آگئی ہے۔"

"تمہارے دام میں آتے آتے وہ پھسل کر ادھر کیسے نکل گیا؟" جلال متحیر تھا۔

"بظاہر مجھ پر اعتبار کرنے کے باوجود وہ میری طرف سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہوگیا تھا۔ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کے کسی ناپاک منصوبے پر کام کررہا ہے۔ اس کے پاس دور تک کی متبادل ہدایات موجود رہی ہوں گی۔ مقبول چوہدری سے رابطہ مشکوک ہونے یا ٹوٹ جانے کی صورت میں جان اسمتھ اس کا نگراں مقرر کیا گیا ہوگا۔ اس نے وہاں پہنچ کر میری اور اپنی گفتگو دہرائی، جان نے اسے خاموشی سے لوٹ جانے کی ہدایت دی اور وہ حیدر آباد چلا گیا۔"

"میرے فون سے تمہیں یہ فائدہ تو ہوا کہ اب تمہیں اس مردود کا انتظار نہیں رہے گا۔ تم نے اس کے خلاف کافی مواد فراہم کردیا ہے۔ تم اپنا کام کرتے رہو۔ ہم اپنے طریقے سے اسے گھیرتے

Downloaded from https://paksociety.com

ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے اسے کیا کام سونپا ہے اور مراد کو اس میں کتنی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔"

وہ جلال کا پیشہ ورانہ اخلاق تھا کہ اس نے مجھ سے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ہمیں صحرا اور فورڈ فاؤنڈیشن یا فریڈم انٹرنیشنل کے رابطوں کا سراغ کیسے ملا؟

"ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے اب ہماری لڑائی صرف این جی اوز کے خلاف رہ گئی ہو" میں نے کہا "فریڈم انٹرنیشنل کے بعد اب صحرا کا نام سامنے آیا ہے۔ پتا نہیں ابھی ایسے کتنے ادارے نقابوں میں چھپے ہوئے ہیں۔"

"سب کچھ کل ہی سامنے آگیا ہوتا۔ بدقسمتی آڑے نہ آتی تو اسے جان اسمتھ سے ملنے کی مہلت ہی نہیں ملتی اور وہ اس وقت تمہارا قیدی بنا ہوا ہوتا۔ تم نے اسے بہت خوبصورتی سے گھیر کر مائیکرو سینٹر تک بلالیا تھا۔ وہاں اپنا ایک آدمی کھودینے کے بعد وہ آج دوبارہ اُدھر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔"

میں نے اسے جزئیات نہیں بتائی تھیں' موٹے موٹے واقعات سنادیے تھے۔ ان کو جانے بغیر وہ اندازہ ہی نہیں لگا سکتا تھا کہ مراد ظریف کیسے نازک حالات میں نکل بھاگا تھا۔ اگر مجھے پہلی بار صحیح اندازہ ہوگیا ہوتا کہ وہ مقبول چوہدری کی عمارت میں موجودگی کا یقین کیے بغیر مائیکرو سینٹر میں قدم نہیں رکھے گا اور میں اسی وقت آواز بدل کر اسے مطمئن کردیتا تو بہت کچھ ٹالا جاسکتا تھا لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ وہ میری غلطی نہیں تھی بلکہ حالات کے شدید دباؤ کا منطقی نتیجہ تھا۔

گنتی کے اعتبار سے عمارت کے اندر سات افراد موجود تھے' حامد اپنے چار آدمیوں کو لیے باہر تیار تھا مگر فیصلہ کرنے کی ساری ذمّے داری صرف میری تھی۔ سات بجنے سے چند منٹ پہلے تک مجھے پورا یقین تھا کہ مراد میرے جال میں پھنسنے والا تھا۔ مجھ سے اس کی ذہانت کا اندازہ کرنے کی غلطی ضرور سرزد ہوئی تھی۔ وہ اس قدر مکار تھا کہ اس نے اپنے مسکن سے کراچی کی راہ اختیار کرنے سے پہلے ہی اپنی معروف پجیرو کو خریدار کہہ کر دوسری گاڑی سنبھال لی تھی۔ آخری لمحات سر پر آنے سے پہلے یہ معلوم ہی نہیں ہوسکا تھا کہ اس کے ذہن میں کیا کھچڑی پک رہی تھی اور وہ کن تیوروں کے ساتھ ہمارے مقابل آنے والا تھا۔

ایک دوسرے کو تازہ ترین تبدیلیوں سے بروقت باخبر رکھنے کے وعدوں کے ساتھ وہ گفتگو ختم ہوگئی۔

"اس وقت صرف جان اسمتھ ہمارے سامنے ہے" میں نے فون بند کرنے کے بعد خودکلامی کے انداز میں کہا۔

"اسے ہرگز نہ چھیڑنا" اول خان میری خودکلامی پر چونک کر بول پڑا "درونِ خانہ سازشیں ہر وقت چلتی رہتی ہیں۔ جب تک امریکی' رابن مائیا یوب رائیل کے کیس کی طرح کھل کر سامنے نہیں آتے' ہمیں ان سے دور رہنا ہوگا۔ یہ اسپیشل ٹاسک فورس کی موجودہ پالیسی ہے اور اس پر سختی سے عمل کیا جائے گا۔"

"جب ایس ٹی ایف کے ہاتھ باندھ دیے گئے ہیں تو تم دوسروں کے بارے میں خود اندازہ لگاسکتے ہو" اس بار وہ بولی تھی۔ "جان اسمتھ کی نگرانی ہوتی رہے گی۔ اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوسکے گی۔"

"میں ایک حقیقت دہرا رہا تھا۔ میں خود بھی جانتا ہوں کہ امریکی افسروں کو اتنے تسلسل سے نشانہ بنانے کے لیے کتنے سنگین مضمرات ہوسکتے ہیں۔ اس وقت مسائل میں اضافہ کرنا مناسب نہیں ہوگا۔"

"بس اپنی پوری توجہ مراد ظریف پر مرکوز کردو۔ وہ بہت سفاک اور خونی دشمن ہے۔ اس نے چوبیس گھنٹے پورے ہونے سے پہلے جی آر کو قتل کرکے دھنی رام کا بدلہ لے لیا ہے۔ اب اس کی رسّی دراز نہیں ہونی چاہیے" اول خان نے کہا۔

"سوا چار بج رہے ہیں" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے تشویش ظاہر کی "ابھی تک سلطان شاہ کی طرف سے کوئی فون نہیں آیا۔ اسے گئے ہوئے خاصی دیر ہوچکی ہوگی۔"

"کیا اس کا ہوٹل ہیر آباد سے قریب ہے؟" اول خان نے نرم آواز میں پوچھا۔

"ہاں' رسالہ روڈ پر کینٹ کے علاقے میں ہے۔ اسے اب تک لوٹ آنا چاہیے تھا۔"

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا اور میری تشویش میں اضافہ ہوتا رہا۔ میں نے کئی مرتبہ سوچا کہ حیدرآباد فون کروں مگر پھر یہ سوچ کر ارادہ ملتوی کردیا کہ میرے فون سے غزالہ کی پریشانی بڑھ جائے گی۔ سلطان شاہ کے نکل جانے کے بعد وہ کمرے میں اکیلی رہ گئی ہوگی۔ میری ذرا سی فکرمندی اسے سنگین اندیشوں میں مبتلا کردے گی۔

ساڑھے چار سے ذرا پہلے فون کی گھنٹی بول اٹھی اور میں نے لپک کر ریسیور اٹھالیا۔

دوسری طرف سے براہِ راست غزالہ کی رندھی ہوئی آواز آئی "سلطان شاہ کو گئے ہوئے ایک گھنٹے سے زیادہ وقت ہوگیا ہے۔ وہ ابھی تک واپس نہیں آیا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا کہ اسے کہاں تلاش کروں؟"

"تم اس وقت کہاں ہو؟" میں نے ضبط و تحمل سے کام لیتے ہوئے' رسانیت سے پوچھا۔

"ہوٹل کے کمرے سے کھل کر بات نہیں کرسکتی تھی اس لیے لابی کے کارڈ فون پر ہوں" میری آواز سن کر اس کے الفاظ بکھرنے لگے۔

"خود پر قابو رکھو اور کمرے میں جانے کے بجائے خاموشی سے ہوٹل چھوڑ دو" میں نے اسے حوصلہ دلانے کے بجائے سختی سے کہا۔ "جیل روڈ پر پہنچ کر کوئی بس پکڑو اور سیدھی کراچی پہنچ آؤ!"

"اور سلطان شاہ؟" اس کی آواز میں گہرا کرب اور اضطراب

Downloaded from https://paksociety.com

ں تھا۔

"فی الحال اسے بھول جاؤ اور خود کو بچانے کی کوشش کرو۔ ید وہ کہیں پھنس گیا ہے۔"

"صبح وہ گیا تھا تو آدھے گھنٹے سے بھی کم وقت میں جائزہ لے کر یا تھا۔"

"اسے دیکھ لیا جائے گا۔ تم وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔ راز جلد کراچی پہنچنے کی کوشش کرو تاکہ ہم یک جا ہو کر سلطان شاہ لیے کچھ کر سکیں۔ اس کے لیے ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہے۔"

"اگر وہ دیر سے آیا تو مجھے نہ پا کر پریشان ہو جائے گا" غزالہ لطان شاہ کی فکر میں گھلی جا رہی تھی۔

"وہ سمجھ دار آدمی ہے۔ فوراً کراچی فون کرے گا اور اس کی ں ہو جائے گی مگر تم وقت برباد مت کرو۔ یہ سمجھ لو کہ وہ کہیں س چکا ہے۔ تو اس پر کیا گزر رہی ہوگی۔" میں نے ایک ایک لفظ ور دے کر کہا۔

"ٹھیک ہے' میں آپ کی ہدایت پر عمل کرنے جا رہی ہوں۔ ے...." باقی الفاظ غزالہ کے حلق میں گھٹ کر رہ گئے اور فون کا لسلہ یکایک منقطع ہو گیا۔

"صبح سلطان شاہ آدھے گھنٹے میں لوٹ آیا تھا' اب غائب ۔ میں نے غزالہ کو بس سے کراچی بلا لیا ہے" میں نے جذبات ے عاری لہجے میں اعلان کیا "خدا کرے کہ وہ صحیح سلامت ہو۔"

"ذرا سی دیر میں یہ تیسری بُری خبر ہے" اول خان نے اپنی یاں مروڑتے ہوئے کہا "پہلے جی آر کے قتل کی خبر آئی پھر جلال بتایا کہ پچھلی رات مراد دوبارہ جل دے کر نکلنے میں کامیاب یا' اب سلطان شاہ غائب ہے۔ یہ میرا قصور ہے۔ میرے کہنے پر نے اسے صحرا کے دفتر کی مزید دیکھ بھال کے لیے بھیجا تھا۔"

"تمہارا نہیں' یہ میرا قصور ہے" ویرا کا چہرہ بھی مایوسی سے گیا "تم نے منع کر دیا تھا مگر میں نے ڈیڈی سے اصرار کیا تھا۔ پھر ت کو بھی میں نے جانے سے پہلے اسے دعا نہیں دی تھی۔ مجھے پتا تھا کہ یہ ہو جائے گا۔"

"ہمیں بعد میں بھی اپنے گریبانوں میں جھانکنے کا موقع ملتا ہے گا" میں نے ویرا کو گھورتے ہوئے اپنی جیب سے ایک کاغذ ا اور اول خان کی طرف بڑھا دیا "یہ چار نام اور فون نمبر ہیں۔ میں سے ایک کراچی میں ہے۔ مجھے جلد از جلد اس کا پتا درکار ۔"

اول خان نے اس کاغذ پر سرسری نظر دوڑائی اور مجھ سے کچھ جھے بغیر فون کی طرف بڑھ گیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے وجود میں انتقام کا جوالا ی زور پکڑتا جا رہا تھا اور میری طبیعت چاہ رہی تھی کہ اپنے منے آنے والی ہر رکاوٹ کو اپنی مٹھیوں میں پیس کر ریزہ ریزہ دوں مگر میں برداشت سے کام لیتا اور سگریٹیں پھونک پھونک کر کمرے میں چہل قدمی کرتا رہا۔ مجھے امید تھی کہ غزالہ خیریت کے ساتھ کراچی پہنچ جائے گی مگر سلطان شاہ کی طرف سے میرا ذہن مایوسی کا شکار تھا۔

اول خان کو دیے جانے والے چاروں نام پہلے سے میرے پاس موجود تھے۔ وہ نام اور فون نمبر میں نے اکرم الٰہی کی بنائی ہوئی فائل سے حاصل کیے تھے۔ فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے ان چاروں کو مراد کا طاقت ور حامی اور سرپرست قرار دیا تھا۔

جب تک مراد کے ہاتھ آنے کی امید باقی تھی' میں نے ان چاروں میں سے کسی کو نہیں چھیڑا تھا کہ کہیں وہ مراد کو ہوشیار نہ کر دیں لیکن سلطان شاہ کے غائب ہو جانے کے بعد اگر اور مگر کی وہ تمام رکاوٹیں دور ہو چکی تھیں۔ میں نے پوری طاقت کے ساتھ ان میں سے پہلے آدمی کی گردن ناپنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی بجی تو میری پُرامید نظر اس کی طرف اٹھی کہ کہیں وہ سلطان شاہ کی کال نہ ہو۔ اول خان نے فون پر بات کی تو میری اس امید پر اوس پڑ گئی۔ وہ کسی سے پتا لے رہا تھا۔

وہ ناظم آباد کا پتا تھا۔ چمن علی نامی وہ شخص ناظم آباد کے بلاک نمبر چار میں رہتا تھا۔

پتا لینے کے بعد میں سوچ میں پڑ گیا۔ شام کے پانچ بجے کسی بھی ملازمت پیشہ یا کاروباری شخص کا اپنے گھر پر موجود ہونا غیر یقینی تھا جب کہ میں اپنے شکار کی موجودگی کا پورا یقین کر لینے کے بعد ہی اس کی کمین گاہ پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

کراچی میں رات کے بارہ بجے کے بعد ہی یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ لوگ اپنے گھروں میں ہوں گے۔ میرے لیے وہ طویل انتظار ممکن نہیں تھا۔ اگر سلطان شاہ زندہ تھا اور مراد کی قید میں تھا تو اس کے لیے ہر گزرتا ہوا لمحہ ایک عذاب سے کم نہیں تھا۔

میں سوچتا رہا اور میرے ذہن میں وسوسے سر ابھارتے رہے۔ چمن علی عیال دار بھی ہو سکتا تھا۔ وہ کتنا ہی بدکردار اور سازشی ہو' اس کے اہلِ خانہ کے ساتھ بدسلوکی میرے لیے قابلِ قبول نہیں تھی۔ ان سب کی موجودگی میں چمن سے زیادہ پرتشدد باز پرس بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ بس ایک ہی صورت تھی کہ اسے گھر سے اٹھا لیا جاتا۔

"تم خاموشی سے مسلسل کیا سوچے جا رہے ہو؟" اول خان نے مجرمانہ احساس کے ساتھ سوال کیا۔

"اس وقت سلطان شاہ کی بازیابی کے سوا اور کیا سوچا جا سکتا ہے؟"

"چمن علی کا نام تم نے اکرم الٰہی کی فائل سے نوٹ کیا ہے؟"

"پرچے پر لکھے ہوئے چاروں نام اسی فائل سے لیے گئے ہیں۔ میں وقت ضائع کیے بغیر اس پر ہاتھ ڈالنا چاہتا ہوں۔ ضروری نہیں کہ وہ اس وقت اپنے گھر پر موجود ہو۔ اسے کیسے تلاش کیا جائے؟"

Downloaded from https://paksociety.com

"صدمے سے تمہارا ذہن ماؤف ہو رہا ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں۔"

اول خان نے وہی کیا جو میرے ذہن کے کسی گوشے میں کلبلا رہا تھا مگر ابھر کر سامنے نہیں آرہا تھا۔ اس نے چمن علی کے لاہور سے آئے ہوئے دوست کے فرضی نام سے اس کے گھر فون کیا تو پتا چلا کہ علالت کی وجہ سے وہ اس روز اپنے گھر پر ہی موجود تھا۔ فون اٹھانے والی خاتون نے چمن سے بات کرانے کی پیشکش کی مگر اول خان نے اگلے روز رابطہ کرنے کا وعدہ کرکے فون بند کردیا۔

"زیادہ بھیڑ بھاڑ کی ضرورت نہیں' بس دو آدمی کافی رہیں گے" میں نے اول خان سے کہا "ویرا گھر پر رک کر غزالہ کی واپسی کا انتظار کرے گی۔ وہ سات بجے کے بعد کسی بھی وقت مائیکرو سینٹر پہنچ سکتی ہے۔"

اول خان نے بتایا کہ اکبر علی کے زخم کی حالت بہتر تھی اور وہ تھوڑا بہت چلنے پھرنے کے قابل تھا۔ اس کی رائے تھی کہ احتیاطاً ہم دونوں دلیر خان کو بھی اپنے ساتھ لے لیں تو بہتر رہے گا۔ میں نے اس کی وہ تجویز قبول کرلی اور ہم تینوں اول خان کی گاڑی میں فوری طور پر ناظم آباد کی طرف روانہ ہوگئے۔

چمن کو اس کے گھر سے لانے کے لیے ہمارے ذہن میں کوئی منصوبہ نہیں تھا۔ بس یہ طے تھا کہ اسے ہر قیمت پر وہاں سے نکال لے جانا ہے۔ طریقہ کار اس سے ملنے کے بعد طے کیا جاتا۔ یہ بات ہم دونوں ہی سمجھ رہے تھے کہ وہ جس مزاج کا مالک ہو' آسانی سے اپنا گھر چھوڑ کر ہمارے ساتھ جانے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ فورڈ فاؤنڈیشن کے نامزد کیے ہوئے مراد کی سخت جانی اور فطینی کا مظاہرہ ہم دیکھ چکے تھے۔ بقیہ چاروں کے بارے میں بھی میں نے اسی قسم کا اندازہ قائم کیا تھا۔

ناظم آباد کے بلاک نمبر چار میں بیشتر مکان بڑے رقبے پر آباد ہیں مگر وہاں چھوٹے مکان بھی موجود ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ چمن کا گھر ایک چھوٹے پلاٹ کی زیریں منزل پر تھا۔ دلیر اور اول خان کو گاڑی میں چھوڑ کر میں نے ہی نیچے اتر کر ڈور بیل بجائی تھی۔ جواب میں بھاری بدن کی ایک متوسط عمر والی خاتون نے دروازہ کھولا اور استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔

"میجر اسد!" میں نے خشک لہجے میں کہا "ہم چمن علی سے ملنے آئے ہیں۔"

عورت کے چہرے پر پریشانی کے آثار ابھر آئے اور اس نے کہا "آپ ٹھہریں' میں انہیں بتاتی ہوں۔"

"بتانے کی ضرورت نہیں۔ آپ راستہ دے دیں۔ ہم خود انہیں بتادیں گے' معاملہ کچھ سنگین ہے۔" میں نے نہایت بے رخی سے کہا۔ میرے ذہن میں رہ رہ کر سلطان شاہ کا اذیت میں ڈوبا ہوا چہرہ ناچ رہا تھا۔

"یہ گھر ہے۔ یہاں فیملی رہتی ہے۔ کیا چمن کوئی مجرم ہیں جو آپ اس طرح پیش آرہے ہیں۔"

میرے جواب دینے سے پہلے اندر سے ایک بھاری مرد آواز ابھری "کون ہے؟ کیا بات ہے؟"

"کوئی میجر اسد ہیں۔ گھر میں آنا چاہتے ہیں" عورت نے پلٹ کر گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اسی اثنا میں کرتے شلوار میں ملبوس ایک صحت مند شخص عورت کو ہٹا کر میرے سامنے آگیا۔ چہرے مہرے سے وہ تعلیم یافتہ معلوم ہو رہا تھا۔

"تم چمن علی ہو؟" میں نے سوال کیا۔ اس کا سر اثبات میں ہلتے ہی میں نے اپنی بات پھر شروع کردی "تمہیں پوچھ گچھ کے لیے ہمارے ساتھ چلنا ہے۔ کوئی ہنگامہ کیے بغیر خاموشی سے گاڑی میں آجاؤ۔"

"ہائے میرے خدا!" میری وہ ہدایت سنتے ہی چمن کے پیچھے کھڑی ہوئی عورت تقریباً چیخ پڑی۔

"بیگم! تماشا مت بناؤ" چمن نے پلٹ کر غصے اور بوکھلاہٹ میں اپنی بیوی کو ڈانٹا "مجھے بات کرنے دو..."

"بات یہاں نہیں' ہمارے دفتر میں ہوگی۔ یہاں تم واقعی تماشا بن جاؤ گے۔"

موسم خوشگوار ہونے کے باوجود چمن کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئیں "سس.... سر! آپ کچھ تو بتائیں کہ میرا قصور کیا ہے؟ مجھے کس سلسلے میں لے جانے کی ضرورت پیش آرہی ہے؟" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"فورڈ فاؤنڈیشن سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"ان کے اسکالرشپ پر میں نے ورجینیا سے ایم بی اے کیا تھا۔ یہ برسوں پرانی بات ہے۔"

میرے ذہن میں کڑیاں مل گئیں۔ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کا پرانا نمک خوار تھا۔ ورجینیا میں سی آئی اے کا ہینڈلر موجود تھا۔ شاید دوران تعلیم ہی اس کے رجحانات دیکھ بھال کر اسے فاؤنڈیشن کی لسٹ پر لے لیا گیا تھا۔ میں نے اسے کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع دیے بغیر تیزی سے اگلا سوال کیا "مراد ظریف کو جانتے ہو؟"

مراد کا نام سنتے ہی اس کا چہرہ تاریک پڑ گیا "اندر آجائیں۔ میں آپ کے ہر سوال کا جواب دینے کو تیار ہوں۔"

بس لمحہ بھر کے لیے مجھے اس پر رحم آیا پھر میرا دل سخت ہوگیا۔ سفید پوش طبقے کے بہت سے لوگ عبرتناک انکشافات کے بارے میں سوچے سمجھے بغیر کسی چھوٹی موٹی خودغرضی کے لیے جرائم کی دلدل میں اترجاتے ہیں اور بظاہر موج کرتے رہتے ہیں لیکن جب ان کے اعمال کا نتیجہ سامنے آتا ہے تو عزت کو خاک میں ملتا دیکھ کر ان کے ہوش اڑجاتے ہیں۔"

میں نے اول خان کو اشارہ کیا۔ وہ دونوں تیار بیٹھے ہوئے

Downloaded from https://paksociety.com

ے۔ فوراً ہی گاڑی لاک کرکے آگئے۔

چمن کی بیوی دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ تھامے پھٹی پھٹی نگھوں سے ہمیں دیکھتی رہی اور ہم تینوں، چمن کے پیچھے اس کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئے جو مختصر لیکن گھر کی طرح صاف ستھرا ور قرینے سے آراستہ تھا۔ دلیر خان، اول خان کے اشارے پر باہر ل گیا اور حاضر باش کی حالت میں ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے کے باہر کھڑا ہوگیا۔ ہم دونوں اندر صوفوں پر بیٹھ گئے۔

"مزید گفتگو ہونے سے پہلے میں اپنا اجمالی تعارف کرادوں" ن نے اپنی پیشانی سے پسینہ صاف کرتے ہوئے پرتشویش اور ندرت خواہانہ لہجے میں کہا "میں شریف اور عزت دار پاکستانی ں اور ایک غیر ملکی بینک میں اچھے عہدے پر ملازم ہوں..."

"تمہاری شرافت اور عزت کی شہرت ہی ہمیں تمہاری دہلیز پر ئی ہے" میں نے اس کی بات کاٹ کر درشتی سے کہا "ان زیروں کے بجائے اصل معاملے کی طرف آؤ۔ ہمارا وقت برباد ت کرو۔"

اس نے رحم طلب اور قدرے نم ناک آنکھوں سے میری رف دیکھا اور بولنے لگا "سب کچھ میری نیک نیتی سے شروع ہوا مگر اب مجھے علم ہوا کہ بات بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ مراد املات کو بہت غلط اور خطرناک رخ پر لے جارہا ہے۔"

"رکے بغیر تفصیلات بتاتے چلے جاؤ ورنہ ہم تمہیں اٹھالے ئیں گے" میں نے اسے ٹوکا۔

"میں امریکا میں تعلیم کے دوران میں فورڈ فاؤنڈیشن کی ہیومن ئٹس کمیٹی کا سرگرم رکن تھا۔ گریجویشن، ماسٹرز اور پھر دو سالہ زمت سمیت میں نے امریکا میں عزت اور خوش حالی کے چھ سال ارے پھر پاکستان آگیا۔ یہاں فورڈ فاؤنڈیشن کی سفارش پر مجھے یڈم انٹرنیشنل کی اعزازی رکنیت مل گئی۔ میں کبھی کبھی ان کے لاسوں میں شریک ہوتا اور چندہ بھی دیتا رہا۔ انہوں نے مجھے یت تحریر و تقریر کے شعبے کا نگراں مقرر کردیا۔ یہ میرا پسندیدہ ضوع تھا۔ اب سے کوئی آٹھ ماہ پہلے اکرم الٰہی نے مراد ظریف ے میرا تعارف کرایا۔ وہ پڑھا لکھا اور پرجوش نوجوان ہے۔ جو ر کے بھوکے، پیاسے اور پس ماندہ باشندوں کے لیے بہت کچھ گزرنا چاہتا ہے۔ میں اسے اَن پڑھ لوگوں کے لیے آسان اردو ں اسکرپٹ لکھ کر دیتا رہا تاکہ ان میں بیداری کی لہر پیدا ہو۔ مجھے ھ ہی عرصے پہلے پتا چلا ہے کہ مراد نے ان اسکرپٹس کو پس منظر ٹنری بنا کر ایسی فلمیں بناڈالیں جو دیہاتیوں میں شہری بالادستی کے ف نفرت پیدا کرتی ہیں۔ تھرمیں پانی کی بوند بوند کرتر سے ہوئے ب جب اسکرین پر کراچی کے بڑے بڑے بنگلوں کے لان کی رابی اور قیمتی گاڑیاں دھلنے کے مناظر دیکھتے ہیں تو ان سے نفرت وس کرتے ہیں۔ وہ اس طرح تھرمیں بغاوت کی فضا پیدا کرنے رتوڑ کوششوں میں لگا ہوا ہے۔ اب میں مجبور ہوکر اس کے مطالبوں کے مطابق اسکرپٹ لکھتا ہوں۔ نادانی میں کی جانے والی غلطی اب میری مجبوری بن چکی ہے۔"

"مراد حیدر آباد میں کہاں مل سکتا ہے؟" میں نے سرد لہجے میں سوال کیا۔

اس کے چہرے کا رنگ اڑگیا۔ اس نے تھکی ہوئی آواز میں کہا "مجھے صحیح علم نہیں ہے۔"

"تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم کتنے بڑے چکر میں پھنس چکے ہو۔ یہ واقعی ریاست سے بغاوت کا کیس ہے۔ تم نے زبان نہ کھولی تو تمہاری ساری عزت اور خوش حالی خاک میں مل جائے گی" اول خان نے اسے سمجھایا۔

"وہ بہت سفّاک آدمی ہے۔ ہر وقت خون اور غارت گری کی باتیں کرتا رہتا ہے۔ وہ میرا گھر اجاڑدے گا۔"

"تم اپنی زبان بند رکھوگے اور اسے ہمارے بارے میں نہیں بتاؤ گے تو محفوظ رہوگے!"

اچانک اندرونی دروازے سے اس کی بیوی ڈرائنگ روم میں آگئی اور اپنا دوپٹا پھیلا کر چمن کے سامنے گڑگڑائی "تم سب کچھ بتا کیوں نہیں دیتے؟ ان شریف افسروں نے تم پر احسان کیا ہے تو ہرات بتادو۔ مجھے کیا پتا تھا کہ اتنا پڑھ لکھ کر بھی تم ایسی حرکتیں کرتے پھر رہے ہو۔ تم تو اپنے ساتھ ہم سب کو لے ڈوبوگے۔"

اس نے باقاعدہ بین کرنا شروع کردیا۔

وہ فضا مکدّر کررہی تھی لیکن میں نے اسے نہیں روکا۔ چمن کے لیے بیوی کے آنسو اور فریادی فقرے زیادہ اثرانگیز ہوسکتے تھے۔ چمن نے گھبرا کر اسے خاموش کرانا چاہا لیکن اس نے اپنے شوہر کو گریبان سے جھنجوڑ ڈالا۔

"وہ آج کل حیدر آباد میں ہوتا ہے تو ہیر آباد میں گوپال چند کے گھر پر رہتا ہے۔" آخر کار چمن نے زبان کھول ہی دی۔

گوپال چند کا نام بھی اکرم الٰہی کے جمع کیے ہوئے کاغذوں میں موجود تھا۔ مجھے یقین ہوگیا کہ چمن نے ہمیں گمراہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ ناگہانی افتاد کے سامنے حوصلہ ہار بیٹھا تھا اور وہی ہماری کامیابی تھی۔

اسے گوپال چند کے گھر کا پتا معلوم نہیں تھا مگر وہ گھر اس کا دیکھا ہوا تھا۔ اس نے نشانیوں کے ذریعے اتنی رہنمائی کردی کہ ذرا سی کوشش کے بعد ہم اس کے گھر پہنچ سکتے تھے۔

"یہ یاد رکھنا کہ مراد کو ہماری اس ملاقات کی بھنک بھی ملی تو تمہاری خیریت نہیں ہوگی" اول خان نے چلتے چلتے چمن اور اس کی بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "ہم وعدہ خلافی ذرا بھی برداشت نہیں کرتے۔"

اسی لمحے مجھے ایک اور سوال یاد آگیا جو میں نے فوراً پوچھ ڈالا۔

"تم گوپال چند سے کیسے واقف ہو؟"

"میری اور اس کی ملاقات فریڈم انٹرنیشنل کے ایک اجلاس

Downloaded from https://paksociety.com

میں ہوئی تھی۔ تعلقات بڑھے تو معلوم ہوا کہ وہ بھی امریکا میں رہ چکا ہے اور فورڈ فاؤنڈیشن کا تاحیات رکن ہے۔" چن نے بتایا۔

وہ مماثلت قابل غور تھی۔ فورڈ فاؤنڈیشن میں گھسے ہوئے سی آئی اے کے ایجنٹ اپنے ایجنڈے کی تکمیل کے لیے صرف ان ہی لوگوں پر اعتماد کرتے تھے جو امریکا میں ایک لمبی مدت تک ان کے قریبی مشاہدے میں رہے ہوں۔ کردار اور شخصیت کے مکمل تجزیے کے بعد ہی کسی کو فاؤنڈیشن کی رکنیت اور دیگر ذمے داریوں کا اہل تصور کیا جارہا تھا۔

وہ عالمی بساط پر اپنے مفادات حاصل کرنے کے جدید امریکی طریقے تھے۔ باہر سے اپنے پیدہ پیدہ نگراں مسلط کرنے کے ساتھ وہ عملی میدان میں مقامیوں سے کام لینے کی پالیسی پر عمل پیرا تھے جس کے نفاذ کے لیے منظم اور لمبی مدت کے ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے تھے جبکہ ان کے آلہ کار بننے والوں کو ابتدا میں شبہ تک نہیں ہوتا ہوگا کہ انہیں کسی سازش میں ملوث کیا جارہا ہے۔ وہ فورڈ فاؤنڈیشن جیسے عالمی شہرت یافتہ ادارے یا اس کی کسی کمیٹی کی رکنیت کو اپنے لیے اعزاز سمجھ کر قبول کرلیتے ہوں گے۔

چن علی کے بارے میں ہمارے تمام اندیشے بے بنیاد ثابت ہوئے تھے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے وہ سلجھے ہوئے ذہن کا مالک تھا۔ اس نے کسی مزاحمت کے بغیر حالات سے مکمل سمجھوتا کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیے تھے اور یوں سلطان شاہ کی تلاش کا ابتدائی مرحلہ کسی الجھن یا تصادم کے بغیر طے ہوگیا تھا۔ میری دلی آرزو تھی کہ ہمارے حیدر آباد پہنچنے تک مراد گوپال چند کے مکان سے کہیں اور نکل جانے کا موقع نہ مل سکے۔ ایسی صورت میں ہمیں اس کا نیا سراغ حاصل کرنے میں دانتوں پسینہ آسکتا تھا۔

"تم نے یہ نوٹ کیا کہ مراد کے ساتھیوں میں ہندوؤں کی خاصی تعداد شامل ہے۔" ناظم آباد سے واپسی کے سفر میں اول خان نے گاڑی چلاتے ہوئے تبصرہ کیا "دھنی رام کے بعد اب گوپال چند کا نام سامنے آیا ہے۔"

"یہ صرف دو نام ہیں جب کہ مراد سمیت دوسرے مشتبہ افراد اپنے ناموں سے مسلمان معلوم ہوتے ہیں۔ ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔ سلطان شاہ بازیاب ہوجائے تو شاید یہ رخ بھی خود بخود سامنے آجائے گا۔"

"چن سے ملاقات کے بعد کم از کم یہ پتا چل گیا ہے کہ مراد کس سمت میں جارہا ہے۔"

"چن سے اس کی استعداد کے مطابق ایک خاص کام لیا جارہا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "جن لوگوں کو پینے کے لیے صاف پانی کے دو مٹکلو اور کھانے کے لیے اناج کی ایک مٹھی تک دستیاب نہ ہو وہ ایسی فلموں میں کیا دلچسپی لیں گے۔ یہ ایک نظریاتی طریقہ تو ہوسکتا ہے مگر اس کی عملی افادیت مشتبہ ہے۔"

"بغاوت کے لیے فلم سازی کا نظریہ مجھے بھی احمقانہ لگتا ہے۔ میں مقصد کی بات کررہا تھا۔ مراد، مملکت اور اس کے مفادات کے خلاف کام کررہا ہے۔ پاکستان کے دشمن آج بھی اسے توڑنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔"

"دشمنوں نے ہمیں کھلے دل سے تسلیم ہی نہیں کیا تو ان سے یہ شکوہ بے کار ہے۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ ہمارے درمیان مراد ظریف، کرم الٰہی اور مقبول چوہدری جیسے سانڈ پل رہے ہیں جو ہماری اپنی فصلوں کو روندتے پھرتے ہیں۔"

"شاید یہ لوگ ملّا سرکار والا منصوبہ ابھی تک لیے بیٹھے ہیں۔ اس کی مدت کے کافی عرصے بعد ہم پر اس سمت سے وار ہوا ہے۔" اول خان نے وہ زخم چھیڑ کر میرے پرانے زخم ہرے کردیے۔

"وہ بھی ہماری اپنی کمزوری تھی کہ ایک غیر مسلم ہماری آبادیوں میں روحانی پیشوا کے روپ میں اپنے قدم جمانے میں کامیاب ہوگیا تھا اور اب ہمارے اپنے آدمی کم و بیش اسی منصوبے کو آگے بڑھا رہے ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ امریکی اتنے تسلسل کے ساتھ کیوں ہماری شکست و ریخت کے درپے ہیں؟ ہم نے ان کا کیا بگاڑا ہے؟"

کہنے کو میں نے اول خان سے وہ بات کہہ دی تھی مگر میں خود اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ امریکا نے ابتدا سے ہمیں ایک زیر دست دوست کے روپ میں دیکھنا چاہا تھا۔ اس پر انحصار کرنے والے پاکستان سے اسے کوئی پرخاش نہیں تھی کیونکہ وہ ایشیا میں چین کی بڑھتی ہوئی طاقت کے مقابلے میں بھارت کو کھڑا کرنا چاہ رہا تھا۔ جب تک پاکستان اس منصوبے میں رکاوٹ نہیں بنا، سُکھ چین سے رہا۔ جس روز سے ملک میں ایٹمی اور معاشی خود کفالت کا ڈنکا بجنا شروع ہوا، مصائب اور مسائل کا آغاز ہوگیا۔

وہ سب سیاست کے بکھیڑے تھے جن میں، میں نے کبھی بھی دلچسپی نہیں لی تھی۔ میرے سامنے ہمیشہ ملک و قوم کا مفاد رہا تھا۔ ہیروئن کے انسداد کے نام پر پاکستان کے گلی کوچوں کی رگ رگ میں ہیروئن پھیلانے والی "شے" کے اصل مقاصد سے آگاہ ہوکر میں نے اس سے بغاوت کی تھی اور پھر اپنی ایک الگ راہ متعین کرلی تھی۔ وہ میرے لیے ایک نئی زندگی کی ابتدا تھی۔ میں استقامت کے ساتھ اپنی اس راہ پر آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ حالات کی کھلی ستم ظریفی تھی کہ میرے راستے میں بعض سیاسی ننگ ہائے گراں بھی آتے رہے تھے۔ میں انہیں چوم کر چھوڑ سکتا تھا نہ انہیں عبور کرکے آگے نکل جانے کی قدرت رکھتا تھا۔

ان سے ٹکرا کر انہیں پاش پاش کردینے یا اسی کوشش میں خود پرزہ پرزہ ہوکر بکھرنے کے سوا میرے سامنے کوئی تیسری راہ کبھی بھی نہیں رہی تھی اور اس وقت بھی کچھ یہ ہی صورت تھی کہ مراد ظریف ایک منظم تخریب کار کے روپ میں میرے سامنے تھا، سلطان شاہ اس کی تحویل میں تھا۔ میں چاہتا تب بھی اسے نظر

Downloaded from https://paksociety.com

ندازنہیں کرسکتا تھا۔

سلطان شاہ کے بارے میں سوچتے ہوئے ہر بار میرا رواں رواں کانپ رہا تھا۔ جی آر کی موت کی صورت میں مراد کی سفاکی کا ایک کھلا ثبوت سامنے آچکا تھا۔ مجھے بدترین خوف یہ تھا کہ کہیں مراد نے سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے کے بجائے ہلاک نہ کردیا ہو۔ ایک بات شدّت سے میرے اس خوف کی نفی کررہی تھی کہ مراد کو اس وقت تک یہ علم نہیں تھا کہ اس کے خلاف کون سی قوت میدانِ عمل میں اتری ہوئی ہے۔ اپنے دشمنوں کے اصل چہروں سے واقفیت کے تجسّس کا تقاضا تھا کہ وہ سلطان شاہ کو اس وقت تک زندہ رکھتا جب تک وہ اپنے اور ہمارے بارے میں سب کچھ اگلنے پر آمادہ نہ ہوجاتا۔

مائیکرو سینٹر اور چمن علی کا گھر ایک دوسرے سے بہت دور تھے۔ ہم اپنی مہم سے فارغ ہو کر مائیکرو سینٹر پہنچے تو وہاں ویرانہ اور اداسی بیٹھی ہوئی تھی۔ ہماری غیر حاضری میں فون بھی مسلسل خاموش رہا تھا۔ جلال سے بات ہوجانے کے بعد مجھے ذرا بھی امید نہیں رہی تھی کہ مراد مجھے فون کرنے کی کوئی کوشش کرے گا۔

حیدر آباد کے لیے ہمیں زیادہ نفری اور تیاریوں کی ضرورت تھی۔ میں اول خان کے ساتھ وہ بندوبست طے کرنے میں مصروف ہوگیا اس طرح میں غزالہ اور سلطان شاہ کے بارے میں پیدا ہونے والے تفکرات کو بھی اپنے ذہن سے دور رکھ سکتا تھا۔ ہم افراد اور ہتھیاروں کی تعداد اور ترتیب کے بارے میں تقریباً ہر بات طے کرچکے تھے کہ غزالہ واپس آپہنچی۔

اس کی آنکھیں متورم اور سرخ ہورہی تھیں۔ شاید وہ دورانِ سفر شال میں منہ چھپا کر روتی رہی تھی۔

وہ جذبات سے اس قدر مغلوب ہورہی تھی کہ اول خان اور میرا کی موجودگی کی پروا کیے بغیر، اندر آتے ہی مجھ سے لپٹ گئی۔ وہ گھٹ کر اندر ہی اندر رو رہی تھی، ہونٹوں سے سسکیوں کے سوا کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔

"وہ ہنستا ہوا گیا تھا کہ آدھے گھنٹے میں لوٹ آؤں گا۔" دل کا غبار ہلکا کرکے وہ ہچکیوں کے درمیان بتانے لگی "پتا نہیں وہ کہاں اور کس حال میں ہوگا۔ اس نے آج دوپہر میں ایک آدمی کو مار ڈالا۔ سلطان شاہ نے جانے سے پہلے بتایا کہ وہ غلام رسول تھا۔ کاش! اس نے حیدر آباد جانے کی ضد نہ کی ہوتی....!"

"اب یہ سب باتیں دہرا کر ہمیں اداس مت کرو۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ کر دلاسا دیا "ہمیں بس تمہارا انتظار تھا۔ تھوڑی دیر میں ہم اس کی تلاش میں روانہ ہوجائیں گے۔ وہ جلد ہی واپس لوٹ آئے گا۔"

"حیدر آباد کافی بڑا اور گنجان شہر ہے۔ ہم اسے کہاں کہاں ڈھونڈیں گے؟"

"ہم یہاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے تھے۔ مراد کے ایک ٹھکانے کا سراغ ملا ہے۔" اول خان نے غزالہ کو سمجھایا "ذرا اندھیرا ہوجانے پر ہم اسی گھر پر دھاوا بولیں گے۔ ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ وہ زندہ ہوگا۔"

"اسے کچھ ہوا تو میں زندگی بھر خود کو معاف نہیں کروں گی۔" غزالہ پچھتاوے کے ساتھ بولی "میں اس کے ساتھ گئی ہوتی تو شاید یہ برا وقت نہ دیکھنا پڑتا۔ ہم کسی نہ کسی طرح نکل ہی آتے۔"

میں نے دخل اندازی نہیں کی۔ میری دانست میں یہ بہت اچھا ہوا کہ غزالہ اس کے ساتھ نہیں تھی۔ اگر وہ دونوں ایک ساتھ دھر لیے گئے ہوتے تو غزالہ کی خاطر سلطان شاہ ان کے سامنے ذرا بھی مزاحمت نہیں کرسکتا تھا۔ درندہ صفت دشمن صرف عورت کو مغلوب کرلینا ہی اپنی سب سے بڑی کامیابی سمجھتا ہے۔ غزالہ کو بے دست و پا کرکے مراد، سلطان شاہ کو اپنی انگلیوں پر نچا سکتا تھا۔

اول خان نے حامد کو فون پر تیاریاں مکمل کرنے کی ہدایات دے دی تھیں۔ اسٹیشن فور پر ہتھیاروں اور نفری کے ساتھ ایک ٹرک اور جیپ تیار تھی۔ ہم چاروں کو وہیں سے حیدر آباد کے لیے روانہ ہونا تھا۔

دوسروں کی طرح میری توقعات بھی بہترین تھیں لیکن میرا ذہن گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں خود کو بدترین حالات کا سامنا کرنے کے لیے بھی تیار کررہا تھا۔ اس کی دو صورتیں ممکن تھیں۔ نصیب دشمناں، سلطان شاہ زندہ نہ ہوتا تو ہمارا سوگوار قافلہ اس کی لاش لے کر کراچی لوٹ آتا اور پھر بھرپور طاقت کے ساتھ مراد سے انتقام لینے کی تیاری شروع کردی جاتی۔ دوسرا امکان یہ بھی تھا کہ سلطان شاہ، گوپال چند کے مکان پر موجود نہ ہوتا۔ آپریشن کی کامیابی کے باوجود ہم سلطان شاہ تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہوتے۔ ایسی صورت میں مجھے حیدر آباد میں ہی رکنا پڑتا۔ اس قیام کی طوالت کا انحصار نتائج کے حصول پر ہوتا۔ اس کے لیے اسی وقت کچھ تیاری ضروری تھی۔

ہم اپنا مختصر سامان سمیٹ کر وہاں سے روانگی کی تیاری کررہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ویرا فون سے قریب تھی۔ اس نے غیر ارادی طور پر ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر میں نے چیخ کر اسے روک دیا۔ میں مراد سے رابطے کا کوئی موہوم ترین موقع بھی ضائع کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے تیزی سے لپک کر فون کا ریسیور اٹھالیا۔

وہ وہی موہوم ترین متوقع موقع تھا۔ دوسری طرف سے مراد بول رہا تھا۔ میں نے پرسکون رہ کر مقبول چوہدری جیسی، بدلی ہوئی آواز میں کہا "ایم زی! تم نے میرا آج کا پورا دن برباد کرادیا۔ فون کرکے کم از کم یہی بتا دیتے کہ تم نہیں آرہے تو میں یہاں بندھا ہوا نہ بیٹھا رہتا۔"

"معاف کرنا، مجھے اب بھی تم پر شبہ ہے۔" مراد کی آواز بھی

Downloaded from https://paksociety.com

نرم تھی "کئی باتوں میں فرق کی وجہ سے میں متبادل راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہوگیا۔ اگر تم واقعی سائیں مقبول چوہدری ہو تو تمہیں علم ہوگا کہ متبادل راستہ کیا تھا۔"

میں نے ایک گہرا سانس لیا پھر کہا "اس کا مطلب ہے کہ تم نے جان سے ہدایات لی ہوں گی۔"

قیاس کے سارے اندھیرے میں چلایا ہوا میرا وہ تیر نشانے پر لگا اور اس کی تحیر زدہ آواز سنائی دی "تم سب کچھ جانتے ہو۔ میں حیران ہوں کہ یہ کیا کھیل ہو رہا ہے۔ تم سے غلطیاں کیوں ہوتی رہیں....؟ جان نے مجھے تم سے دور رہنے کا حکم دیا ہے....؟ اس نے بتایا تھا کہ مائیکرو سینئر پر کسی ایجنسی کا قبضہ ہے' تمہارا سایہ بھی وہاں نہیں پھٹک سکتا مگر تم وہیں ہو اور مجھ سے بات کر رہے ہو۔ مجھے امید نہیں تھی کہ اس وقت تم سے بات ہو سکے گی۔"

میں بے چینی محسوس کرنے لگا۔ اس نے سلطان شاہ کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں دیا تھا' میں اس بارے میں اس سے کچھ پوچھنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ میں نے تیزی سے سوچتے ہوئے کہا۔ "تم نے ان ہی غلط فہمیوں کے چکر میں میرے ایک خاص آدمی کو زخمی کیا' اپنے ایک آدمی کو مروایا اور ابھی تک تم بے یقینی میں مبتلا ہو۔ تم نے مجھے کیوں فون کیا ہے؟"

"اگر تم مقبول چوہدری ہو اور شاید ہو تو میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔ ساری گڑبڑ تمہارے خاص آدمی نے کی تھی۔ اس نے مجھے شک میں ڈالا اور اسے اس کی سزا مل گئی۔ اب میں جان کے حکم کا پابند ہوں' تم سے نہیں مل سکتا لیکن یہ ضرور بتانا چاہتا ہوں کہ تمہاری طرح میرے ستارے بھی گردش میں آئے ہوئے ہیں مگر قسمت میرا ساتھ دے رہی ہے۔"

"تمہارے ساتھ کیا گڑبڑ ہو رہی ہے؟" میں نے حیرت اور دلچسپی ظاہر کی۔ میں اس کی زبان سے سلطان شاہ کے بارے میں جلد از جلد کوئی خبر سننے کے لیے مضطرب تھا۔

"ایک سرکاری انفارمر میرے بارے میں معلومات جمع کرتا پھر رہا تھا۔ میں نے اسے مروا دیا پھر آج ہی ایک مشتبہ آدمی صحرا کے دفتر کے پاس نظر آیا۔ اسے میں نے پکڑوالیا۔ دیکھتا ہوں کہ وہ کیا بولتا ہے۔"

میرے دل میں ٹھنڈک سی پڑ گئی۔ سلطان شاہ زندہ تھا۔ میرا دل چاہا کہ مراد سے اس کی رہائی کے لیے کوئی سودے بازی کروں مگر وہ میری جذباتی سوچ تھی۔ میرا کہا ہوا کوئی بھی فقرہ سلطان شاہ کے لیے نت نئے عذابوں کا پیغام بن سکتا تھا۔

"غیر ضروری خوں ریزی سے بچو۔ یہ کبھی کبھی مصیبت بن جاتی ہے۔" میں اس سے سلطان شاہ کو زندہ رکھنے کی التجا نہیں کر سکتا تھا اس لیے ڈھکے چھپے الفاظ میں ایک عام سا مشورہ دے دیا۔

"مشورے کا شکریہ۔ وقت اور حالات نے اجازت دی تو جلد ہی حاضری دوں گا۔" اس کی آواز میں طنز کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"اب میں مائیکرو سینئر چھوڑ دوں گا۔ تمہاری فائرنگ کے بعد یہ ٹھکانا میرے لیے خطرناک ہو گیا ہے۔"

"وقت آنے پر میں خود تمہیں تلاش کرلوں گا۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

مجھے حیرت تھی کہ اس بار مراد نے اپنی مالی ضروریات کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ شاید جان نے اس کا وہ مطالبہ پورا کر دیا تھا۔

سلطان شاہ کی زندگی کی نوید سن کر ان تینوں کے چہروں پر مسرت کی سرخی دوڑ گئی۔ کسی کے سان و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ان آخری لمحات پر مراد خود ہی فون کر کے ہمیں وہ خوش خبری سنائے گا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے ذہن سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ اگر مقدر کی یاوری سے وہ اس وقت تک زندہ تھا تو اس کی رہائی کی کوئی سبیل بھی پیدا ہو سکتی تھی۔

اس کے زندہ ہونے کی خبر نے ہمارے درمیان مسرت و شادمانی کی ایسی لہر دوڑائی کہ ویرا وائن کیبنٹ کی طرف جھپٹی اور اس میں سے وائٹ ہارس اسکاچ کی لیٹر والی دو بوتلیں نکال کر اپنے ساتھ لے لیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" غزالہ کی آواز بوجھل تھی' آنکھیں سوجی ہوئی تھیں لیکن ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک عجیب سی کیفیت رقصاں تھی "سلطان شاہ کی آزادی تک تم اس ناہنجار شے کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گی۔"

"یہ دونوں بوتلیں اس کی آزادی کا جشن منانے کے لیے لی ہیں۔" ویرا نے جشن کم کرنے کے لیے بوتلوں کو پیکنگ سے نکالتے ہوئے کہا "حیدر آباد تک یہ اسی طرح جائیں گی۔"

ہم نے عجلت میں مائیکرو سینئر کو خیرباد کہا۔ اکبر علی نیچے دلبر خان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ دونوں ادب سے کھڑے ہو گئے۔ اول خان نے انہیں عمارت کے بارے میں کچھ ہدایات دیں اور ہمارے پیچھے باہر آگیا۔

ہماری گاڑی سلطان شاہ کے ساتھ ہاتھوں سے نکل چکی تھی۔ ہم تینوں اول خان کے ساتھ ہی وہاں سے روانہ ہو گئے۔

"مراد پر رہ رہ کر ذہنی دورے پڑ رہے ہیں۔" راستے میں غزالہ نے کہا "کبھی وہ عقل و شعور سے اتنا عاری ہو جاتا ہے کہ انہیں مقبول چوہدری ماننے لگتا ہے اور کبھی بدک کر خوں ریزی پر تل جاتا ہے۔ دعا کرو کہ ہمارے حیدر آباد پہنچنے تک وہ کوئی نیا فیصلہ نہ کر پائے۔"

میں زیر لب آمین کہہ کر رہ گیا۔ اول خان نے اپنی پوری توجہ تیز رفتار ڈرائیونگ پر مرکوز کی ہوئی تھی۔

حسن اسکوائر سے آگے نکل جانے پر مجھے یاد آیا کہ سی ایس ڈی ہمارے گھر پر بیکار پڑی ہوئی تھی۔ اسے ساتھ لے کر ہم حیدر آباد میں استعمال کر سکتے تھے مگر چوراہا گزر جانے کے بعد گھر تک رسائی اور پھر واپسی میں خاصا وقت صرف ہو جاتا۔ میں

Downloaded from https://paksociety.com

خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ اس وقت ہمارے اور سلطان شاہ کے لیے وقت ہر شے سے زیادہ اہم اور قیمتی تھا۔

اول خان کو حیدر آباد میں پولیس کے سوا کہیں اور سے فوری کمک ملنے کی امید نہیں تھی۔ میں اس معاملے میں پولیس کی شمولیت کے خلاف تھا کیونکہ قانون نافذ کرنے والے اس نیم شہری ادارے سے اس رازداری کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی جو ہم چاہتے تھے۔ چھاؤنی سے فوری درخواست پر کوئی فوجی دستہ ملنا محال تھا۔ اس کے لیے پیشگی بندوبست ضروری تھا۔

اس مسئلے کی وجہ سے اول خان نے ٹرک میں حامد کی نگرانی میں ڈرائیور کے علاوہ دس جوانوں کو تیار رہنے کا حکم دیا۔ انہیں شہر سے بہت دور بلکہ دوسرے شہر میں مہم درپیش تھی اس لیے وہ کیل کانٹے سے پوری طرح لیس تھے۔ محدود رینج کے وائرلیس سیٹ سے لے کر رائفل، میگزین، فاضل راؤنڈز اور دوربین تک ہر فرد کے پاس موجود تھی۔ اس مہم کے لیے چھ ڈارٹ گنز بھی ساتھ لے لی گئی تھیں کیونکہ دشمن کو بے خبری میں خاموشی سے ہلاک یا بے ہوش کرنے کے لیے ایسی ہر گن لاثانی تھی۔

اول خان کو حامد پر پورا اعتماد تھا۔ وہ ذمے دار افسر تھا اور موقع محل کی مناسبت سے ضروریات کا تعین کرسکتا تھا۔ اول خان نے اپنے اسکواڈ کا رسمی جائزہ لیا اور پھر ہم تینوں کے ساتھ اپنی جیپ میں سوار ہوگیا۔

ہماری جیپ اسٹیشن فور کی چیک پوسٹ سے باہر نکلی تو ایس ٹی ایف کا ٹرک بھی ہمارے پیچھے تھا۔

چھاؤنی کی حدود اور شہر کے مضافاتی علاقوں کو پیچھے چھوڑ کر ہمارا قافلہ جلد ہی سپرہائی وے پر نکل آیا۔

سپرہائی وے دو رویہ اور بہت کشادہ تھی لیکن تھوڑی ہی دیر میں مجھے اندازہ ہوگیا کہ اس پر رات کا سفر آرام دہ نہیں۔ ناتجربے کار اور بے پروا ڈرائیوروں نے اپنے ہیڈ لیمپس کا بے جا استعمال کرکے وہ دشواری پیدا کی تھی جس کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا۔ مخالف سمت سے براہِ راست ڈرائیور کی آنکھوں پر پڑنے والی ہائی بیم نگاہوں کو اتنا خیرہ کردیتی تھی کہ وہ بیم گزر جانے کے بعد بھی چند ثانیوں تک سامنے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

سفر کے آغاز میں چاروں ہی خوب بولتے رہے لیکن ٹول پلازا سے تیس چالیس کلو میٹر دور نکل جانے کے بعد سب کا جوش و خروش ٹھنڈا ہوگیا۔ سڑک کے اطراف میں دور دور تک رونق اور آبادی نہ ہونے کی وجہ سے وہ سفر اکتا دینے کی حد تک طویل اور صبر آزما معلوم ہورہا تھا۔ دورانِ سفر یدلتے ہوئے مناظر کی دلچسپی اور رنگینی میں نے صرف پنجاب اور سرحد میں ہی دیکھی تھی ورنہ پورے سندھ کے بڑے زمینی راستے اسی طرح اجاڑ اور بے کیف نظر آتے تھے۔

دس بجنے سے پہلے ہم نے حیدر آباد ٹول پلازا عبور کرلیا۔

سڑک کا خم شروع ہونے سے پہلے اول خان نے اشارہ دے کر اپنی جیپ سڑک سے اتار کر کنارے پر روک لی۔ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق غزالہ جیپ سے اتر کر ٹرک کے ڈرائیور کیبن میں چلی گئی، حامد ہمارے ساتھ آملا۔

پروگرام یہ تھا کہ اصل کارروائی جیپ والی چار نفری پارٹی انجام دے گی۔ ٹرک اور اس میں سوار مسلح نفری کمک کے طور پر جیل روڈ کے کسی مناسب مقام پر منتظر رہے گی۔ ہماری طرف سے پیغام ملتے ہی وہ لوگ بھی ہمارے ساتھ مل جائیں گے۔

جیل روڈ سے شہر کی طرف مڑتے ہی ٹرک ہماری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اول خان نے پہلی ذیلی سڑک پر جیپ بائیں طرف موڑی اور سیدھا ہیر آباد کے علاقے میں داخل ہوتا چلا گیا۔

اِکّا دُکّا دکانوں کے استثنیٰ کے ساتھ وہ شہر کا خالص رہائشی علاقہ تھا۔ اس میں گھستے ہی رونق اور گہما گہمی میں کمی سے اندازہ ہوا کہ وقت کافی ہوچکا تھا۔ دو موڑ گھومنے کے بعد اول خان نے جیپ کا انجن بند کردیا کیونکہ فیروزی دروازوں اور کھڑکیوں کے ساتھ سفید رنگ کا وسیع مکان ہمارے سامنے آچکا تھا۔

جیپ اپنے زور میں کچھ دور تک رینگتی رہی پھر اول خان نے اسے کنارے سے لگا کر ہینڈ بریک کھینچ لیا۔ میں فوراً اپنی جگہ چھوڑ کر نیچے اتر گیا۔ میری نگاہیں گوپال چند کے دو منزلہ مکان پر جمی ہوئی تھیں۔

میں نارمل انداز میں چلتا ہوا اس مکان سے سامنے سے گزرا اور میں نے بھانپ لیا کہ لوگوں کی نگاہوں میں آئے بغیر اس سمت سے گھر میں داخل ہونا ممکن نہیں تھا۔ میں ایک لمبا چکر کاٹ کر مکان کی تنگ سی عقبی گلی میں گھس گیا۔ گلی کے تقریباً سب دروازے بند تھے مگر آثار سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہاں رہنے والے اپنی معمول کی آمدورفت کے لیے اسی عقبی راستے کو ترجیح دیتے تھے۔

مکانوں کی گنتی کے حساب سے گوپال چند کے گھر کے پچھلے دروازے کا جائزہ لے کر میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ دوسرے رخ سے سڑک پر نکلنے کے بعد میں دھیرے دھیرے چلتا ہوا اندھیرے میں کھڑی ہوئی جیپ تک پہنچا۔ وہ تینوں میرے انتظار میں تنے بیٹھے تھے۔

"کوئی دروازہ توڑے بغیر اندر داخل ہونا مشکل نظر آرہا ہے۔" میں نے مایوسی سے کہا۔

"اس طرف کچھ اجالا ہے۔ پچھلی گلی کا کیا حال ہے؟" اول خان نے نیچی آواز میں پوچھا۔

"اُدھر بہت اندھیرا ہے۔ صرف ایک دو گھروں کے باہر بلب جل رہے ہیں۔" اول خان کے سوال پر میرے ذہن میں روشنی کی ایک کرن ابھری۔ "ہم اُدھر سے کامیاب ہوسکتے ہیں۔"

"تم نے اتنی جلدی رائے بدل دی۔" ویرا کی سرگوشی میں

Downloaded from https://paksociety.com

یرت تھی "اب کیا کروگے۔"

"ایک کنکر اور ڈارٹ گن۔" میں نے اختصار سے جواب دیا۔ "تم میرے ساتھ آجاؤ۔ یہ دونوں تھوڑے سے وقفے کے بعد پچھلی گلی کے مخالف سروں سے ہماری طرف آئیں گے۔ جلدی آجاؤ۔"

ویرا بے چون وچرا چپ سے باہر آگئی اور میں دوبارہ پچھلی گلی کی طرف چل دیا۔

ہر مکان کی چوکی گلی کی سطح سے کچھ نہ کچھ اونچی ضرور تھی۔ گھروں میں رسائی کے لیے دروازوں کی سطح پر گلی میں جا بجا پختہ چبوترے بنے ہوئے تھے۔ گھر میں داخلے کے لیے گلی سے دو تین سیڑھیاں طے کرکے اس چبوترے پر پہنچنا ضروری تھا۔ ان نکات کو اپنے ذہن میں گھماتے ہوئے میں نے راستے سے ایک قدرے بڑا کنکر اٹھایا اور ویرا کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔

گوپال چند کے گھر کا پچھلا دروازہ گھپ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں گلی میں پھیلے ہوئے سناٹے سے خوش تھا کہ اچانک ایک دروازہ کھلا۔ تاریک گلی میں کھلے ہوئے دروازے کا روشن مستطیل بننے لگا۔ میں نے بے اختیار اپنی رفتار سست کردی۔ گلی کی زمین پر پڑنے والے روشن مستطیل میں کسی عورت کا متحرک سایہ نظر آیا۔ چند ثانیوں بعد وہ عورت گھر سے نکلی اور دروازہ بند کرکے اِدھر اُدھر دیکھے بغیر تیزی سے ہماری مخالف سمت بڑھتی چلی گئی۔

اس سے پہلے کہ کہیں سے کوئی اور نمودار ہوتا، میں اپنی رفتار بڑھا کر گوپال چند کے دروازے کی چوکی تک پہنچا اور تین زینے چڑھ کر پھرتی سے کنکر اندر اچھال دیا۔ ذرا سے سکوت کے بعد اُس کنکر کے پختہ فرش پر گرنے کی پرشور آواز آئی۔ میں سانس روک کر دیوار سے چپک گیا۔ میں نے بائیں بازو سے ویرا کو بھی دھکیل کر دیوار سے لگا دیا۔ وہ دروازے کے اطراف میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے گلی یا چبوترے سے ایک سیڑھی نیچے کھڑی ہوئی تھی اور اس کے حواس کا زیروبم بہت تیز ہوچکا تھا۔

کنکر کی آواز پر اندر سے ایک مردانہ آواز آئی "کون ہے؟" اور اس کے ساتھ پختہ فرش پر قدموں کی دھیمی آہٹیں محسوس ہوئیں جو آہستہ رفتہ دروازے کے قریب آتی جارہی تھیں۔

میں دروازے سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہوسکتا تھا۔ دروازہ میرے داہنے ہاتھ پر تھا۔ میں نے دیکھا کہ گلی کے اس سرے سے ایک ہیولا اندر بڑھا چلا آرہا تھا اور وہ چال ڈھال کے اعتبار سے اول خان تھا۔

اندر کنڈی اور پھر بولٹ کھلنے کی آواز آئی، دروازہ کھلا اور اس خلا میں سے ایک انسانی کھوپڑی برآمد ہوئی۔ میں نے پلک جھپکتے میں اس کے چہرے پر ڈارٹ فائر کردیا۔ زن کی ہلکی سی آواز کے ساتھ بلیو ڈارٹ اس کے چہرے کے کسی حصے میں پیوست ہوگیا۔ اگر وہ فوراً ہی قدموں پر گھوم کر اسے اپنے ہاتھوں پر نہ سنبھال لیتا تو وہ اپنے کے بل پختہ چبوترے کو چاٹتا ہوا گلی میں جا گرتا۔ قدرے بلندی سے اس کے گرنے کی وجہ سے جو آواز پیدا ہوتی، وہ دوسروں کو متوجہ کرسکتی تھی۔

اس وقت میرے ذہن سے ہر خوف مٹ گیا تھا۔ میں بے ہوش ہونے والے کو اپنے دونوں ہاتھوں پر سنبھالتا اور اسے دھکیلتا ہوا دروازے میں سے ہو کر اندر گھس گیا۔ ویرا نے اندر سے کسی اور کی مداخلت کے امکان کا توڑ کرنے کے لیے بہت تیزی سے پیش قدمی کی تھی اور میرے ساتھ ہی اندر چلی آئی تھی۔

میں نے بے ہوش شکار کو سرعت سے دیوار کے سہارے، فرش پر لٹا دیا۔

ہم اس وقت قدیم طرز پر بنے ہوئے مکان کے صحن کے آخری سرے پر کھڑے ہوئے تھے۔ صحن سے آگے دالان تھا جس میں دو کمروں کے دروازے کھل رہے تھے۔ صحن اور کمروں میں تاریکی تھی۔ بس دالان میں جلتا ہوا اکلوتا بلب اس اندھیرے سے لڑنے کی کوشش کررہا تھا۔ دالان کی اوپری منزل پر خاصی روشنی تھی جو براہِ راست ہم تک پہنچ رہی تھی۔

میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ ہماری مداخلت پر کہیں سے کوئی مزاحمت نہیں ہوئی تھی۔ نچلی منزل پر شاید ہمارا شکار اکیلا ہی تھا۔ دوسرے اہل خانہ اوپر کی منزل پر تھے۔

اس وقت ہماری پوزیشن بہت مخدوش تھے۔ اوپر سے کوئی بھی ہمیں دیکھ کر باڑھ پر رکھ سکتا تھا۔ میں نے آہستگی سے دروازہ بند کیا اور اسے بولٹ کیے بغیر بچوں کے بل دالان کی طرف دوڑ لگا دی۔ ویرا سائے کی طرح میرے ساتھ ساتھ تھی۔

دالان میں پڑے ہوئے ایک پردے کے پیچھے ہمیں وہ چارپائی بھی نظر آگئی جس کا شکن آلود بستر بتا رہا تھا کہ کچھ دیر پہلے تک اس پر کوئی موجود تھا۔ شاید کنکر کی آواز پر دروازہ کھولنے والا گوپال کا کوئی گھریلو نوکر تھا اور چارپائی پر موجود بستر اسی کا معلوم ہورہا تھا۔ ہم خود دوسروں کی نگاہوں میں آنے سے بچ گئے تھے لیکن بے ہوش ملازم کی صحن میں موجودگی بھی خطرناک تھی کیونکہ اسے اوپر سے دیکھا جاسکتا تھا جبکہ اوپر والوں کی بے خبری ہمارے لیے کامیابی کی کلید تھی۔

میں بے ہوش ملازم کو اٹھانے کے لیے بڑھا ہی تھا کہ دروازہ کھلا پھر اول خان اور حامد اندر آگئے۔ میرے ایک اشارے سے انہوں نے میرا مدعا بھانپ لیا۔ دروازہ بند کرکے اسے چاروں ہاتھ پیروں سے اٹھایا اور ہماری طرف لے آئے۔ میں راستے سے ہی الٹے قدموں، دالان کے سائے میں لوٹ گیا تھا۔ میرے اشارے پر ان دونوں نے نوجوان ملازم کو اس کے بستر پر ڈالا اور اس کے رخسار کی جڑ میں اتری ہوئی ڈارٹ کھینچ کر ایک طرف اچھال دی۔

ہم چاروں بس ذرا سی دیر کے لیے یکجا رہے پھر پہلے کی طرح دو ٹولیوں میں بٹ کر دالان میں کھلنے والے دونوں دروازوں کی طرف متوجہ ہوگئے۔ وہ دونوں خواب گاہیں تھیں جن میں زیادہ سازو

Downloaded from https://paksociety.com

سامان نہیں تھا لیکن منقش اور رنگین پایوں والی قدیم سندھی طرز کی چارپائیاں ضرور موجود تھیں۔ ان کمروں کے پیچھے بھی دو کمرے تھے۔ بڑا کمرا ڈرائنگ روم کے انداز میں سجایا گیا تھا۔ چھوٹے کمرے کو برآمدے کی حیثیت دی گئی تھی۔ اس کمرے کا سائز زینے کی وجہ سے خاصا چھوٹا رہ گیا تھا۔ اس کے بعد ایک دیوار گیر طاق میں کسی دیوی کا مجسمہ نقش تھا۔

وہ گھر ضرور تھا مگر اسے دیکھتے ہی اندازہ ہوجاتا تھا کہ اس کی تزئین اور دیکھ بھال میں کسی عورت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ مجھے شدت سے یہ احساس ہوا کہ ہم نے چمن سے مراد اور گوپال کے بارے میں پوچھ گچھ کی تھی لیکن گوپال کے اہل خانہ کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں پوچھا تھا جب کہ اس گھر میں گھسنے سے پہلے ہمارے لیے وہ سب جاننا بہت ضروری تھا۔

زینوں کے قریب اوپر سے دبی دبی آوازیں آرہی تھیں۔ ہم چاروں کان لگا کر وہیں رک گئے۔ وہ ایک مرد اور عورت کی آوازیں تھیں۔ عورت بار بار ہنسے جارہی تھی۔ ہم دبے قدموں دوبارہ دالان میں آگئے۔

پورے گھر کا جائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ ہمارے مشوروں کے لیے دالان سب سے زیادہ محفوظ تھا۔ وہاں سے ہماری سرگوشیانہ آوازیں اوپر نہیں جاسکتی تھیں۔ میں اشارے سے ان تینوں کو وہیں لے گیا۔

"حیرت ہے۔ سلطان شاہ کا کہیں نام ونشان تک نہیں ہے۔" میں نے پُرتشویش لہجے میں سرگوشی کی۔

"اوپر بھی اتنے ہی کمرے ہوں گے۔ وہ وہیں کہیں ہوسکتا ہے۔" ویرا نے رائے دی۔

"تم نیچے رکو!" میں نے ویرا سے کہا "ہم تینوں اوپر دیکھتے ہیں کہ وہاں کیا ہورہا ہے۔"

"اوپر سے آنے والی آوازوں سے تم نے کیا اندازہ لگایا ہے؟" اول خان نے پوچھا "وہ نشے میں معلوم ہوتے ہیں۔"

"میں اسی وجہ سے ویرا کو نیچے روک رہا ہوں۔ پتا نہیں اوپر کیا حالات ہوں۔"

ہم چاروں ایک مرتبہ پھر اندر چل دیے۔ نچلی منزل پر دالان کے ایک بلب کے سوا سب روشنیاں گل تھیں۔ اس اکلوتے بلب کی روشنی اندر والے کمروں تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہورہی تھی۔ میں نے بھی کہیں اجالا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اچانک انعکاس بڑھ جانے سے بھی اوپر والے چونک سکتے تھے۔

ہم پہلے کمرے سے گزر کر چھوٹے کمرے میں گھسے ہی تھے کہ اچانک فضا کسی دھاتی چیز کی جھنکار سے گونج اٹھی اور ہم سب اچھل پڑے۔ اندھیرے میں ویرا بوکھلا کر فرش پر جھکی ہوئی کچھ اٹھا رہی تھی۔ دھات سے بنی ہوئی چیز کی کھوکھلی جھنکار سے میں نے اندازہ لگایا کہ اندھیرے کی وجہ سے ویرا کسی گلدان وغیرہ سے ٹکرا گئی تھی۔

"کیا ہے؟ یہ شور کیوں ہورہا ہے؟" اوپر سے کوئی غصے میں دہاڑا۔ وہ آواز سن کر میں چونک پڑا۔

"میاؤں!" ویرا کے حلق سے مسکین سی آواز نکلی جو بلی کی آواز سے سو فی صد مشابہ تھی۔

"اب گھر میں بلیاں لوٹ لگائیں گی!" اوپر سے وہی جھلائی ہوئی بلند آہنگ آواز گونجی پھر اس نے کسی کو پکارا "راجو! ابے او راجو.... !تو کہاں مرا ہوا ہے؟" وہ آسمان شہری سندھی میں اپنے غیظ و غضب کا اظہار کررہا تھا جس میں اردو کی آمیزش کی وجہ سے اس کی ہر بات کم از کم میری سمجھ میں آرہی تھی۔

راجو شاید اسی ملازم کا نام تھا جو میرے ہاتھوں ڈارٹ کا نشانہ بن کر بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

"چھوڑ مراد! کیوں غصہ کرتا ہے۔" اس بار نسوانی آواز بلند' مخمور اور ناز آفریں تھی "اپنی طرح بلیوں کو بھی آزاد پھرنے دے۔ بلاوجہ گوپال کی نیند بھی خراب ہوگی۔"

"راجو حرام خور ہوگیا ہے۔" قدموں کی وزنی چاپ کے درمیان مراد ظریف کی آواز ابھری "اس نے کوئی دروازہ کھلا چھوڑ دیا ہوگا۔ بلیاں کمروں کو گندا کردیتی ہیں۔"

قدموں کی آواز قریب آتی جارہی تھی۔ ہم چاروں تیزی سے اوٹ میں ہوگئے۔

چٹ کی آواز کے ساتھ زینوں کا کوئی بلب روشن ہوا اور چھوٹا کمرا یکایک روشنی سے بھرگیا۔ ہمیں سرعت سے وہ کمرا چھوڑنا پڑگیا۔ وہاں کہیں بھی ایسی کوئی آڑ نہیں تھی کہ اجالے میں ہم اس کی نظروں سے محفوظ رہ سکتے۔

"سالا' حرام کا پلّا...." مراد کے قدموں کی چاپ زینوں پر منتقل ہوچکی تھی "پتا نہیں کیا پی کر سویا ہے کہ سنتا ہی نہیں ہے۔ ابھی دو ہاتھ ماروں گا تو ساری ٹینڈ کافور ہوجائے گی۔"

وہ راجو پر برستا ہوا نیچے آرہا تھا۔ ہم چھوٹے کمرے کے ساتھ والی خواب گاہ میں دیوار سے لگ کر کھڑے ہوگئے۔ راجو کی چارپائی تک پہنچنے سے پہلے اسے اس کمرے سے ضرور گزرنا پڑتا۔ ویرا کی ایک غیر ارادی غلطی مراد کے لیے اچھا خاصا جال بن گئی تھی اور وہ اپنے قدموں سے چل کر اس جال میں پھنسنے کے لیے آرہا تھا۔

مراد کو ناز نخرے دکھانے والی عورت اس کے پیچھے پیچھے نہیں آئی تھی' نہ ہی اس نے دوبارہ مراد کو آواز دی تھی۔ اس کے بلند آواز میں کہے ہوئے فقروں سے یہ اندازہ ضرور ہوگیا تھا کہ گوپال بھی اوپر سو رہا تھا۔

مراد وقفے وقفے سے راجو کو آوازیں دیتا اور پھر گندی گندی گالیاں بکتا سیڑھیوں سے نیچے آیا۔ وہ چھوٹے کمرے سے گزر کر جوں ہی سونے کے کمرے میں داخل ہوا' میں نے پوری قوت سے اس کے جبڑے پر ایک مکّا رسید کیا۔ اس کے لیے وہ وار غیر متوقع

Downloaded from https://paksociety.com

ہلکی سی چیخ اور غراہٹ کے ساتھ لڑکھڑاتا ہوا ایک طرف چلا

شاید ہم سب نے ہی دیکھ لیا تھا کہ مراد کے ہاتھ میں کوئی نہیں تھا۔ وہ راجو اور بلی سے اپنا حساب چکانے کے لیے شرت کدے سے باہر آیا اور ہمارے نرغے میں پھنس گیا۔

"اب کوئی اسے ہاتھ نہیں لگائے گا۔" ویرا یہ کہہ کر اچھلی اد کے سامنے فرش پر جا تکی۔

وہ خوف ناک اور غیر یقینی مہم اچانک یک طرفہ رخ اختیار تھی۔ میں نے دروازے کے قریب سوئچ بورڈ سے اس کمرے ں روشنی کردی۔ حامد اپنے لباس میں پوشیدہ رائفل نکال کر کمرے کے درمیانی دروازے پر جم گیا تاکہ اوپر سے آنے کسی نئے دشمن کو بروقت اپنے نشانے پر لے سکے۔

میرے زوردار مکے کے اثرات سے سنبھل کر مراد سیدھا ہوا ویرا کسی ماہر لڑاکا کی طرح اپنے بائیں پنجے پر گھومی اور اس کی لات مراد کے منہ پر اتنی زور سے پڑی کہ وہ بلبلاتا ہوا عقبی سے جا ٹکرایا۔ اس مرحلے پر میں نے دیکھا کہ اس کے بائیں پر وہ پیدائشی سیاہ مسّا موجود تھا جو اس کی شناخت قرار دیا جاتا

مراد پھر سنبھل کر اٹھا' اس بار ویرا نے اسے فلائنگ کک ی۔ اس کے دونوں جوتے پوری قوت سے مراد کے سینے پر ور وہ کسی اندھے کی طرح اپنے دونوں ہاتھ فضا میں لہراتا ہوا گیا۔ ویرا کسی ماہر بازی گر کی طرح اپنی ہتھیلیوں کو فرش پر ر فضا میں کھڑی قلا بازی لیتی ہوئی اگلے وار کے لیے تیار

شاید اس کی گھٹی گھٹی چیخوں اور دھما چوکڑی کی آوازوں نے لی کا نشہ ہرن کردیا تھا اور اس نے بوکھلا کر گوپال کو نیند سے کردیا تھا۔ اس نے نشے میں چور آواز میں اوپر سے بنگارنا کردیا تھا۔

مراد کے سر اور دہانے سے خون بہنا شروع ہوگیا تھا۔ میرے گھونسے کے بعد ویرا نے اپنے تابڑ توڑ حملوں سے اسے اتنا بد کردیا تھا کہ وہ صحیح طریقے سے اپنا دفاع کرنے کے قابل بھی ہا تھا۔

"میں ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔ سب کو فنا کردوں گا۔" اوپر سری مردانہ آواز آرہی تھی۔

میں مراد کو ویرا کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اسی لمحے حامد کے برابر ا کھڑا ہوا اور دھیمی آواز میں ہدایت کی "فائر مت کرنا۔ کی آواز دور دور تک سنی جائے گی۔ ایسا نہ ہو کہ باہر بھیڑ جمع ئے۔"

"اگر اس نے پہل کی تو کیا ہوگا؟" حامد نے سنجیدگی سے

→→→→→→→→→→→→→→→→

نفسیات کا ایک طالب علم پاگل خانے کا دورہ کرنے آیا تو اس نے دیکھا کچھ پاگلوں سے مزدوروں کے طور پر کام لیا جارہا تھا۔ اسے ایک پاگل نظر آیا جو اپنی ایک پہیے والی گاڑی کو الٹی کر کے دھکیلتا ہوا لے جارہا تھا۔

"اس گاڑی کو اس طرح نہیں.... اس طرح چلاتے ہیں۔" طالب علم نے اسے گاڑی سیدھی کر کے دکھاتے ہوئے کہا۔

"پہلے میں اسی طرح چلا رہا تھا...." پاگل نے متانت سے کہا پھر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "لیکن وہاں ایک پاگل کھڑا ہے وہ ہر چکر میں اس میں اینٹیں بھر دیتا تھا۔"

←←←←←←←←←←←←←←←←

"اس کی ٹانگیں چھلنی کردینا۔" اول خان نے ہم دونوں کے مذاکرات سن کے سفاکانہ لہجے میں سرگوشی کی "یہ پورا ٹولہ کسی بھی ہمدردی یا رحم کا مستحق نہیں ہے۔"

حامد سے بات پوری کر کے وہ میری طرف متوجہ ہوگیا "تم فکر مت کرو۔ فائرنگ کی آواز سن کر باہر بیٹھے ہوئے لوگ بھی بھاگ کر اپنے گھروں میں چھپ جائیں گے۔ میدان صاف ہونے کا یقین ہونے تک کوئی باہر نہیں آئے گا۔"

دوسرا شخص نشے میں تھا مگر مسلح تھا۔ اس کے قدموں کی چاپ واضح نہیں تھی۔ وہ فرش پر پیر گھسیٹ گھسیٹ کر چل رہا تھا۔ اس نے زینوں کے سرے پر آتے ہی نیچے کی طرف فائر کیا جو قطعی بے مقصد تھا۔

ٹھک کی آواز کے ساتھ فائر ہوا اور گولی کنکریٹ کی دیوار میں کہیں پیوست ہوگئی۔ اس کا ریوالور سائلنسر سے لیس تھا۔

حامد نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے کہا۔ "وہی کرو جو اول خان کہہ رہا ہے۔"

"جلدی بتاؤ کہ آج کا قیدی کہاں ہے۔" ویرا ہانپتی ہوئی' مراد کے سر پر سوار تھا۔

مراد نے حقارت سے فرش پر تھوک دیا مگر تھوک کہاں۔ وہ خون ہی خون تھا۔ ویرا کے ہاتھ چلنے لگے۔

گوپال اپنے بے آواز ریوالور کے زعم میں مبتلا تھا۔ وہ کسی خطرے کی پروا کیے بغیر لہراتا ہوا سیڑھیاں طے کررہا تھا۔ گہری نیند اور نشے کا خمار اس پر غالب تھا۔ میں نے حامد کے ہاتھ سے اس کی خود کار رائفل لے کر نال سیدھی کی اور سیڑھیوں کی ریلنگ کے درمیان سے گوپال کی ٹانگوں پر ایک ہلکا سا برسٹ مار دیا۔

وہ چیخ مار کر وہیں گرا اور پھر سیڑھیوں پر سے بری طرح لڑھکتا ہوا نیچے آیا۔ فرش پر تھمنے تک اس کا ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور وہ خود بے حس و حرکت تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

اس کے بدن پر صرف پاجامہ تھا جس کے نچلے حصے پر صرف خون نظر آرہا تھا مگر اس کی بے ہوشی سیڑھیوں کے کناروں سے سر کے کسی نازک حصے پر آنے والی ضرب ہی ہو سکتی تھی۔

میں اپنا پستول لے کر تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔ اوپر سناٹا تھا۔ نشے میں مخمور عورت بھی شاید دہشت سے کسی کونے میں جا چھپی تھی کیونکہ وہاں کہیں سے کوئی آواز نہیں تھی۔

"اندر جو بھی ہے' ہاتھ اٹھا کر باہر آجائے' اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔" میں نے ایک ستون کی اوٹ لے کر کہا۔

میرے کانوں میں مبہم سی سرگوشیوں کی آواز آئی۔ وہاں وہ عورت اکیلی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا جس سے وہ مشورے کر رہی تھی۔ میں نے انہیں دوبارہ باہر آنے کی وارننگ دی۔ اس بار میں نے یہ دھمکی بھی دی تھی کہ انہوں نے میرے حکم پر عمل نہ کیا تو کمروں میں گھس کر ہر ایک کو قیدی بنا لیا جائے گا۔

نیچے کی لڑائی سمٹی ہوئی تھی۔ ویرا بہت بے رحمی سے مراد سے باز پرس کر رہی تھی۔ اول خان بھی میرے پیچھے آکھڑا ہوا۔ نیچے ویرا کے ساتھ صرف حامد رہ گیا تھا۔ ہم دونوں چند ثانیوں تک منتظر رہے پھر ایک دروازے سے دو عورتیں عجیب حلیے میں برآمد ہوئیں۔ ان کی آنکھوں میں خمار کے ڈورے تیر رہے تھے۔ کاجل پھیلا ہوا تھا۔ غازہ و سرخی ایک دوسرے میں غلط ملط ہو کر رہ گئی تھیں۔ ان کے بنے سنورے بال بکھرے ہوئے تھے۔ ان کے حلیوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پیشہ ور عورتیں تھیں جو ہمارے پہنچنے سے بہت پہلے سے گوپال اور مراد کے ساتھ موجود تھیں۔

"اندر اور کون ہے؟" اول خان نے درشت لہجے میں ان سے سوال کیا "یہاں ایک آدمی کو قید کیا گیا تھا۔"

دونوں نے بیک وقت رونا شروع کر دیا۔ ان میں سے نسبتاً معمر عورت نے بین کرنے کے انداز میں بتایا کہ وہ دونوں بازار والیاں ہیں۔ انہیں تھوڑی دیر کے لیے وہاں بلایا گیا تھا لیکن دونوں مردوں نے زیادہ نشہ کر کے انہیں زبردستی وہاں روک رکھا تھا اور ان کے ساتھ دراز دستی کی کوششیں کر رہے تھے۔ گھر میں ان کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

مکاری ان دونوں کے خمیر میں شامل تھی۔ اپنی جان بچانے کے لیے وہ کوئی بھی بڑے سے بڑا جھوٹ بول سکتی تھیں۔ اپنے دونوں پر ستاروں کا پلڑا ہلکا پڑتا دیکھ کر انہوں نے ان سے منہ پھیر لیا تھا۔

"ادھر دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑی ہو جاؤ۔" میں نے پستول کی نال سے اشارہ کر کے انہیں حکم دیا۔

دونوں سہمتی لرزتی ہوئی دیوار سے جا لگیں۔ ان کے چہرے میری طرف تھے۔ انہیں خوف تھا کہ انہوں نے منہ پھیرا تو پشت سے انہیں گولیاں مار دی جائیں گی۔ ان کی ذہنی حالت کا اندازہ کرتے ہوئے میں نے اپنی ہدایت پر مزید اصرار نہیں کیا۔ انہیں اول خان کی نگرانی میں چھوڑ کر میں کمروں کی طرف بڑھ گیا۔

اس منزل پر دو خواب گاہیں تھیں ایک کمرا بیٹھک معلوم ہو رہا تھا۔ خواب گاہوں کی بے ترتیبی زبانِ حال سے گزرے ہوئے وقت کی کہانی سنا رہی تھی لیکن وہاں کوئی ذی نفس موجود نہیں تھا۔ اوپر کا دالان بھی خالی پڑا ہوا تھا۔

"دونوں اندر جاؤ اور ایک گھنٹے سے پہلے کمرے سے باہر نہ نکلنا۔" میں نے انہیں مژدہ سنایا "اس کے بعد تمہاری مرضی ہوگی کہ یہیں سوتی رہو یا خاموشی سے فرار ہو جاؤ۔"

انہوں نے میرے فیصلے پر عمل کرنے میں بالکل تاخیر نہیں کی۔ تقریباً دوڑتی ہوئی اسی کمرے میں جا گھسیں جس سے وہ برآمد ہوئی تھیں۔ اندر جاتے ہی انہوں نے دروازہ بند کر لیا تھا۔

اوپر کی تلاشی لینے کے بعد میرے ذہن پر مایوسی طاری ہونے لگی۔ ہم نے سلطان شاہ کی تلاش میں وہ دوڑ لگائی تھی لیکن اس کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ اول خان بھی اس ناکامی پر آزردہ تھا۔ ہم دونوں نیچے پہنچے تو مراد بھی ویرا کے ہاتھوں پٹتے پٹتے بے ہوش ہو چکا تھا۔ ویرا ایک کرسی پر بیٹھی اپنے ہاتھ صاف کر رہی تھی۔ اس کی خاموشی اس بات کی غماز تھی کہ وہ اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود مراد ظریف سے کچھ نہیں اگلوا سکی تھی۔

ہم نے بہت غور سے اس قدیم مکان کے چپے چپے کا جائزہ لے ڈالا' فرش کو ٹھونک بجا کر دیکھا لیکن کہیں کسی تہ خانے کی موجودگی دریافت نہیں کر سکے۔ ہر طرف سے ناکام ہو کر ہم مراد کے قریب یک جا ہو گئے۔

"یہ کتنا ہی سخت جان کیوں نہ ہو' کہیں نہ کہیں اس کی قوتِ برداشت جواب دے جائے گی۔" اول خان نے وثوق سے کہا۔

"اب ہمیں یہاں وقت ضائع کرنے کے بجائے مراد کو ساتھ لے کر جلد از جلد نکل جانا چاہیے۔"

"سلطان شاہ کو اس کی قسمت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے؟" ویرا نے پوچھا۔

"تم بتاؤ کہ اس کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے؟ ہم تمہارے ہر مشورے پر عمل کریں گے۔"

ویرا کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا "کیا تم مراد کو کراچی لے جانا چاہ رہے ہو؟"

"فی الحال یہاں سے نکلو۔ یہ فیصلے بعد میں ہوتے رہیں گے۔" میں نے کہا۔

حامد نے عقبی دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا تھا۔ اول خان نے گوپال کے گھر کا اگلا دروازہ کھولا تو قرب و جوار کے بعض مکانوں کی کھڑکیوں میں متجسس انسانی چہرے موجود تھے۔ اول خان نے اپنی را کفل کی نال آسمان کی طرف کر کے یکے بعد دیگرے دو فائر کیے۔ نظر آنے والے سارے چہرے یکایک روپوش ہو گئے۔ اس اثنا میں حامد جیپ لینے کے لیے دوڑ لگا چکا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

جیپ اگلے دروازے پر رکی۔ خون میں لتھڑے ہوئے' خستہ
ل مراد کو چاروں نے احتیاط سے جیپ کے عقبی حصے میں ڈالا اور
رہم مناسب رفتار سے وہاں سے روانہ ہوگئے۔

"ایگل کالنگ!" اول خان نے اپنے اپریٹس پر پیغام نشر کیا۔
م باہر جیل روڈ پر آرہے ہیں۔ واپسی کے لیے رخ موڑ لو اور
پ پر نگاہ رکھو۔ تمہیں ہمارے پیچھے پیچھے آنا ہے۔ اوور!"

"یس سر! ہم اباؤٹ ٹرن ہورہے ہیں۔ اوور... ار... یہ بیگم
احب کچھ کہنا چاہ رہی ہیں سر! اوور۔"

"بے بی۔ آئی ایم سوری۔" اول خان نے غزالہ کے لیے
یغام دیا "وہ نہیں ملا مگر مراد ہمارے قبضے میں ہے۔ باقی باتیں بعد
ں ہوں گی۔ ابھی ہمیں شہر سے نکلنے کی فکر ہے۔ اوور اینڈ آل۔"

"تم نے اچھا کیا کہ غزالہ کو بات کرنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ
یلی ہے۔ زیادہ جذباتی ہوجاتی۔" میں نے اول خان کی حکمتِ عملی
ی تائید کی "وہ آملے گی تو اچھی طرح اپنے دل کی بھڑاس نکال لے
ے۔"

"سب اچھا ہوا مگر میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ گوپال جیسے
ر آستین کو زندہ کیوں چھوڑ دیا گیا۔" ویرا بول پڑی "اس کا پورا
ن اس کی پنڈلیوں کی طرح چھلنی کردینا چاہیے تھا۔"

"وہ مائیکرو سرجری اور خطیر خرچ کے باوجود ایک لمبے عرصے
ک بستر سے نہیں اٹھ سکے گا۔" میں نے سرد لہجے میں جواب دیا۔
وہ بستر سے اٹھے گا' تب بھی شاید لنگڑائے بغیر چلنے کے قابل نہیں
ہ سکے گا۔ آسان موت کے مقابلے میں ایسی سسکتی ہوئی زندگی
یادہ عذاب ہوتی ہے۔ وہ جب تک زندہ رہے گا' اپنے اور
سروں کے لیے عبرت کا مرقع بنا رہے گا۔"

"اس کا انجام چمن علی کی روح تک کو لرزا کر رکھ دے گا۔"
ل خان نے خیال انگیز آواز میں کہا "جلد ہی بقیہ دونوں افراد کو
ی پتا چل جائے گا کہ گوپال چند کو اپنے کن اعمال کا خمیازہ
گتنا پڑا ہے۔"

جیپ جیل روڈ پر آکر بائیں طرف مڑ گئی۔ کچھ دور کھڑا ہوا
ک بھی اپنی جگہ سے رینگ کر سڑک پر آگیا۔

جیپ نے رفتار پکڑلی۔ جیل روڈ کے چوراہے پر اول خان کے
یا پر حامد نے کراچی کی راہ لینے کے بجائے' سڑک کا عجیب سا
اویہ طے کرکے گاڑی حیدر آباد چھاؤنی جانے والی بائیں سڑک پر
وڑ دی۔ کچھ دور جانے کے بعد جیپ داہنی طرف گھوم گئی۔
یو ہیکل ٹرک مستقل فاصلے سے ہمارے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔

چھاؤنی کی چیک پوسٹ پر موجود گارڈ' ایس ٹی ایف کی
صطلاح کو نہیں سمجھ سکا اور اول خان کو جیپ سے اتر کر ڈیوٹی
ارجنٹ کے کیبن تک جانا پڑا۔ وہاں سے اسے بلا توقف پیش
دی کا پروانہ مل گیا۔

فوجیوں کی زندگی میں وقت اور ڈسپلن کی کیا قدر و قیمت ہوتی
ہے' اس کا صحیح اندازہ کسی فوجی چھاؤنی میں جاکر ہی ہوتا ہے۔ منہ
اندھیرے اپنے اپنے کام پر حاضر ہونے والوں کے لیے اس وقت
رات کا ایک لمبا وقفہ گزر چکا تھا۔ ہر طرف روح کی گہرائیوں میں
اتر جانے والا عجیب سا سکون محیط تھا۔ ہماری گاڑیوں کے انجنوں کا
شور اس سکون و سکوت کو بہت بے رحمی سے مجروح کررہا تھا۔

اول خان کو دونوں گاڑیوں کے سواروں میں ردّوبدل کے لیے
کسی پارکنگ لاٹ کی تلاش تھی۔ اس وقت سی ایس ڈی اور اس
سے ملحقہ دکانیں بند تھیں' حامد نے جیپ وہیں اتار دی اور اسے
آگے لے جاکر انجن بند کرتے ہی نیچے اتر کر ٹرک ڈرائیور کو ہاتھ
کے اشارے سے سگنل دینے لگا۔

فوراً ہی ٹرک کا رخ تبدیل ہوا اور چند ثانیوں بعد وہ اپنا رخ
بدل کر اس طرح جیپ کے پیچھے آلگا کہ دونوں گاڑیوں کے عقبی
حصوں میں صرف چند فٹ کا فاصلہ باقی رہ گیا تھا۔

دونوں گاڑیوں کے سوار انجن بند ہونے کے بعد نیچے اتر
آئے۔ ٹرک سواروں کو کراچی سے روانگی کے بعد پہلی بار نیچے آکر
اپنی پشت اور ٹانگیں سیدھی کرنے کا موقع ملا تھا اور وہ اس سے
فیض یاب ہورہے تھے۔

اس علاقے میں گشت پر مامور' ملٹری پولیس کے ایک باوردی
سپاہی نے بند اسٹورز کے پاس سادہ لباس والوں کی غیر معمولی بھیڑ
دیکھی تو کھوجی نگاہوں سے ہر چیز کا جائزہ لیتا ہوا اس طرف آگیا۔
مختصر سی گفتگو میں حامد نے اسے مطمئن کردیا اور وہ سڑک پر جاکر
دوبارہ اپنے گشت میں مصروف ہوگیا۔

اسی اثنا میں غزالہ میرے پاس آپہنچی تھی اور تفکر آمیز لہجے
میں پوچھ رہی تھی "جب مراد ہاتھ آگیا تو سلطان شاہ کہاں ہے؟
اسے بھی گوپال چند کے گھر میں موجود ہونا چاہیے تھا۔"

"ہم سب کا یہی خیال تھا مگر ایسا نہیں ہے۔ ویرا نے مراد کا
جوڑ جوڑ ہلا دیا ہے مگر وہ بہت سخت جان ہے۔ جب تک وہ زبان
نہیں کھولے گا' ہم سلطان شاہ کے بارے میں کچھ نہیں جان سکیں
گے۔ اس کا بولنا ضروری ہے۔"

"ویرا اسے مارتی رہے گی اور اس کے آدمی سلطان شاہ کو
ادھیڑتے رہیں گے۔ اس کا انجام کیا ہوگا؟"

"میں صرف ایک بات جانتا ہوں کہ سلطان شاہ اگر اب تک
زندہ ہے تو اب وہ اپنی آزادی تک زندہ رہے گا۔ اس کے آدمیوں
کو معلوم ہوجائے گا کہ اب وہ مراد کے خسارے میں ہیں۔ مراد کی
آزادی کے لیے انہیں سلطان شاہ کو لوٹانا ہوگا۔"

اول خان کے آدمیوں نے مراد کو جیپ سے اتار کر ٹرک کے
پچھلے حصے میں منتقل کردیا تھا۔ حامد کو اسی حصے میں سفر کرتے ہوئے
مراد پر اپنے حربے آزمانے تھے۔ غزالہ کو دوبارہ جیپ میں بلالیا
گیا۔ ایس ٹی ایف کے چند کارکن آزادی سے سگریٹ وغیرہ پینے
کے لیے اپنے افسران سے دور نکل گئے تھے۔ ان کے لوٹتے ہی چھاؤنی

Downloaded from https://paksociety.com

سے روانگی ہوگئی۔

اس بار جیپ کے ڈرائیونگ وہیل پر اول خان خود موجود تھا۔ چھاؤنی کی حدود سے نکل کر اس نے کراچی سے جانے والی راہِ اختیار کرلی۔ میں کچھ دیر تک خاموش رہا پھر منزل کے بارے میں اس سے سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟ میں سلطان شاہ کے معاملے کو معلق چھوڑ کر کراچی واپس جانے کے بارے میں سوچ سکتا ہوں؟"

"تم اپنے ساتھ حامد کو بھی لے آئے ہو۔ اسٹیشن فور پر تم دونوں میں سے ایک کا موجود رہنا ضروری ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم واپسی کے بارے میں سوچ رہے ہو۔" میں نے اپنے ذہن میں موجود شبہ اس کے سامنے رکھ دیا۔

"ہنگامی ضروریات اور فیصلوں کے لیے ہماری ضرورت پڑتی ہے ورنہ درمیانے درجے کے افسران کو سب معلوم ہوتا ہے کہ کسے کیا کرنا ہے۔ اس وقت سلطان شاہ کی بازیابی ایس ٹی ایف کی سب سے بڑی ایمرجنسی ہے۔"

"لیکن ہم اسے کب تک سڑکوں پر لیے گھومتے رہیں گے؟" ویرا نے احتجاج کیا "میں نے اس پر جو بے رحمانہ تشدد کیا ہے' وہ قبر کے مردے کو بھی بولنے پر مجبور کردیتا ہے۔ وہ بہت ڈھیٹ اور سخت جان ہے۔"

"ابتدا میں ہر مجرم ایسا ہی نظر آتا ہے مگر پھر بول پڑتا ہے۔ تشدد چار چوٹ کی مار کا نہیں' مجرم کی ذہنی توڑ پھوڑ کا نام ہے۔ یہ ایک باقاعدہ فن ہے جس میں جسمانی تشدد کے ساتھ نفسیاتی حربے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ وہ ہوش میں آجائے پھر ہمیں ایک ڈیڑھ گھنٹے میں ہی اندازہ ہوجائے گا کہ ہمیں کدھر کا رخ کرنا چاہیے۔"

"دو تین گھنٹے گزارنے کے بعد تم نے کراچی جانے کا فیصلہ کیا تو مجھے سخت کوفت ہوگی۔ اتنی دیر میں ہم دو مرتبہ کراچی تک جاسکتے ہیں۔" ویرا نے اول خان کی باتوں کو اہمیت دیے بغیر کہا۔

اس نے ویرا کی بات خندہ پیشانی سے سن لی لیکن زبان سے کچھ نہ بولا۔

جام شورو سے کراچی کی طرف مڑنے کے بجائے اول خان سیدھا کوٹری کی طرف جانے والے راستے پر نکل گیا۔ وہ ویسے ہی سست رفتاری سے جیپ چلا رہا تھا۔ اس خراب سڑک کا آغاز ہوا تو رفتار مزید کم ہوگئی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس راستے سے کوٹری کا پورا صنعتی علاقہ عبور کرکے وہ دوسری طرف سے حیدر آباد پہنچا تو آسانی سے ایک گھنٹا گزر جائے گا۔

ناہموار اور جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی سنسان سڑک پر ہمارا سفر جاری رہا۔ سڑک کے دونوں طرف موجود ریت کے اونچے اونچے ٹیلے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دھرتی کے پھوڑوں کی طرح نظر آرہے تھے۔

"بڑڈ کالنگ ایگل... اوور!" ویرا نے کہا... سفر ختم ہونے سے پہلے حامد کا پیغام آیا۔

"کمے جاؤ' میں سن رہا ہوں۔ اوور!" اول خان نے بائیں ہاتھ سے اپنے اپریٹس کا بٹن دبا کر کہا۔

"زخموں پر بیڑی کے پانی کے استعمال سے وہ ہوش میں آگیا ہے مگر بہک رہا ہے۔ آپ کو اندازہ ہے کہ اب اس کے ساتھ جو کچھ ہوگا' اس کے نتیجے میں یہ چیخیں مارنے لگے گا... اوور۔"

"سامنے روشنیاں نظر آرہی ہیں۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دو تاکہ اس کی چیخیں نہ نکل سکیں۔ ہمیں جلد از جلد نتیجے کی ضرورت ہے تاکہ ہم کوئی فیصلہ کرسکیں۔ آدھے گھنٹے بعد ہم اسے ریلوے لائن سے باندھ کر کسی ٹرین کی آمد کا انتظار کریں گے اور اس کے ٹکڑے ہوتے ہی واپس کراچی لوٹ جائیں گے... اوور۔"

"اوکے سر! اب میں آدھے گھنٹے بعد رپورٹ دوں گا۔ اوور۔" حامد کا جواب آیا۔

"اوور اینڈ آل۔" اول خان نے گفتگو ختم کردی مگر اس کا اپریٹس بدستور آن تھا۔

"تم واقعی اسے ٹرین کے نیچے کٹوا دو گے یا اسے دہشت زدہ کرنے کے لیے یہ سب شارے تھے؟" ویرا نے پوچھا۔

"ہم اسے کٹوا سکتے ہیں مگر سلطان شاہ کی آزادی کے بعد۔ اس وقت ساری گفتگو اسے سنانے کے لیے کی گئی ہے۔ اسے یہ احساس دلانا ضروری تھا کہ ہم اسے سلطان شاہ کی واپسی تک پالنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔"

جیپ میں خاموشی چھاگئی۔ اس وقت ہم لیول کراسنگ عبور کرنے کے بعد صنعتی علاقے میں داخل ہو چکے تھے۔

صرف پندرہ منٹ گزرے تھے کہ حامد پھر لائن پر آگیا۔ اس کی دی ہوئی اطلاع سن کر ویرا حیرت سے اپنی نشست پر اچھل پڑی۔ چیرا لگنے کے بعد مراد نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ اس نے سلطان شاہ پر گوپال کے مکان میں کچھ تشدد کے بعد اسے میرپور خاص روانہ کردیا تھا۔ حیدر آباد میں اپنے ہاتھ صاف رکھنے کے لیے اس نے میرپور خاص کو اپنا گڑھ بنایا ہوا تھا۔

"آگے دور تک آباد علاقہ ہے۔ میں جیپ واپس گھما رہا ہوں۔" اول خان نے اس کی پوری بات سننے کے بعد کہا "سنسان سڑک پر رک کر میں خود اس سے بات کروں گا۔ اس سے میرپور خاص کا پتا اور فون نمبر حاصل کرو۔ اوور۔"

"پتا مل چکا ہے۔ وہاں فون نہیں ہے اوور!" حامد نے جواب دیا۔

"کیا پورے میرپور خاص میں فون نہیں ہے؟" اول خان محض مراد کو مرعوب کرنے کے لیے غرایا "اسے اپنے کسی دوست کا نمبر بتا دو گا۔ یہ وہاں آپریٹ کرتا ہے اور وہاں سے اتنا کٹا ہوا ہے۔ یہ جھوٹ ناقابل یقین ہے۔ اوور اینڈ آل۔"

"حامد کمال کا آدمی ہے۔" ویرا کی آواز سے خوشی پھوٹی پڑ رہی

Downloaded from https://paksociety.com

تھی۔" اس کے بدن کے کس حصے پر چیرا لگایا گیا ہے؟"

میں ہنس پڑا "تم بعض اوقات بالکل احمق ہو کر رہ جاتی ہو۔ یہ نشتر زنی والا نہیں' دوسرا چیرا ہے۔ شکار کی ٹانگیں پھیلا کر سر پر اچانک وزن گرایا جاتا ہے اور ٹانگیں اپنے جوڑ سے چر جاتی ہیں۔ پتا نہیں حامد نے چلتے ٹرک میں یہ کام کیسے کیا ہوگا۔ مجھے اس سے یہ طریقہ ضرور معلوم کرنا ہوگا۔"

"ہمارے ٹرک آہنی باڈی والے ہوتے ہیں جن پر پیر خود پھسلتے ہیں۔ ڈرائیور کے کیبن کی پشت والی دیوار پر تیل لگا کر مجرم کو ٹرک کے فرش پر لٹا دیا جائے' ہاتھ باندھ دیے جائیں' ٹانگیں پہلے سے کھلی ہوئی ہوں اور تیزی سے دوڑتے ہوئے ٹرک کو اچانک بریک لگا دیے جائیں تو چیرا خود بہ خود وجود میں آجاتا ہے۔" اول خان نے بتایا "دوسرا طریقہ دو آدمیوں کے استعمال کا ہے۔"

"اوہ۔ یہ تو بہت سفاکانہ عمل ہے۔" ویرا شاید پھریری لے کر بولی تھی "آدمی زندگی بھر کے لیے معذور ہو سکتا ہے۔"

"معذور اور ناکارہ ہو جاتا ہے۔" میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "لیکن یہ دیکھ لو کہ اس کے بعد مراد جیسے سخت جان مجرم سرعت سے راہِ راست پر آکر سچ اگلنا شروع کر دیتے ہیں۔"

"بعض مجرموں کے لیے بہیمانہ سزائیں ضروری ہوتی ہیں۔" اس نے مجھ سے اتفاق ظاہر کرتے ہوئے کہا "ان کو ہر ایک پر نہیں آزمایا جا سکتا۔ اگر یہ احتیاط برتی جائے تو پھر کہیں کوئی شکایت پیدا نہیں ہو سکتی۔"

اول خان جیپ کو واپس اسی سمت میں لے جا رہا تھا۔ جدھر سے آیا تھا۔ میرے لیے ایس ٹی ایف والوں کا سفری تفتیش کا وہ تجربہ بالکل نیا تھا۔ ویران سڑک کے تقریباً وسط میں اول خان نے اپنی جیپ روک لی۔ اس کے ساتھ میں بھی جیپ سے اتر گیا۔ اپنے اعلیٰ افسر کے احترام میں حامد کے ماتحت ایک ایک کر کے ٹرک سے نیچے کود رہے تھے۔

ٹرک کا پچھلا حصہ خالی ہونے کے بعد ہم دونوں اچک کر ٹرک پر سوار ہو گئے۔ اندر ہلکی سبز روشنی کا ایک بلب روشن تھا جو گھور اندھیرے میں بہت غنیمت نظر آرہا تھا۔ مراد کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے' وہ بدستور ٹرک کے آہنی فرش پر پڑا ہوا تھا۔ چیرا لگنے کے بعد وہ اس قابل ہی نہیں رہا تھا کہ اپنے نچلے دھڑ پر ذرا بھی زور ڈال سکے۔

ہم دونوں ٹرک میں نصب بینچوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ کسی کے کچھ بولنے سے پہلے مراد نے کراہتے ہوئے بولنا شروع کر دیا۔ "مجھے جو معلوم تھا' وہ میں بتا چکا ہوں۔ اب میرے اوپر ظلم مت کرو۔ تم نے مجھے تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔"

اول خان نے حامد کی طرف دیکھا اور وہ بول پڑا "اس نے اپنے ایک دوست کا نمبر دیا ہے۔ باقی نمبر زبانی یاد نہیں ہیں' ڈائری میں درج ہیں جو گوپال کے گھر پر رہ گئی ہے۔"

"تم اپنے دوست سے بات کرو اور اس سے کہو کہ وہ تمہارے ٹھکانے سے قیدی کے بارے میں پتا کرے۔ ہمارے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس وقت تمہارا قیدی کہاں اور کس حال میں ہے۔"

"مجھے گوپال کے گھر لے چلو' میں مولا داد سے بات کر لوں گا۔" اس کی آواز سے تنویمی کیفیت جھلک رہی تھی۔

"وہاں جانے کی ضرورت نہیں' ہمارے پاس موبائل فون موجود ہے۔" میں نے جیب سے اپنا فون نکال لیا۔

ہم تینوں میں سے کسی کو سندھی زبان پر مکمل عبور نہیں تھا۔ وہ مولا داد سے گفتگو کے دوران میں کوئی معنی خیز پیغام بھی دے سکتا تھا۔ اس کے ازالے کے لیے اول خان نے بخشل کو ٹرک میں بلا لیا۔ وہ پیدائشی سندھی تھا اور فورس کے بہتری کارکنوں میں شمار ہوتا تھا۔ اول خان کا مدعا جانتے ہی اس نے مراد کو سندھی میں ڈانٹنا شروع کر دیا۔ وہ اسے دھمکا رہا تھا کہ اس نے فون پر کوئی بدمعاشی کرنے کی کوشش کی تو اسے الٹا چیرا لگا کر موت کے منہ میں پہنچا دیا جائے گا۔ میرے لیے الٹے چیرے کی اصطلاح بالکل نئی تھی مگر اس وقت میں نے کوئی سوال نہیں کیا۔ فون آن کر کے حامد کا بتایا ہوا نمبر ملانے لگا۔ بخشل نے مراد کے ہاتھ کھول دیے۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ ٹیلی فون لائنیں مصروف نہیں تھیں اس لیے پہلی کوشش میں نمبر مل گیا۔ تین گھنٹیوں کے بعد دوسری طرف سے نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سن کر میں نے اسے بتایا کہ مراد اس سے بات کرے گا پھر فون مراد کو دے دیا۔

ان دونوں کے درمیان قدرے طویل بات ہوئی۔ مراد نے اپنے ڈیرے سے حسن نامی کسی شخص کو بلوانے کی فرمائش کی تھی پھر مولا داد کو یہ سمجھاتا رہا کہ رات ضرور زیادہ ہو گئی تھی مگر وہ اہم معاملہ تھا۔ حسن سے اس کی بات ہونی ضروری تھی۔

گفتگو ختم کر کے اس نے بتایا کہ مولا داد اس کے آدمی کو پندرہ منٹ بعد اپنے گھر لے آئے گا۔ اس وقت وہ دوبارہ اسی نمبر پر حسن سے بات کر کے کچھ بتا سکے گا۔

"اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کے بعد اب جان اسمتھ تم سے کیا کام لے رہا ہے؟" میں نے سگریٹ سلگا کر اس سے پوچھا۔

اس وقت تک مراد سے اس کی سرگرمیوں کے بارے میں کوئی پوچھ گچھ نہیں کی گئی تھی۔ سارا زور سلطان شاہ والے معاملے پر تھا۔ میرے سوال پر اس کے دہانے سے ایک گہرا سانس خارج ہوا اور اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا "میں اب سمجھا کہ تم سب فوجی ہو مگر سادہ کپڑوں میں آئے ہو۔ میں سچ کہہ رہا ہوں کہ سارا مال کسی اور کو جا رہا ہے' میں بیچ کا آدمی ہوں۔"

"ہم اسے بھی دیکھ لیں گے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس مال کے بدلے کیا کام ہو رہا ہے۔"

"وہ نیا چھور کے قریب جنگل میں لڑکوں کو ہتھیاروں کے

Downloaded from https://paksociety.com

استعمال کی ٹریننگ دیتا ہے۔ اس کی گاڑیاں تھریوں میں اناج بانٹتی ہیں۔ ان کو خاص خاص فلمیں دکھاتی ہیں۔ میں کچھ بھی نہیں کرتا' بیچ کا آدمی ہوں۔" اس کے سارے کس بل نکل چکے تھے اور وہ بری طرح خوف زدہ تھا۔ شاید اسے اپنا انجام قریب نظر آنے لگا تھا۔

"وہ کون ہے .... ہمیں اس کے بارے میں بتاؤ تاکہ تمہاری جان بچ سکے۔ ابھی تک تم ہی ہمارے سامنے ہو اور سارا پیسا تمہاری این جی او کو دیا جارہا ہے۔" میں نے اسے دلاسا دیا۔

"وہ کھوکھرا پار کا کرشن کمار ہے جو آزادی سے سرحد کے دونوں طرف آتا جاتا رہتا ہے۔ وہ بڑے شہروں کا رخ کرنے سے ڈرتا ہے لیکن صحرا کا بادشاہ ہے۔ وہ میری این جی او کا نام استعمال کرنے کے لیے اچھا کمیشن دیتا ہے۔"

"وہ خود اپنی این جی او کیوں نہیں بنالیتا؟ اسے تمہاری کیا ضرورت ہے؟"

"رجسٹریشن کراچی میں ملتا ہے۔ بہت دھکے کھانے پڑتے ہیں' ریکارڈ رکھنا پڑتا ہے۔ پیسا خرچ ہوتا ہے تب کام بنتا ہے اور وہ شہروں سے ڈرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ نفرت کرتا ہو۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ لوگوں کو ہتھیاروں کے استعمال کی تربیت دینا کتنا بڑا جرم ہے؟"

"میں پڑھا لکھا ہوں۔ جانتا ہوں کہ یہ بغاوت ہے مگر میں باغی نہیں ہوں' بیچ کا آدمی ہوں۔" اس نے آخر میں پھر گرہ لگادی۔

"تم نے فورڈ فاؤنڈیشن کا نام سنا ہے؟" میں نے دھیرے سے سوال کیا۔

"میں چار برس سے انہیں خط لکھ لکھ کر تھک گیا ہوں۔" اس کی آواز میں حسرت امڈ آئی۔ سارا ریکارڈ بھیجتا ہوں' سالانہ رپورٹ بھیجتا ہوں مگر وہ جواب ہی نہیں دیتے۔ وہ میری صحرا کا ہاتھ تھام لیتے تو آج میں یوں ذلیل نہ ہوتا۔ وہ جس کی مدد کرتے ہیں' اس کے وارے نیارے ہوجاتے ہیں۔ اسے دوسروں کے پاس جانے کی ضرورت نہیں رہتی۔"

اس وقت تک اس نے شاید وہی ایک بات سچ کہی تھی اور اس کا سرا مل رہا تھا۔ اس کی خط و کتابت فورڈ فاؤنڈیشن کے ریکارڈ پر تھی۔ وہ اندازہ لگاچکے تھے کہ مراد ان کے ذریعے بھاری مالی فائدہ اٹھانے کے چکر میں ہے۔ انہوں نے آخر کار اس کی مدد کرنے کا فیصلہ کرلیا مگر اس کے عوض وہ مراد سے جو کام لینا چاہتے تھے' اس میں نیک نامی نہیں تھی۔ انہوں نے براہ راست خود سامنے آنے کے بجائے فریڈم انٹرنیشنل کے اکرم الٰہی کو اس کی امداد پر مامور کردیا۔ ساتھ ہی ان چار افراد کے ناموں کی نشاندہی کردی جو فورڈ فاؤنڈیشن کے مطلوب مقاصد کو آگے بڑھانے میں مراد کا ہاتھ بٹاسکیں۔

مراد دولت کمانے کی ہوس میں مرا جارہا تھا۔ وہ بہت آسانی سے اکرم الٰہی کے چنگل میں پھنس گیا۔ وہ سارا اس کا اپنا کھیل تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں کرشن کمار کا بھی کوئی اہم کردار رہا ہو مگر وہ اصل آدمی نہیں تھا۔ اصل آدمی مظلومیت کا لبادہ اوڑھ کر اپنا عذاب کرشن کمار کے سرلاد رہا تھا۔ بیچ کے آدمی کا سہ لفظی فقرہ وہ ٹیپ کے بند کے طور پر استعمال کررہا تھا۔

اس کی سنائی ہوئی کہانی پر وہ یقین کرتا جس نے اکرم الٰہی کی فائل میں موجود فورڈ فاؤنڈیشن کے پیغامات نہ دیکھے ہوتے۔ میں نے اس وقت تک دانستہ چمن علی کا نام نہیں لیا تھا۔ میری زبان سے وہ نام سنتے ہی مراد کی ہر آس ٹوٹ جاتی' وہ سمجھ لیتا کہ اس کا کھیل ختم ہوچکا ہے۔ اس کی مایوسی کے نتیجے میں سلطان شاہ کی رہائی کا معاملہ خطرے میں پڑسکتا تھا۔

یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ حیدر آباد میں اس سازش کے دو مہرے ہمارے سامنے آئے اور دونوں ہی کم و بیش یکساں انجام سے دوچار ہوئے تھے۔ گوپال چند کی ٹانگیں میری فائرنگ کے نتیجے میں ٹوٹ گئیں تھیں۔ اس کی پنڈلیوں کی ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کا دوبارہ صحیح حالت میں جڑجانا' میرے نزدیک ناممکنات میں سے تھا اور مراد پر حامد نے چرا آزمایا تھا۔ اس کا نچلا دھڑ ایسی شکست وریخت کا شکار ہوا تھا کہ اس کی مکمل صحت یابی کی امید کم ہی تھی۔

میں نے مراد سے کہا "یہ نصیب کی باتیں ہوتی ہیں۔ بعض لوگ ساری زندگی کسی سراب کا پیچھا کرتے کرتے خاک میں مل جاتے ہیں' کچھ ایسے ہوتے ہیں جنہیں راہ چلتے اپنے خوابوں کی تعبیر مل جاتی ہے۔ تمہیں وہ نہیں' ان جیسے سرپرست مل گئے۔"

"وہ مجھے نہیں ملے۔ تم میری بات سن نہیں رہے یا سن رہے ہو تو سمجھ نہیں رہے کہ کرشن کمار شہروں کے انسانی جنگل سے ڈرتا ہے۔ میرے ذریعے یہ سب اسی کو ملا ہے۔ میرا کیا تھا؟ بس تھوڑا سا کمیشن۔ میرے خواب تو ابھی تک ادھورے ہیں۔"

"گوپال کے گھر کے باہر تمہاری پیجرو نظر نہیں آئی؟" میں نے لطیف کنائے میں اسے اس کے فوائد یاد دلائے۔

"وہ گاڑی ضرور میری ہے اور میں اسے احتیاط سے ایک بند گیراج میں رکھتا ہوں۔ نہ جانے اب میں کتنے دنوں تک اسے نہیں چلاسکوں گا۔ تم نے یہ نہیں بتایا کہ تمہیں فورڈ فاؤنڈیشن اچانک کیوں یاد آگئی تھی۔"

"تمہارا دوست گوپال فورڈ فاؤنڈیشن کا آدمی ہے۔" موقع ملنے پر میں نے چار میں سے ایک نام اس پر کھول دیا پھر بھی چمن علی کا کوئی حوالہ نہیں دیا "جب تم پٹ رہے تھے تو وہ نشے میں دہاڑ رہا تھا کہ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کا معزز رکن ہے۔"

"وہ کہہ رہا تھا تو پھر ٹھیک ہی ہوگا۔ میری اس سے دوستی ضرور ہے مگر اس بارے میں اس سے کبھی میری بات نہیں ہوئی۔" میں اس کی زبان سے وہ سفید جھوٹ سن کر حیران رہ گیا۔ وہ ذہنی اور جسمانی طور پر بکھر جانے کے باوجود آخری بڑی بازی جیتنے کے لیے

Downloaded from https://paksociety.com

سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھا اور بڑے تسلسل کے ساتھ اپنا دامن بچائے رکھنے کی کوششیں کر رہا تھا۔

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس نے میری آواز نہیں پہچانی تھی یا پھر یہ اصل آواز اور موبائل فون پر گونجتی ہوئی آواز کا فرق تھا کہ وہ دھوکا کھا رہا تھا اور مجھ پر مقبول چوہدری کا خاص آدمی ہونے کا الزام نہیں لگا سکا تھا۔

"سر! مولا داد سے بات ہوئے سولہ منٹ ہو چکے ہیں۔" حامد نے ادب سے یاد دلایا۔

میں نے پہلے ملایا ہوا نمبر ری ڈائل کرتے ہی فون مراد کو دے دیا اور جلدی سے کہا "حسن کو بتا دینا کہ تم کس حال میں ہو۔"

اس کی گفتگو شروع ہو گئی۔ ہم تینوں اس کا کہا ہوا ایک ایک لفظ سن ہی رہے تھے' بخشل بھی پوری توجہ اور فرض شناسی کے ساتھ اس کے سر پر سوار تھا۔ مجھے خیال آیا کہ وہ اپنے ایک ملازم یا کارکن سے بات کر رہا تھا۔ حسن کیا کہہ رہا تھا' یہ ہمارے علم میں نہیں تھا۔ ہم صرف وہ سن رہے تھے جو مراد کہہ رہا تھا۔

اس نے سارے کھیل میں اپنے کردار کے بارے میں جس تواتر سے جھوٹ بولے تھے' ان کے پیش نظر اس سے کوئی بات بعید از قیاس نہیں تھی اس کا جسم بری طرح مجروح تھا لیکن اس کا دماغ کام کر رہا تھا یا پھر وہ خود کو ابتدائی صدمے سے بہت جلد سنبھالنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ میرے لیے وہ قابل اعتبار نہیں تھا۔

فون پر اس کی باتوں سے یوں ظاہر ہو رہا تھا جیسے مطلوب قیدی میرپور خاص میں نہ ہو اور کرشن کمار اسے کہیں آگے لے گیا ہو۔ اس نے حسن کو اپنی پوزیشن بتا دی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اسے شاید قیدی کے بدلے ہی فوجیوں کی تحویل سے نجات ملے گی۔ قیدی کو کچھ ہوا تو خود اس کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ کرشن کمار کو یہ بات معلوم ہو جانی چاہیے تھی۔

عین ممکن تھا کہ وہ اپنے یک طرفہ مکالموں سے حسن کو سمجھا رہا ہو کہ وہ ہمیں کس راہ پر لے جانا چاہ رہا تھا۔ ایسی صورت میں حسن سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ بھی وہی راگ الاپتا جو مراد سنا رہا تھا۔

حسن سے بھی اس کی گفتگو ختم ہو گئی۔ اس نے فون مجھے لوٹاتے ہوئے مایوسانہ آواز میں کہا "قیدی ٹھیک ٹھاک ہے لیکن کرشن کمار اسے میرپور خاص سے کہیں آگے نکال لے گیا ہے۔ قیدی سے اس کا کوئی واسطہ نہیں تھا مگر وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ میں نے اپنی پوری کوشش کی ہے کہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔"

"تم نے ایک بے گناہ شہری کو پکڑا ہے۔ ہماری کوشش تھی کہ اسے چھڑا لیں۔ اگر وہ تمہارے بس سے باہر ہے تو پھر مجبوری ہے۔ ہم کرشن کمار کو ڈھونڈیں گے۔ تمہاری گلو خلاصی نہیں ہوگی۔"

"میں نے تمہارے سامنے کہا ہے کہ قیدی کے بدلے تم مجھے

مشہور مصنفین کی مشہور کتابیں

روشنی کے مینار
اسلام کے خاموش مبلغوں اولیائے کرام کے دلچسپ اور پُراثر واقعات
ضیاء تسنیم بلگرامی کے قلم سے
قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

عظمت کے مینار
ضیاء تسنیم بلگرامی کے مضامین کا دوسرا مجموعہ
قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

ایمان کا سفر
محی الدین نواب کی ۱۰ معاشرتی کہانیوں کا مجموعہ
وہ فن پارے' جن کی آپ کو تلاش ہے۔
قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

کچرا گھر
محی الدین نواب کی کہانیوں کا دوسرا مجموعہ
جسے آپ آنکھوں سے نہیں دل سے پڑھیں گے۔
قیمت ۱۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

آدھا چہرہ
محی الدین نواب کا پہلا طویل معاشرتی ناول ان لوگوں کے لیے ایک تازیانہ جو پاکیزگی کے لبادے میں اپنا اصل چہرہ چھپا کر رکھتے ہیں
قیمت ۲۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

سیکالی کہانیاں
جرائم' جادو' شیطان' ازم' ارواح طرز و مزاح' اسرار و خوف' سسپنس اور تجسس پر مبنی ۲۶ کہانیاں
قیمت ۱۳۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

بنک ویلوٹ کی چوریاں
مشہور جوزیک ویلوٹ کا مجموعہ جو بے قیمت چیزیں گرانقدر معاوضے پر چرا لیتا ہے۔
قیمت جلد اول ۵۰/- جلد دوم ۵۰/-
ڈاک خرچ فی جلد ۱۶ روپے

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس ۲۳ سعید منشن فلیمنگ ایسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی ۱

Downloaded from https://paksociety.com

چھوڑ دو گے....“

میں نے اس کی بات درمیان سے کاٹ دی ”یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ قیدی ہمارے لیے اتنا اہم تھا.... اور نہ ہے۔“

”تمہارے آدمی کا سارا زور اسی پر تھا۔ اس کا پتا معلوم کرنے کے لیے میرا حشر خراب کر دیا گیا۔“

”ایک آدمی کو بچانے کے لیے ہم جو کچھ کر سکتے تھے‘ وہ کر لیا۔ ہم نے تمہارے لیے آدھے گھنٹے کا وقت رکھا تھا۔ تم زبان نہ کھولتے تو تمہیں کسی ٹرین کے نیچے دے دیا جاتا۔ تم نے زبان کھولی ہے اس لیے ہم تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے۔“

وہ خاموش ہو کر گہرے گہرے سانس لینے لگا جیسے اس کی تکلیف میں ایک دم اضافہ ہو گیا ہو۔ میں نے اول خان کو اشارہ کیا اور ہم دونوں خاموشی کے ساتھ ٹرک کے عقبی حصے سے نیچے اتر گئے۔

”اس نے تو سب کچھ الجھا دیا ہے۔“ ٹرک سے قدرے دور ہٹتے ہی اول خان پر تشویش آواز میں بولا۔

”سب اس کی بدمعاشی ہے۔ اس کا دم غم آہستہ آہستہ واپس لوٹ رہا ہے۔“

”کمال ہے۔ مجھے تو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ تم اس کی باتوں سے متفق ہو۔“

”سلطان شاہ کی زندگی کی خاطر میں اسے یہ تاثر دے رہا تھا ورنہ میں نے اس کی نیت کا کھوٹ بھانپ لیا تھا۔ اسی وجہ سے میں نے اس سے چین کا کوئی ذکر نہیں کیا۔“

اول خان کو ٹرک میں موجود ناکافی سبز روشنی کی وجہ سے میرے چہرے کے تاثرات دیکھنے کا موقع ملا‘ نہ ہم دونوں کے درمیان براہِ راست بات چیت کی نوبت آئی تھی۔ اسے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ میں مراد کے بارے میں کس نہج پر سوچ رہا تھا۔ میں نے مراد کے بیان کے تضادات کی طرف اس کی توجہ مبذول کرائی تو وہ فوراً میرا ہم خیال ہو گیا۔

”ہم ایک بند گلی کے سرے پر پہنچ چکے ہیں۔“ اول خان نے تفکر آمیز لہجے میں کہا ”اگر مراد جھوٹ بول رہا ہے تو سلطان شاہ کہاں ہے۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“

”مجھے شبہ ہے کہ سلطان شاہ ابھی تک میرپور خاص میں ہے۔ مراد اور حسن کی بات ہونے کے بعد اسے وہاں سے ہٹا دیا جائے تو اور بات ہے۔ دوسری طرف نیا چھور کے تربیتی کیمپ کا معاملہ بھی سنگین ہے۔ ہمیں تیزی کے ساتھ وہاں پہنچنا ہو گا۔ زیادہ وقت گزر گیا تو سلطان شاہ کے ساتھ مراد کے اہم ساتھی بھی غائب ہو جائیں گے۔“

”اگر تم اس فیصلے پر پہنچ چکے ہو تو ہم اسی وقت میرپور خاص کے لیے روانہ ہو سکتے ہیں۔“

”اس طرح بات نہیں بن سکے گی۔ وہ پہلے ہی ہم سے بہت آگے ہیں۔ ہم میرپور خاص پہنچیں گے تو وہ کسی سرحدی گاؤں میں ہوں گے۔ خطرے کو اپنے سر پر منڈلاتا ہوا دیکھ کر وہ سرحد پار نکل گئے تو قصہ طول پکڑ جائے گا۔“

اول خان چکرا کر رہ گیا ”پھر تمہاری تجویز کیا ہے۔ میرا تو ذہن کام نہیں کر رہا۔“

”اگر ہمیں ایک ہیلی کاپٹر مل سکے تو ہم بہت تیزی سے ان کے سروں پر پہنچ سکیں گے۔ وہ جہاں بھی ہوئے‘ ہم انہیں جا لیں گے۔ ان کو سرحد پار کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔“

”ہیلی کاپٹر ملنا مشکل ہے۔“ وہ سوچتے ہوئے بولا ”کسی طرح آرمی والوں سے کوئی ہیلی کاپٹر مل بھی گیا تو ہمیں اس کو سرحد سے بارہ پندرہ میل دور رکھنا ہو گا۔ کوئی فوجی ہوا باز اس ضابطے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔“

”سرحد سے اتنی دور رہ کر سرحدوں کی نگرانی کیسے ممکن ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”فضائی حدود کی یہ پابندی دونوں فریقوں کے لیے ہے۔ ان حدوں سے آگے ساری ذمے داری زمینی دستوں کی ہوتی ہے۔ ہیلی کاپٹر میں ہمیں ہر حال میں سرحد سے دور رہنا ہو گا۔“

میں سوچ میں پڑ گیا۔ مجھے خاموش پا کر اول خان پھر بولا ”اس کی زبان سے کرشن کمار اور اس کے تربیتی کیمپ کا ذکر سنتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ چکر سرحد پار تک پھیلا ہوا ہے۔“

”اس کے انکشاف پر مجھے حیرت نہیں ہوئی۔ حالات کے رخ سے پتا چل رہا تھا کہ ان معاملات میں سرحد پار والے ضرور ملوث ہیں۔ دھنی رام‘ گوپال چند اور اب کرشن کمار کی موجودگی کے بعد کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ اس وقت سلطان شاہ کا معاملہ درپیش نہ ہوتا تو ہمیں کوئی پریشانی نہ ہوتی۔ ان سے آرام سے نمٹ لیا جاتا۔“

”کیوں نہ ہم تبادلے کے بارے میں مراد کی تجویز قبول کر لیں۔“ اول خان نے یوں کہا جیسے اسے کوئی انوکھی بات سوجھی ہو۔

میں تلخی سے ہنس پڑا ”بعض اوقات تم بہت سی اہم باتیں نظر انداز کر دیتے ہو۔ کیا تمہیں اندازہ نہیں ہو سکا کہ اس کی یہ پیشکش ایک چال سے زیادہ نہیں ہے۔“

”تمہیں معلوم ہے کہ میں سیدھے اور صاف ذہن کا آدمی ہوں۔ جال پیچ کی باتیں کرتا ہوں نہ ایسی باتیں آسانی سے میری سمجھ میں آتی ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ بھی ہنسا پھر بولا ”ایسے معاملات میں ہمیشہ تم میری مدد کرتے ہو۔“

”ایک طرف وہ یہ کہہ رہا ہے کہ کرشن کمار نے سلطان شاہ کو میرپور خاص سے آگے بڑھا دیا ہے اور دوسری طرف وہ اپنے اور سلطان شاہ کے تبادلے کی بات کر رہا ہے۔ کیا یہ دونوں متضاد باتیں نہیں ہیں؟“

Downloaded from https://paksociety.com

"بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں۔" اس نے اعتراف کیا۔
"ہوسکتا ہے کہ اس کے پاس کوئی متبادل راہ ہو۔"
"کوئی راہ نہیں ہے۔" میں نے وثوق سے کہا "چرا لگنے کے بعد وہ اتنا خستہ حال ہے کہ جسمانی طور پر فرار کی کوئی کوشش نہیں کرسکتا۔ وہ ہمیں گھیر گھار کر اپنے گڑھ میں لے جانا چاہتا ہے تاکہ اس کے آدمی اسے ہمارے قبضے سے نکال سکیں۔"
"وہ ہمیں فوجی سمجھ رہا ہے!" اول خان نے حیرت سے کہا۔ "کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی مجرم فوج سے اس قدر کھلا تصادم مول لینے کے بعد عافیت کے ساتھ یہاں رہنے کا تصور کرسکے؟"
"سرحد پار اس کے ہمدرد موجود ہیں تو اسے یہاں رہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ وہ ایک بار رسّی تڑانے میں کامیاب ہوجائے تو پل بھر کے لیے بھی اس سرزمین پر نہیں رکے گا۔ وہ ہر قیمت پر اپنی آزادی کا خواہاں ہے۔ دوسری صورت میں اسے نوشتۂ دیوار صاف نظر آرہا ہوگا۔" اسی وقت ویرا اور غزالہ بھی ہمارے پاس آموجود ہوئیں۔
"آزادی یا موت۔ اس کے سامنے ان دو کے سوا تیسرا راستہ نہیں ہے۔"
"پھر بھی میں تمہاری تسلی کے لیے اس سے تبادلے کے موضوع پر بات کرنے کے لیے تیار ہوں۔" میں نے اپنی آمادگی ظاہر کرتے ہوئے کہا "دیکھتے ہیں کہ وہ کیا جواب دیتا ہے۔"
"تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ تمہاری وضاحتوں کے بعد اس مشق کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی۔" اول خان نے پورے خلوص کے ساتھ اپنے مؤقف سے پسپائی اختیار کرلی۔
"اس سے بات کرنے میں کیا حرج ہے؟" غزالہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "اس وقت وہ ہمارا قیدی ہے۔ ہماری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا۔ سلطان شاہ کے لیے ہمیں ہر امکان پر کام کرنا چاہیے۔"
"پہلے میرا بھی یہی خیال تھا۔" اول خان نے اسے بتایا "تم یہ بات اس لیے کہہ رہی ہو کہ ابھی ابھی اِدھر آئی ہو۔ تم نے ڈینی کا تجزیہ نہیں سنا۔ اس کی نگاہیں بہت دور تک کام کرتی ہیں....."
غزالہ نے اسے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا "میں یہ نہیں کہہ رہی کہ وہ جو کچھ کہے، اس پر آنکھیں بند کرکے عمل کرنا شروع کردو۔ وہ واقعی بہت مکّار اور جھوٹا آدمی ہے مگر ایک کوشش کرلینے میں کیا حرج ہے؟"
ویرا نے بھی غزالہ کی تائید کی اور میں چڑ گیا۔ میرے دماغ میں اتنا دم نہیں تھا کہ ساری باتیں ان کے سامنے دہرا کر انہیں اپنی رائے تبدیل کرنے کا مشورہ دیتا۔ میرے انکار کے بعد اگر خدانخواستہ سلطان شاہ کے ساتھ کوئی سانحہ رونما ہوجاتا تو غزالہ اور ویرا کے دلوں میں عمر بھر کے لیے، میری طرف سے بدگمانی جڑ پکڑ لیتی۔
"میں اس سے بات کیے لیتا ہوں۔ تم دونوں بھی ٹرک میں آجاؤ۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔
"شاید ہمارا اس کے سامنے جانا مناسب نہ ہو۔" غزالہ نے کہا "آپ ہی اول خان کے ساتھ ہو آئیں۔"
"ٹرک میں بہت کم روشنی ہے۔ وہ پلٹ کر تمہیں نہیں دیکھ سکے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں ساری گفتگو اپنے کانوں سے سن لو تاکہ بعد میں کوئی دلیل یا حجت باقی نہ رہ جائے۔ ایک مرتبہ یہ قصہ ختم ہوجانا چاہیے۔"
"شاید ہمارا مشورہ تمہیں ناگوار گزرا ہے۔" ویرا نے بے لاگ انداز میں اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔
"ہرگز نہیں۔" میں نے صفائی سے اس کا صحیح اندازہ مسترد کردیا "ہم میں سے کوئی بھی سلطان شاہ کا بدخواہ نہیں ہے۔ کچھ نہ کرنے کے مقابلے میں کچھ کر گزرنا ہی زیادہ بہتر رہے گا۔ بعض اوقات عقل اور دلیل دھری کی دھری رہ جاتی ہے، محض مقدر کی یاوری کی بنا پر کوئی معجزہ رونما ہوجاتا ہے۔ شاید اس بار بھی ایسا ہوجائے۔"
حامد ٹرک سے اتر آیا تھا۔ ٹرک میں ہتھیاروں کے ساتھ فاضل گولیوں وغیرہ کی بھاری مقدار بھی موجود تھی اس لیے بخشش کو مراد کی نگرانی کے لیے ٹرک میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ ہم چاروں وہاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
آصفہ شاکر ہومیو کلینک
ڈاکٹر آصفہ شاکر ◆ ڈاکٹر نرگس مغل
تعطیل بروز _____ جمعۃ المبارک
C-2/960 کمرشل ایریا طارق روڈ بالمقابل مسعود برگر۔ کراچی
اوقاتِ ملاقات: دوپہر ۱۲ تا ۳ بجے
گلشنِ اقبال برانچ
6/1 سفاری ویو بلاک 7 نزد مین گیٹ سفاری پارک
گلشن اقبال کراچی
اوقاتِ ملاقات: شام 6 تا 9 بجے رات
شاکر ہیئر آئل بھی دستیاب ہے
مزید معلومات کے لئے فون: 4966698

Downloaded from https://paksociety.com

پہنچے تو خواتین کی سہولت کے لیے کلیمپ کھول کر ٹرک کی پچھلی دیوار نیچے گرا دی گئی۔ وہ دونوں اچھل کود میں خاصی مہارت رکھتی تھیں۔ کسی سہارے کے بغیر ٹرک میں سوار ہو کر خاموشی سے بینچ کے آخری سرے پر بیٹھ گئیں۔ بخشل فوراً نیچے آگیا اور ہم دونوں پھر سے مراد کے سر پر سوار ہو گئے۔

ٹرک میں ہونے والی ہلچل نے مراد کو مضطرب کیا ہوا تھا۔ ہلکی روشنی میں اس نے ہمارے چہرے دیکھے تو اس کی آنکھوں میں حیرت سی ابھر آئی اور اس نے پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا "ٹرک بہت دیر سے رکا ہوا ہے۔ تم سفر شروع کیوں نہیں کرتے!"

"ٹرک اپنے وقت پر چلے گا۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا سوچ رہے ہو؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"ملنے جلنے سے معذور' ایک بے بس قیدی ہوں۔ میں اپنے مستقبل کے سوا کیا سوچ سکتا ہوں؟"

"تم آج پکڑے جانے والے آدمی کے ساتھ اپنے تبادلے کی بات کر رہے تھے۔ وہ کب تک حیدر آباد آسکتا ہے؟"

"وہ کرشن کمار کے قبضے میں ہے۔ اس کا حیدر آباد آنا مشکل ہے۔ تمہیں میرپور خاص جانا ہوگا۔"

اول خان نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا مگر منہ سے کچھ نہ بولا۔ میں بدستور مراد سے بات کرتا رہا "قیدی میرپور خاص میں نہیں ہے تو ہم وہاں جا کر کیا کریں گے؟"

"مجھے اب پھر حسن سے بات کرنی پڑے گی۔ کرشن کمار کے پیچھے آدمی دوڑانا پڑے گا۔ وہ بڑا آدمی ضرور ہے مگر میری عزت کرتا ہے۔ جب اسے معلوم ہوگا کہ قیدی کے بدلے میری جان بچ سکتی ہے تو وہ اسے میرپور خاص لے آئے گا۔"

"اور اگر ایسا نہ ہوا تو...." میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ میرا مان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کرشن کمار میرا مان نہیں توڑے گا۔ اسے شہروں میں بھاگ دوڑ کرنے والے ایک پڑھے لکھے آدمی کی ضرورت ہے۔ وہ میری بات نہیں ٹالے گا۔"

"تم نے ہمارے ساتھ کوئی دھوکا کیا تو تمہارا حشر بہت خراب ہوگا۔" اول خان خاموش نہ رہ سکا۔

"تم فوجی ہو۔ یہ بات میں بھی جانتا ہوں کہ تمہیں دھوکا دے کر میں کہیں نہیں بچ سکوں گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ کرشن کمار میرا مان نہ رکھے' آنے سے انکار کردے۔ تم لوٹ آنا۔ میں بھی خود کو اپنے نصیب کے حوالے کردوں گا۔"

اول خان نے پہلو بدل کر بے چینی سے میری طرف دیکھا۔ میرے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ بادی النظر میں مراد ظریف کی تجویز بہت سیدھی اور قابلِ عمل نظر آرہی تھی۔ اس میں اس کے من میں چھپے ہوئے اس کھوٹ کا نام و نشان تک نہیں تھا جو میری آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔ میرے لیے وہ ایک مشکل صورتِ حال تھی۔ سلطان شاہ سے ویرا اور غزالہ کی گہری جذباتی وابستگی کی وجہ سے میں اس نازک موڑ پر اپنا فیصلہ مسلط نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں نے موبائل فون نکال کر ری ڈائل بٹن دبایا اور ایک مرتبہ پھر فون مراد کو دے دیا۔ اس بار اس کی گفتگو کا مکمل مفہوم سمجھنے کے لیے میں نے بخشل کو بلانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

میرا اندازہ تھا کہ ایک مرتبہ پھر وہی چکر چلے گا۔ مراد' مولا داد کو پیغام دے گا۔ وہ حسن کو بلانے جائے گا تب کہیں مراد اور حسن کی بات ہو سکے گی مگر مراد کے ابتدائی جملوں سے واضح ہو گیا کہ حسن اپنے ٹھکانے پر لوٹنے کے بجائے اس وقت تک مولا داد کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

مراد نے اسے اپنے تبادلے کی خوش خبری سنا کر تاکید کی کہ وہ اسی وقت میرپور خاص سے نیا چھور تک سارے ٹھکانوں پر کرشن کمار کو تلاش کرے اور اسے سب کچھ بتا کر قیدی کے ساتھ میرپور خاص لے آئے۔

"اب ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ کرشن کمار میرپور خاص پہنچ گیا ہے؟" اول خان نے خالی الذہنی کے عالم میں پوچھا۔ وہ بھول گیا تھا کہ ہمیں حیدر آباد میں رک کر اس امر کی تصدیق کرنے کے بجائے میرپور خاص کے لیے روانہ ہونا تھا۔ وہاں پہنچ کر ہی معلوم ہوتا کہ کرشن کمار کون ہے اور کس حد تک مراد کی توقعات پر پورا اترتا ہے۔

"یہاں رک کر انتظار کرو تو تین چار گھنٹوں تک پتا چل جائے گا۔" مراد نے اپنی پچھلی بات دہرانے کے بجائے تحمل سے جواب دیا "وقت بچانے کے لیے بہتر ہوگا کہ ہم میرپور خاص چل دیں۔ تمہیں وہاں زیادہ نہیں رکنا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے!" اول خان نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور ہم چاروں ٹرک سے نیچے اتر آئے۔

ویرا اور غزالہ اس گفتگو سے بہت خوش تھیں' اول خان مضطرب تھا اور میں دل ہی دل میں صرف بہتری کی دعا کر رہا تھا۔

ایس ٹی ایف والوں کے لیے یہ خبر خاصی سنسنی خیز ثابت ہوئی کہ سفر کی منزل بدل گئی تھی اور قافلے کو کراچی کے بجائے میرپور خاص کی طرف جانا تھا۔

ایک فیصلہ ہونے کے بعد سب چند منٹ میں اپنی اپنی جگہوں پر پہنچ گئے۔ رات کے سناٹے میں جیپ اور ٹرک کے انجنوں کی تیز غراہٹیں گونجیں اور ہیڈ لیمپس کی روشنی میں نئے سفر کا آغاز ہو گیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

کی بہبودیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیے کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے ساتھ ہم پاکستان واپس پہنچے' یہاں مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل کے وہ ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کنٹرول رابرٹوالی کا نام سامنے آیا' اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے پھٹی مچھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے اسے واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری مخبری کے نتیجے میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی تو تفصیلاً کی ملازم اور ایرانی ڈی ہنٹ تھا میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈیوی کو تلاش کر کے اس کے حوالے کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے معشکل ثابت ہو رہا تھا' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس بھی حاصل کر لیے۔ اس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے اوپی سے رابطہ کیا مگر وہ مختاط ہو چکا تھا' اس نے مجھے ایڈیٹر تو تفصیلت کے میجر بخشی کے سپرد کر دیا۔ جس نے مجھے دشمن راج سے بھی متعارف کرا دیا۔ میجر بخشی کرنل جمال دستی کا فوجی ماضی جاننا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تاہم بعد میں اسے کرنل جمال دستی کی حیثیت پر تعین آگیا۔ اوپی ہنٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دبئی فرار ہو گیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی اسکیم کو ششوں کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر اوپی ہنٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ڈیوی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے رابطہ کیا گیا مگر وہ محتاط ہو چکا تھا' اس نے مجھے ایڈیٹر تو تفصیلت کے میجر بخشی کے ذریعے کیا کہ ڈیوی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکش بمبار چلا رہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظور نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک و شبے سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آپریشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نایا ناٹی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچا دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آپریشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ یوب راہیل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آرہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جارہی تھی ہم اسے یوب راہیل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر یوب راہیل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہِ فرار اختیار کی مگر وہ رائے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محبِ وطن نیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی قابو میں کرلیا۔ ہوٹل میں یوب راہیل نے سفارتی حیثیت کا حوالہ دے کر جان چھڑانا چاہی مگر ناکام ہوا۔ ہم نے آئی بی والوں سے رابطہ کیا' اسلام آباد میں ان کی کارروائیوں کے باعث امریکیوں کو اس معاملے میں خفت سے دوچار ہونا پڑا اور یوب راہیل صدر امریکا کے ایک حکم کے تحت اپنے عہدے سے برطرف ہو کر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرم الٰہی سے پوچھ گچھ کے دوران میں اس نے بتایا کہ وہ بظاہر انداد ابیرو ئن کے لیے قائم کی گئی امریکی ایجنسی فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کی خفیہ سرگرمیوں کے حوالے سے بلیک میل کر کے خطیر رقوم حاصل کرتا رہا ہے۔ اس نے فورڈ فاؤنڈیشن کی غیر قانونی سرگرمیوں کی فائل مرتب کی تھی جسے مقبول چوہدری نے اس سے حاصل کر کے اپنی منظور نظر طوائف کے گھر میں رکھوا دیا تھا۔ ہم نے وہ فائل بہ آسانی حاصل کر لی۔ جس کے بعد مقبول چوہدری اور اکرم الٰہی سے چھٹکارا کر لیا گیا اور وہ اپنے انجام کو پہنچے۔ اکرام الٰہی کی مرتب کردہ فائل سے مراد ظریف کا نام ہمارے سامنے آیا۔ وہ اندرون سندھ ایک این جی او چلا رہا تھا اور غیر معمولی ترقی کر رہا تھا۔ میں نے مقبول چوہدری کے حوالے سے اسے ماسٹر کوڈ سینئر بلایا مگر وہ کوڈ کے بجائے نام سے پکارے جانے کے سبب بدک گیا اور اس نے ماسٹر کوڈ سینئر چڑھائی کر دی۔ ایس ٹی ایف کے ایک جوان کو زخمی کر کے اور اپنا ایک آدمی گنوانے کے بعد ہمیں پسپائی اختیار کرنی پڑی۔ میں نے اس سے مقبول چوہدری بن کر بات کی اور وہ جان رہ گیا مگر اس نے بتایا کہ غیر معمولی حالات کے باعث وہ ماسٹر کوڈ تو تفصیلت کے جان' اعتماد سے رابطہ قائم کر چکا ہے اور اس کی ہدایت کے بہ موجب مجھ سے ملنے نہیں آسکتا۔ جلال نے اسلام آباد سے بتایا کہ مراد ظریف ان کے بھی ہاتھ آتے آتے پھسل گیا تھا۔ سلطان شاہ اور غزالہ نے بظاہر اسی طور پر حیدر آباد جانے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ مراد ظریف کو تلاش کر سکیں۔ مراد ظریف بہت تیز جا رہا تھا' اس نے مکمو ستی اداروں کے لیے کام کرنے والے خبر کو سرعام گولی مار کر ہلاک کر دیا اور سلطان شاہ پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا۔ ہم نے اکرام الٰہی کی فائل میں سے ایک شخص چنن نلی کا سراغ نکالا' اس نے بانڑیں کے دوران میں مراد ظریف کے حیدر آباد میں ٹھکانے کی نشاندہی کر دی۔ ایس ٹی ایف اور ہماری مشترکہ کارروائی کے بعد مراد ظریف ہمارے پاس تھا مگر وہ سلطان شاہ کو میرپور خاص بھجوا کر خود اپنی گلوخلاصی کی قیمت پر سلطان شاہ کو واپس کرنا چاہتا تھا۔ ہم نے اس کے ساتھ میرپور خاص جانے کا فیصلہ کیا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

سفر کی ابتدا خاموشی سے ہوئی پھر اس سکوت کو اول خان کی آواز نے توڑا۔

"اس سے ہونے والی آخری گفتگو کے بعد تمہاری کیا رائے ہے...؟ پہلے فیصلے پر قائم ہو یا اس میں کوئی تبدیلی آئی ہے؟" اس کی آواز گمبھیر اور پُرتشویش تھی۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہمارے تشدد کے نتیجے میں وہ خاصی جسمانی توڑ پھوڑ کا شکار ہوا ہے مگر اس کا ذہن اب بھی کام کر رہا ہے۔" میں نے سگریٹ سلگانے کے بعد جواب دیا۔ "ہمیں بہترین توقعات کے ساتھ بدترین حالات کا سامنا کرنے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔ حیدر آباد سے میرپور خاص کے درمیان سفر کے دوران میں بھی وہ کچھ نہ کچھ سوچتا رہے گا..."

"بدترین حالات کا حوالہ دے کر تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" ویرا نے میری بات کاٹ کر پوچھا۔

"ضروری نہیں کہ میرپور خاص میں ہمیں دوستانہ ماحول ملے۔ وہاں کوئی نیا فساد کھڑا ہو سکتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ سلطان شاہ کی سلامتی بلکہ زندگی کے لیے بھی خطرات پیدا ہو سکتے ہیں؟"

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر کہا "مراد کے آدمی سلطان شاہ کو بلاوجہ اپنے ساتھ لیے نہیں پھر رہے۔ وہ اسے مارنا چاہتے تو جی آر کی طرح حیدر آباد میں ہی ٹھکانے لگا سکتے تھے۔ ان کی سفاکی اور سرد مہری کا ایک ثبوت ہمارے سامنے

Downloaded from https://paksociety.com

آچکا ہے..."

"میں تم سے متفق ہوں" اول خان نے رائے دی "انہوں نے کسی مقصد کے لیے اسے زندہ رکھا ہوا ہے۔ سلطان شاہ بہت مضبوط آدمی ہے۔ ابھی تک اس نے تشدد سہ کر اپنی زبان بند رکھی ہوئی ہے۔ اسی لیے زندہ ہے۔ وہ لوگ جاننا چاہ رہے ہوں گے کہ اسے صحرا کے لاوارث دفتر سے کیا دلچسپی تھی اور اب تو مراد نے خود ہی اپنے آدمیوں کو یہ پیغام پہنچادیا ہے کہ وہ خود مصیبت میں گھرا ہوا ہے اور اسے سلطان شاہ کے بدلے ہی آزادی مل سکتی ہے۔"

"اسے ان لوگوں کے قبضے میں گئے ہوئے کافی وقت گزر چکا ہے۔" غزالہ کی آواز سے پریشانی مترشح تھی۔ "انہوں نے اب تک اس کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہوگا۔"

"ایسے کاموں میں یہ سب ہوتا رہتا ہے" ویرا کی آواز ابھری "لڑائی میں آدمی پر برا وقت آتا ہے تو چھٹی کا دودھ تک یاد آنے لگتا ہے۔ یہی دیکھ لو کہ ذرا سی دیر میں ہم نے مراد ظریف کو کس حال میں پہنچادیا ہے۔ غنیمت یہ ہے کہ سلطان شاہ ابھی تک زندہ ہے اور مراد ظریف کا پیغام پہنچنے کے بعد اس کی زندگی کو لاحق مزید خطرات ٹل گئے ہیں۔"

"اس نے بتایا ہے کہ سلطان شاہ میرپور خاص میں نہیں ہے۔ کرشن کمار اسے کہیں آگے لے گیا ہے۔" غزالہ کے ذہن میں وسوسے مسلسل سر ابھار رہے تھے "ہمارے پہنچنے تک بھی کرشن کمار نہ مل سکا یا واپس نہ آیا تو کیا ہوگا۔"

"یہ سوال قبل از وقت ہے۔ میرپور خاص پہنچنے کے بعد ہی اس کا کوئی جواب تلاش کیا جاسکے گا۔"

جیپ میں ایک مرتبہ پھر خاموشی چھاگئی۔ رات کے سناٹے میں بس انجنوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

اس وقت تک جو شواہد ہمارے سامنے آئے تھے ان کی روشنی میں مراد ظریف ہی سب سے اہم مجرم نظر آرہا تھا۔ اس نے اپنی صحرا نامی این جی او کی کارکردگی کے بارے میں رپورٹیں وغیرہ بھیج بھیج کر امریکا میں بیٹھے ہوئے' فورڈ فاؤنڈیشن کے اہم لوگوں کی نظروں میں اپنا ایک مقام پیدا کرلیا تھا۔ امریکیوں سے مدد اور تعاون کی حد سے بڑھی ہوئی خواہشات کی وجہ سے مراد ظریف' فاؤنڈیشن میں بیٹھے ہوئے ان ایجنٹوں کے لیے کام کا آدمی تھا جو پاکستان میں اپنی سازشوں کی آبیاری کے لیے ہر وقت وفادار مہروں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اس کی یکطرفہ خط و کتابت کا کوئی جواب نہ دے کر وہ اس کی آتش شوق کو بھڑکاتے رہے اور جب انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ پاکستان کے خصوصی حالات میں سفید فام امریکی ایجنٹ بذات خود کوئی بڑا کارنامہ انجام نہیں دے سکتے اور ایسی کوششوں میں منہ کی کھاکر جنہم واصل ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے امریکی سفارت کاروں کو بھی خفت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو انہوں نے اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کی فریڈم انٹرنیشنل کے ذریعے وہ مشن مراد ظریف کو سونپنے کا فیصلہ کرلیا۔

مراد ظریف ان کا کلیدی مہرہ تھا۔ فورڈ فاؤنڈیشن والے خود پس منظر میں رہے اور انہوں نے فریڈم انٹرنیشنل کے ذریعے مراد ظریف پر اپنی مالی نوازشات کی بارش کردی۔

اسے اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری مالی وسائل مہیا کررہے تھے' فکری مواد کی فراہمی کے لیے فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے عقل و فہم سے عاری ان چار پاکستانیوں کو مراد ظریف کی مدد پر مامور کردیا جو تعلیم یا ملازمت کے سلسلے میں برسوں امریکا میں رہے تھے اور شاید امریکی خفیہ اداروں نے کڑی جانچ پڑتال کے بعد ہزاروں کی بھیڑ میں سے ان کا انتخاب کیا تھا۔

توقع یہ تھی کہ چمن علی اور گوپال چند کی طرح بقیہ دونوں افراد بھی نام نہاد تعلیم یافتہ ہوں گے جو عالمی برادری' تکمیل آزادی اور بقائے باہمی کے بلند بانگ امریکی نعروں سے مرعوب ہوکر اپنی جڑوں کو فراموش کرچکے ہوں گے۔ ایسے لوگ کسی بھی بدیتی یا بے ایمانی کے بغیر' پورے خلوص سے یہ یقین رکھتے ہیں کہ اس کرۂ ارض پر نسل انسانی کی بہبود بلکہ بقا کا تمام تر دارومدار اس ایک نکتے میں پنہاں ہے کہ امریکیوں کے فلسفۂ حیات کو نہ صرف اپنایا جائے بلکہ اس کے فروغ کے لیے بھی کام کیا جائے۔

اس دو طرفہ اعانت کے بعد مراد ظریف اس قابل تھا کہ اکرم الٰہی کے ذریعے ملنے والے مشن کو پورے زور و شور سے آگے بڑھاسکے۔ اس کے عزائم کی جھلک تضادات میں ملتی تھی۔ ایک طرف وہ چمن علی جیسے روشن خیال اور آسودہ حال شہری کی تحریروں سے فیض اٹھارہا تھا اور کم وبیش اسی قابلیت والے گوپال چند کے مکان میں عیش کررہا تھا تو دوسری طرف دھنی رام جیسا مسلّمہ دہشت گرد اس کے آدمیوں میں شامل تھا۔

مائیکرو سینٹر کے باہر ہونے والے تصادم میں جب دھنی رام' اول خان کی رائفل سے نکلی ہوئی گولیوں کا نشانہ بنا تو مجھے قلق ہوا تھا کہ ایک جیتا جاگتا انسان یوں بے دردی سے

Downloaded from https://paksociety.com

مارا گیا مگر جب حامد نے مرنے والے کے بارے میں کھوج نکالا تو پتا چلا کہ دھنی رام اس سے بھی زیادہ عبرت ناک موت کا مستحق تھا۔

چمن علی اور گوپال چند کے برعکس وہ ایک پیشہ ور قاتل اور ڈکیت تھا جو نواب شاہ کے ایک وڈیرے کی حویلی میں ڈکیتی اور سات افراد کے قتل کی لرزہ خیز وارداتوں میں پولیس کو مطلوب تھا اور اس کی گرفتاری پر پانچ لاکھ روپے کا انعام مقرر کیا ہوا تھا۔ وہ اور اس جیسے نہ جانے کتنے مجرم مراد ظریف کے لیے کام کررہے تھے۔

مراد ظریف خود بھی مجھے ذہین نظر آیا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو آسانی سے دوسروں کی بالادستی قبول کرلیتے ہیں۔ وہ اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری سے ضرور مرعوب تھا کیونکہ بظاہر وہی دونوں اس کے اَن داتا تھے۔ ان کی توجہ سے مراد کے دن پھرے تھے لیکن وہ کسی اور کو خاطر میں لانے والا نہیں تھا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ میرپور خاص میں بھی صحرا کے کارکنوں اور ان کی کارروائیوں پر مراد کا مکمل کنٹرول تھا۔ اول تو کرشن کمار کا وجود ہی مشتبہ تھا اور اگر وہ واقعی کوئی شورہ پشت تھا تو مراد کا تنخواہ دار، وفادار اور ماتحت تھا جو اس کے حکم کے بغیر سلطان شاہ کو میرپور خاص سے نکال کر کہیں نہیں لے جاسکتا تھا۔

وہ مراد ظریف کی مکمل ہسٹری شیٹ تھی جو دورانِ سفر کسی فلم کی طرح میرے ذہن کے پردے پر چلتی رہی اور میں سگریٹ کے کش لگاتا، خاموشی سے اس کے ایک ایک حصے پر غور کرتا رہا۔

ابتدائی طور پر میں نے ویرا اور غزالہ کا دل رکھنے کے لیے میرپور خاص جانے پر آمادگی ظاہر کی تھی۔ میرا پہلا نظریہ یہ تھا کہ مراد ظریف ہم لوگوں کو ہر قیمت پر اپنے مضبوط گڑھ میں لے جانا چاہتا ہے تاکہ وہاں اپنے آدمیوں کی طاقت کے بل پر ہمارے چنگل سے نکلنے کی کوشش کرسکے لیکن اس کی ہسٹری شیٹ پر غور کرنے کے بعد میں نے اپنی رائے تبدیل کرلی تھی۔

کراچی سے نکلتے ہوئے ہم میں سے کسی نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ہمیں سلطان شاہ کی بازیابی کے لیے حیدر آباد سے بھی آگے کا سفر اختیار کرنا ہوگا مگر پھر بھی اول خان نے احتیاطاً اپنے ساتھ دس افراد کی مسلح اور تربیت یافتہ نفری لے لی تھی جو مجرموں سے کسی بڑے سے بڑے مقابلے کے لیے بھی کافی تھی۔

میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ مراد نے میرپور خاص پہنچنے کے بعد کوئی گندی چال چلنے کی کوشش کی تو کسی کمک کے بغیر ایس ٹی ایف کی نفری کو استعمال کرکے صحرا کے دفتر کو تاخت و تاراج کردیا جائے گا۔

میں اپنی سوچوں میں گم تھا۔ میرے ہم سفر بھی اپنے اپنے خیالوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ سفر بہت طویل نہیں تھا مگر میرا خیال تھا کہ سڑک کی خستہ حالی کی وجہ سے ہماری رفتار خاصی سست تھی۔

اتنی رات گئے اس سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ سڑک کے اطراف میں کہیں کہیں دھندلائی ہوئی روشنیوں کے جھنڈ چھوٹی چھوٹی آبادیوں کی موجودگی کا اعلان کررہے تھے۔ روشنی کی سہولت سے محروم نہ جانے کتنے ہی تیرہ و تار گاؤں رات کے گہرے اندھیرے میں یوں چھپ کر رہ گئے تھے کہ ہمیں ان کے وجود کا احساس تک نہ ہوسکا۔

حیدر آباد سے تقریباً ایک گھنٹے یا اس سے کچھ کم مسافت پر پہلی بڑی آبادی کے روشن مگر خوابیدہ آثار نظر آئے۔ میں نے ان اطراف میں سفر نہیں کیا تھا۔ اول خان نے بتایا کہ وہ ٹنڈو الہ یار کی آبادی تھی۔ وہاں رہنے والے اسے چھوٹے سے شہر کا درجہ دیتے ہیں۔ مگر درحقیقت وہ کسی شہر سے بہت چھوٹا اور گاؤں سے بڑا علاقہ ہے جہاں روزگار کے بیشتر ذرائع زراعت اور گلہ بانی سے وابستہ ہیں۔ چونکہ وہاں خاصی آبادی ہے اس لیے آبادی کی ضروریات پورا کرنے والے دوسرے کاروبار بھی دیہی انداز میں چلائے جاتے ہیں۔

"شاید ہم اپنی منزل کا آدھا سفر طے کرچکے ہیں" پچھلی نشست سے ویرا کی اکتائی ہوئی آواز آئی۔

"تمہارا اندازہ درست ہے" اول خان نے اس کی تائید کی "ہم خاصی رات گئے وہاں پہنچیں گے۔"

"رات تو گزر ہی گئی۔ یہ کہو کہ صبح سویرے پہنچیں گے۔" ویرا خاموشی سے اکتائی ہوئی تھی۔

"انگریزی حساب سے تو رات کے بارہ بجے کے بعد ہی صبح ہوجاتی ہے۔" اول خان نے اس کی بات کا جواب دینا ضروری سمجھا "مشرق میں صبح کا آغاز طلوعِ آفتاب سے ہی ہوتا ہے۔"

"مغرب میں بھی یہ تصور صرف وقت کی پیمائش تک محدود ہے۔ عملاً وہاں بھی دن، سورج نظر آنے کے بعد شروع ہوتا ہے" ویرا نے وضاحت کی "رات کے دو بجے ہر معقول شخص گہری نیند سوتا ہوا ملے گا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"پتا نہیں سلطان شاہ کس حال میں ہوگا؟" غزالہ ئی "مجھے اس کی فکر کھائے جارہی ہے۔"

"میرا دل کہہ رہا ہے کہ میرپور خاص میں سلطان شاہ یا نہ ملے، اس کا سراغ ضرور مل جائے گا۔"

"یہ کیسے کلمات منہ سے نکال رہی ہو" غزالہ نے ویرا رائے زنی پر احتجاج کیا "اس کے لیے اور کچھ نہیں کتیں تو کم از کم توقعات تو اچھی رکھو۔"

"میں اس بے چارے کے لیے تم سے زیادہ فکر مند ہوں ن ہم حقائق سے منہ نہیں موڑ سکتے۔ شترمرغ کی طرح ت میں گردن دے کر طوفان کو نہیں ٹالا جاسکتا۔"

"تو کیا تمہیں مراد کی کہانی پر پورا یقین ہے؟" غزالہ کی فسردہ آواز سے صدمہ جھلک رہا تھا۔

"اس پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ وہ بہت ی طرح ہمارے چنگل میں پھنسا ہوا ہے اور جانتا ہے کہ ہم ہ رکھ کر اس کا جوڑ جوڑ کھول سکتے ہیں۔ ڈینی بلاوجہ اس کی ف سے بدگمان ہے۔"

"تم میری بات لکھ لو کہ وہ جھوٹ بولتا ہے۔ کرشن کمار روپ میں اس نے اپنے بچاؤ کے لیے قربانی کا ایک بکرا ر کیا ہے۔ وہ سمجھ رہا ہے کہ اس طرح وہ اپنی گردن بچانے ں کامیاب ہوجائے گا۔"

"یہ تم کوئی نئی بات کہہ رہے ہو" اول خان نے چونک کر ۔

"وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی باتوں کی گتھیاں جھتی جارہی ہیں....

"میں وہی جاننا چاہتا ہوں کہ اب تم کیا سوچ رہے ہو؟" ل خان نے میری بات کاٹ دی۔

"اس نے ہمیں یہ تاثر دیا ہے کہ کرشن کمار اس کا آدمی یں ہے بلکہ اپنی مرضی سے کام کرتا ہے۔ دوسری طرف یہ لت ذہن میں رکھو کہ وہ ہمیں فوجی سمجھ رہا ہے۔ بات خود ل جاتی ہے۔"

"تمہارے لیے کھل گئی ہوگی، میری سمجھ میں خاک بھی یں آیا۔" ویرا بولی۔

"اس نے خود اعتراف کیا تھا کہ نیا چھور میں کرشن کمار غیوں کی تربیت کے لیے نیم جنگی کیمپ چلا رہا ہے۔ اگر ہم جی ہیں تو معاملہ سلطان شاہ کی بازیابی پر ختم نہیں ہوگا۔ بات ا چھور تک جائے گی۔ مراد سارا بوجھ بار کرشن کمار کے لندھوں پر ڈال کر ابھی سے خود کو الگ تھلگ رکھنے کا ارادہ کرچکا ہے۔"

"یہ بات سمجھ میں آتی ہے" اول خان کی پُرخیال آواز ابھری۔

"پہلے کے مقابلے میں اب تمہاری بات قرین قیاس نظر آرہی ہے" ویرا نے کہا "وہ واقعی بہت مکار ہے۔ اپنے لیے ہر راستہ کھلا رکھنا چاہ رہا ہے۔ کرشن کمار کو پھنسوا کر خود بچ گیا تو مزے میں رہے گا۔ یہ داؤ کار آمد ثابت نہ ہوا تو سرحد پار بھاگ جائے گا۔ بس اسے ایک موقع ملنے کی دیر ہے۔"

"ہماری مجبوری یہ ہے کہ سلطان شاہ کی آزادی تک ہم اس کی کسی بات کو چیلنج نہیں کرسکتے۔ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے، مانتے چلے آرہے ہیں۔ ہمارے پاس اس کی باتوں کی تصدیق کا کوئی متبادل ذریعہ نہیں ہے۔"

"میں اس بارے میں سوچ چکا ہوں۔ میرپور خاص کی حدود میں داخل ہونے سے پہلے ہم کچھ نہ کچھ معلوم کرچکے ہوں گے۔ مراد کو آزادی سے اپنا کھیل کھیلنے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔"

"اپنے اس فیصلے میں تم ہم میں سے کسی کو شریک نہیں کرو گے؟" اول خان نے پوچھا۔

"ہم سب ہی اس میں شریک ہوں گے۔ اہم ترین کردار بخشل ادا کرے گا۔"

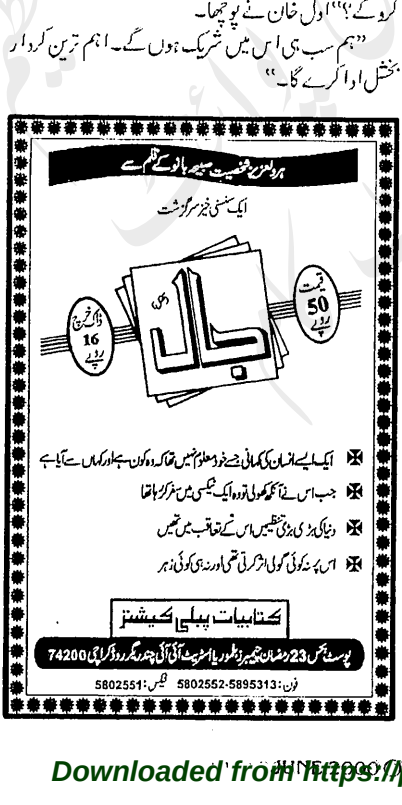
ہر لمحہ مختلف سسپنس بھرے ناول کے طلسم سے
ایک سنسنی خیز سرگزشت
جال
قیمت 50 روپے
ڈاک خرچ 16 روپے
ایک ایسے انسان کی کہانی جسے خود معلوم نہیں تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے
جب اس نے آنکھ کھولی تو وہ ایک ٹیکسی میں سفر کررہا تھا
دنیا کی بڑی بڑی تنظیمیں اس کے تعاقب میں تھیں
اس پر نہ کوئی گولی اثر کرتی تھی اور نہ ہی کوئی زہر
کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس 23 رضوان چیمبرز لوئر ریاست آئی آئی چندریگر روڈ کراچی 74200
فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

Downloaded from https://paksociety.com

"اوہ!" اول خان چونک پڑا "کیا اس لیے کہ وہ سندھی ہے؟"

"ہماری ساری نفری سادہ لباس میں ہے۔ تمہارے آدمی ہتھیار الگ رکھ دیں تو کوئی ان پر کسی قسم کا شبہ نہیں کرسکتا۔ بخشل پیدائشی سندھی ہے۔ مقامی زبان اور رسوم ورواج سے مکمل واقفیت رکھتا ہے۔ ہم براہِ راست شہر میں داخل نہیں ہوں گے۔ باہر پڑاؤ کریں گے۔ بخشل ایک آدمی کو ساتھ لے کر شہر میں جائے گا۔ ہم مراد سے صحرا کے دفتر اور اس کے آدمیوں کے پتے حاصل کریں گے۔ بخشل آسانی سے سراغ لگالے گا کہ کرشن کمار اور سلطان شاہ کے بارے میں مراد کی بنائی ہوئی کہانی میں کتنی صداقت ہے۔ اس کی حاصل کی ہوئی معلومات کی روشنی میں ہم پیش قدمی کریں گے۔"

"تم سارے راستے خاموش بیٹھے ہوئے تھے" ویرا کی طنز بھری آواز گونجی "مجھے اندازہ تھا کہ تمہاری کھوپڑی میں ضرور کوئی نہ کوئی کھچڑی پک رہی ہوگی اور آخر میں تم کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلاؤ گے۔"

اول خان بے ساختہ ہنسی کے دوران میں بولا "خود غرور خوش سے گھبراتی ہو۔ ڈینی سب کی بھلائی کے لیے یہ نیک کام کرتا ہے۔ تو تم بلاوجہ اس پر غرانے لگتی ہو یا آنکھیں دکھانے لگتی ہو۔"

"مجھے اس کے سوچنے پر نہیں، گھنّے پن پر غصہ آتا ہے۔ کسی کو اعتماد میں لیے بغیر بس خاموشی سے سوچنا شروع کردیتا ہے۔"

اداس اور بوجھل ماحول کے باوجود اول خان اپنا قہقہہ نہ روک سکا۔ ویرا کی بات ادھوری رہ گئی۔ وہ کہہ رہا تھا "یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ بلند آواز میں بھی سوچا جاتا ہے۔"

"میری بات مت پکڑو" مضحکہ اڑائے جانے پر ویرا چڑ گئی "ڈینی کے دماغ میں کوئی نکتہ آتا ہے تو یہ خاموشی سے اسے اپنے ہی ذہن میں گھمانا اور نتیجے اخذ کرنا شروع کردیتا ہے۔ معقول راستہ اختیار نہیں کرتا۔"

"معقول راستہ تم کسے کہتی ہو؟" غزالہ بھی اس بحث میں شامل ہوگئی۔

"آدمی کے ذہن میں کوئی نئی بات آتی ہے تو وہ دوسروں سے اس کا ذکر کرتا ہے، خیالات کا تبادلہ ہوتا ہے اور آخرکار سب ایک نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں۔ کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔"

"اکثر یہی ہوتا ہے" میں نے اصرار کیا "کبھی کبھی بعض باتیں اچانک سوجھتی ہیں۔ ان پر تبادلۂ خیال کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ مجھے ایک دم ہی خیال آیا کہ بخشل کے لیے یہ علاقہ اجنبی نہیں ہے، وہ ہمارے کام آسکتا ہے۔"

"بخشل کی ریکی کارآمد ثابت ہوگی۔" اول خان نے سنجیدگی سے کہا "بخشل ذہین اور محنتی آدمی ہے۔ وہ کسی کو شبہ کا موقع دیے بغیر بہت کچھ معلوم کرلے گا۔ اس طرح ہمیں مراد کے سچ اور جھوٹ کا بھی پتا چل جائے گا۔"

میں نے لمحہ بھر توقف کیا پھر بطورِ خاص ویرا سے مخاطب ہوکر کہا "ذہن پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ اب میرے ذہن میں ایک نیا خطرہ سر ابھار رہا ہے۔ مراد اپنے آدمیوں کو میرپور خاص پہنچنے کی اطلاع دے چکا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ ہتھیاروں سے لیس ہوکر حیدر آباد سے میرپور خاص میں داخلے کے راستے کی نگرانی کررہے ہوں۔"

"اس اندیشے میں جان ہے" ویرا نے اضطراری لہجے میں میری بات کاٹ دی "اندھیرے میں سڑک کے دونوں اطراف میں چھپے ہوئے لوگوں نے ہم پر اچانک فائر کھول دیا تو ہم مشکل میں پڑجائیں گے۔"

"ضروری نہیں کہ ایسا ہی ہو۔ ڈینی نے صرف ایک خدشہ ظاہر کیا ہے" اول خان بولا۔

"میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ ڈینی کی زبان کالی ہے۔ یہ جو کچھ کہہ دیتا ہے وہ ہوکر رہتا ہے" ویرا نے تیزی سے کہا۔ "کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہمارے دشمن ڈینی سے مشورہ کرکے اپنی منصوبہ بندی کرتے ہوں۔"

"کبھی کبھی تم ڈینی کی طرف سے بہت بدگمان ہوجاتی ہو" اول خان ہنس کر رہ گیا۔

"آپ ایک شوشا چھوڑ کر خاموش کیوں ہوگئے؟" غزالہ نے اضطراب کے ساتھ مجھے ٹوکا۔

"معقول راستہ اختیار کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔ دیکھو، ویرا کیا کہتی ہے۔"

"میں تم سے سو فیصد متفق ہوں۔ ہم بے خبری میں مارے جاسکتے ہیں" ویرا بولی۔

"اب تم بے خبری کا عذر پیش نہیں کرسکتیں۔ میں نے اپنا اندیشہ ظاہر کردیا ہے۔"

"اس کے آدمی نگرانی ضرور کرسکتے ہیں مگر ہم سے اندھا دھند تصادم کا خطرہ مول نہیں لیں گے" اول خان نے پُرخیال لہجے میں کہا "ہماری طرف سے کسی انتہائی جوابی کارروائی کا خوف انہیں ایسے اقدام سے روکے رکھے گا۔"

"مایوس دشمن سب کچھ کرگزرتا ہے۔ میں خوں ریزی

Downloaded from https://paksociety.com

کی بُو سونگھ رہی ہوں۔"

"اپنی ناک کا علاج کراؤ" میں نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"تمہاری منتقل پر ضرورت سے زیادہ بال اُگے ہوئے ہیں اس لیے تم عجلت سے فیصلے کر گزرتی ہو۔ اول خان صحیح سمت میں سوچ رہا ہے۔"

"تم کون سی انتہائی کارروائی کر سکتے ہو؟ ان کی گولیوں کا جواب گولیوں سے ہی دو گے نا! بمباری تو نہیں کر سکتے؟"

"وقت گزارنے کے لیے باتوں میں مصروف رہنا بہترین شغل تھا اور ویسے بھی اس وقت ویرا کو سانگا نے میں لطف آ رہا تھا۔ میں نے کہا "تمہیں علم ہونا چاہیے کہ اول خان پوری تیاری کے ساتھ اسٹیشن فور سے نکلا ہے۔ ٹرک کے پچھلے حصے میں دستی بموں سے بھرا ہوا کریٹ موجود ہے۔ ہم ضرورت پڑنے پر ان کے استعمال سے بھی گریز نہیں کریں گے۔"

"جب تم اس حد تک جانے پر تلے ہوئے ہو تو پھر کچھ سوچنا سمجھنا بے سود ہے۔ وہ ذرا سی دیر بھی تمہارا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ حریف کو واضح برتری حاصل ہو تو بڑے بڑے سورماؤں کے پیر اکھڑ جاتے ہیں۔"

"تم اکتا کر فرار کی راہ اختیار کر رہی ہو۔ مسائل اتنی آسانی سے حل نہیں ہوا کرتے۔"

اول خان کو ویرا کی بے چارگی پر رحم آ گیا اور اس نے کہا "میں شرط لگا سکتا ہوں کہ وہ ہمارا راستہ کاٹنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ انہیں معلوم ہے کہ مراد ہماری قید میں ہے۔ ان کی طرف سے ذرا بھی گڑبڑ ہوئی تو ہم اسے مار دیں گے۔"

"ان کے پاس سلطان شاہ ہے۔ جواب میں وہ اسے مار دیں گے۔" ویرا بولی۔

"وہ اسے مار سکتے ہیں لیکن اس کے بدلے میں مراد کو زندہ نہیں کر سکتے۔ یہ خوف انہیں خاموش رکھے گا۔"

"تم اتنے پر یقین ہو تو تم نے تصادم کا سوال ہی کیوں اٹھایا تھا؟" ویرا نے چڑ کر پوچھا۔

"اس وقت وہ ایک اہم ترین سوال بلکہ جیتا جاگتا خطرہ تھا۔ باہمی مشاورت نے یہ ثابت کیا ہے کہ میں غیر حقیقی خطوط پر سوچ رہا تھا۔ زمینی حقائق اس کے برعکس ہیں۔"

"سایوں سے لڑنا تمہارا شوق ہے۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ ان فضولیات میں سر کھپاتی رہوں۔"

"ہم سب یوں مطمئن نظر آ رہے ہیں جیسے سلطان شاہ کو گھر پر سوتا ہوا چھوڑ کر آئے ہوں" غزالہ نے اس کی بات کاٹ کر تفکر آمیز آواز میں کہا "پتا نہیں وہ کیسی اذیت سے گزر رہا ہو گا۔"

"ہم نے یہ سفر اسی کے لیے اختیار کیا ہے" اول خان نے نرمی سے اسے دلاسا دیا "سڑک خراب ہے۔ زیادہ تیز رفتاری کے جوہر دکھائے تو جیپ الٹ بھی سکتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد سب کچھ سامنے آنا شروع ہو جائے گا۔"

"اس کے لیے سب سے زیادہ فکر مجھ کو ہے" ویرا اپنی کلامی کے انداز میں بولی "کاش! میں نے حیدر آباد روانہ ہونے پہلے اسے کچھ دعائیں دی ہوتیں..... مجھے کیا معلوم تھا کہ مذاق میں کہے ہوئے الفاظ بددعا بن کر واقعی اسے مصیبت میں پھنسا دیں گے۔ میں نے اس کے ساتھ بدشگونی کی تھی اور اب میں اس پر شرمندہ ہوں۔"

"اس کے پیچھے یہ سب کہہ رہی ہو۔ وہ آ جائے گا تو پھر اس سے لڑنے مرنے پر تیار ہو جاؤ گی۔"

"یہ میرا نہیں، اس کے مزاج کا تصور ہے۔ وہ خود مجھے چھیڑ چھاڑ پر اکساتا رہتا ہے" ویرا کی آواز بوجھل ہو گئی۔

فوری طور پر ہم میں سے کوئی کچھ نہ کہہ سکا۔ مجھے اپنے حلق میں ایک گولا سا پھنستا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

باقی راستہ وجود کو چاٹ جانے والی گمبھیر خاموشی میں طے ہو گیا اور پھر میرپور خاص کی مضافاتی روشنیاں نظر آنی شروع ہو گئیں۔ اول خان نے اشارہ دے کر جیپ سڑک سے نیچے اتاری اور انجن بند کر دیا۔

سفر کے تسلسل سے سب ہی اس بُری طرح اکتائے ہوئے تھے کہ انجن بند ہوتے ہی جیپ اور ٹرک سے اتر پڑے۔

حامد نے بتایا کہ سفر کے دوبارہ آغاز کے چند منٹ بعد ہی مراد ظریف دوبارہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ اس پر غنودگی طاری تھی وہ وقفے وقفے سے کراہ کر آنکھیں کھولتا تھا اور کچھ بڑبڑانے کے بعد دوبارہ غافل ہو جاتا تھا۔

اول خان کے ایما پر حامد اسے ایک مرتبہ پھر ہوش میں لانے کی کوششوں میں مصروف ہو گیا۔ ہم دونوں بخش اور اس کے ایک ساتھی کو نئے کام کی جزئیات سے آگاہ کرنے لگے۔

مراد خاصی دیر کے بعد ہوش میں آ کر اس قابل ہو سکا کہ اس سے کوئی بامقصد بازپرس کی جا سکے۔ اس دوران میں ہم بخش اور اس کے ساتھ جانے والے کو یہ بتا چکے تھے کہ انہیں میرپور خاص میں داخل ہو کر کیا کام سرانجام دینا ہے۔ حامد کا پیغام ملتے ہی میں اول خان کے ساتھ ٹرک میں پہنچ گیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

بے ہوشی کی وجہ سے مراد کو اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ ہم نے کتنا وقت سفر میں گزارا تھا اور اس وقت کہاں تھے۔ وہ حامد سے بھی اس بارے میں استفسار کرتا رہا لیکن کسی نے اسے ان سوالوں کے جوابات نہیں دیے۔ میرا خیال تھا کہ اس بارے میں اس کی بے خبری ہمارے مقاصد کے لیے سود مند ثابت ہو سکتی تھی۔

"انجنوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ہم نے درمیان میں پڑاؤ کیا ہے۔" میں نے اس کی تشفی کے لیے مبہم سا جواب دیا "یہ بتاؤ کہ شہر میں داخل ہونے کے بعد ہمیں کہاں جانا ہو گا۔ صحرا کا دفتر کہاں ہے؟ مولا داد، حسن اور کرشن کمار سے کہاں رابطہ ہو گا؟"

ٹرک کے پچھلے حصے میں پھیلی ہوئی دھیمی روشنی میں مراد کے مجروح اور متورم چہرے پر تشویش کے آثار نظر آئے پھر اس نے کمزور آواز میں کہا "صحرا کا دفتر شاہی بازار میں ہے۔ وہ صرف ایک دفتر ہے۔ اس وقت وہاں کوئی نہیں ملے گا۔"

"وقت ضائع مت کرو۔ ہمیں دوسرے سوالوں کے جواب چاہئیں۔" اسے خاموش پا کر میں نے ترشی سے کہا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ کرشن کمار قیدی کو لے کر میرپور خاص سے کہیں نکل گیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ میرے آدمیوں نے اسے تلاش کر لیا ہو۔ اس کے بارے میں میرپور خاص پہنچ کر ہی کچھ پتا چل سکے گا۔"

"ہم وہی جاننا چاہ رہے ہیں کہ اس کے بارے میں کہاں سے پتا چلے گا۔"

"میری ٹیلی فون ڈائری گوپال کے گھر رہ گئی۔ مجھے مولا داد سے ہی رابطہ کرنا پڑے گا۔"

وہ کول مول جواب دے کر ہمیں الجھا رہا تھا۔ مجھے اس پر سخت تاؤ آنے لگا مگر میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے تحمل سے باز پرس کا سلسلہ جاری رکھا۔ اگر وہ اس وقت بھڑک کر تعاون سے انکار کر دیتا تو ہمارا کام طول پکڑ سکتا تھا۔ ہم اسے یہ اندازہ لگانے کا موقع نہیں دینا چاہ رہے تھے کہ ہم اسے الگ تھلگ رکھ کر بالا ہی بالا کوئی قدم اٹھانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

وہ ٹرک میں ایسی زخمی حالت میں پڑا ہوا تھا کہ شہر کے راستوں کے بارے میں ہمیں کوئی مدد نہیں دے سکتا تھا۔ ہم جیپ میں رہنمائی کر رہے تھے۔ یہ بات آسانی سے اس کی سمجھ میں آئی کہ ہم اسے مولا داد کو فون کرنے کا موقع فراہم کیے بغیر براہِ راست اس ٹھکانے پر پہنچنا چاہتے ہیں جہاں بیٹھ کر مراد اپنے رابطوں کو بروئے کار لا سکے۔

حسن اس کا خاص آدمی تھا اور میرپور خاص میں مراد کے بیشتر کام وہی انجام دیتا تھا۔ مراد نے شہر کے راستوں کے حوالے سے اس مکان کا پتا بتانا شروع کر دیا جو وہاں صحرا کی سرگرمیوں کا اصل مرکز تھا۔ حسن دن رات اسی مکان میں رہتا تھا۔

○☆○

رات اندھیری تھی۔ شہر کی بیشتر سڑکیں روشنی سے محروم تھیں۔ کہیں کہیں اکّا دکّا اسٹریٹ لیمپس روشن تھے تو وولٹیج کی کمی یا پھر گرد و غبار میں اٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے یرقان زدہ نظر آ رہے تھے۔ شہر کی سڑکوں پر اور گلیوں میں آوارہ کتوں کا راج تھا جو غول در غول منڈلاتے پھر رہے تھے۔ بخش اور میر محمد کو کئی جگہ پتھراؤ کر کے یا بھاگ کر ان کتوں سے جان بچانی پڑی جو ان کی آہٹوں پر اپنی تمام مصروفیات کو فراموش کر کے ان پر لپکنے لگے تھے۔

میرپور خاص، بخش کا دیکھا بھالا شہر نہ ہوتا تو وہ ان بدحواسیوں میں راستہ بھٹک چکا ہوتا۔ میر محمد کے لیے شہر اجنبی تھا۔ اسے ایک مددگار کے طور پر شروع سے آخر تک بخش کی پیروی کرنی تھی۔ وہ دونوں آخری موڑ گھوم کر گلی میں داخل ہوئے تو بخش نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ پیلی دیواروں والا مطلوبہ مکان ان کے سامنے تھا۔

"حیرت ہے کہ سارے راستے کسی پولیس والے سے ہمارا سامنا نہیں ہوا" میر محمد نے منزل سامنے آ جانے پر بخش سے کہا۔

"وہ بھی بے چارے بندے بشر ہیں" بخش نے اپنے مخصوص لب و لہجے میں کہا "بے چارے کہیں سوئے پڑے ہوں گے۔ چھوٹے شہروں میں تو چور چکار بھی تھک ہار کے سو جاتے ہیں، پولیس والے جاگ کر کیا کریں گے۔"

"ڈیوٹی، ڈیوٹی ہوتی ہے" میر محمد نے اعتراض کیا۔ "چوری، ڈکیتی ہو یا نہ ہو، پولیس والوں کو اپنی ڈیوٹی ایمان داری سے کرنی چاہیے مجرم کبھی بھی وقت دیکھ کر یا اعلان کر کے واردات نہیں کرتے۔"

"اب یہ سب باتیں بھول جاؤ۔ تمہیں سب یاد ہے نا کہ ہم کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟"

"بالکل فکر نہ کرو" میر محمد نے بخش کو یقین دلایا "آج بہت دنوں بعد ایسا کام ملا ہے۔ صاحب لوگوں کا دل خوش ہو جائے گا..... بے چارے اپنے دن رات کے آرام کو بھول کر ہمارے ساتھ کہاں کہاں کی خاک چھانتے پھر رہے ہیں۔"

Downloaded from https://paksociety.com

بخشل کچھ نہ بولا۔ وہ خود بھی اکثر یہ سوچ سوچ کر حیران ہوتا رہتا تھا کہ اول خان اور اس کے چاروں دوست کس مٹی کے بنے ہوئے تھے کہ کام کے سامنے کسی چیز کو خاطر میں ہی نہیں لاتے تھے۔

گلی میں اندھیرا تھا۔ وہ دونوں آگے بڑھے تو اچانک ہی انہیں وہ نوجوان نظر آیا جو پیلی دیواروں والے مکان کے دروازے کے ساتھ بنے ہوئے چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا۔

"اوئے! تم دونوں یہاں کہاں گھوم رہے ہو؟" بخشل کے کچھ سوچنے سمجھنے سے پہلے اس نوجوان نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا "تمہیں پتا ہے کہ اب کیا وقت ہو رہا ہے؟"

اس دوران میں وہ دونوں پیش قدمی کر کے اتنے آگے بڑھ چکے تھے کہ انہیں نوجوان کی گود میں رکھا ہوا ریوالور صاف نظر آگیا تھا۔ وہ شخص اپنے ہتھیار کو کسی بھی لمحے استعمال کرنے کے لیے تیار تھا۔

"بابا! ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم پردیسی ہیں' حیدر آباد سے آئے ہیں" بخشل نے کسی توقف کے بغیر بولنا شروع کر دیا "ہمیں حسن سائیں سے ملنا ہے۔ شاید یہ دروازہ اسی کا ہے۔"

نوجوان ریوالور داہنے ہاتھ میں تھام کر چبوترے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی تیز اور چمکیلی نگاہیں باری باری بخشل اور میر محمد کے چہروں کا بے تابانہ طواف کر رہی تھیں۔ اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی "تم کون ہو؟"

"ہم ثریا بائی کے ڈیرے سے آئے ہیں" بخشل نے رٹا رٹایا جواب دہرایا "ہمیں سائیں گوپال چند نے بھیجا ہے۔ وہ ہمارے ڈیرے کے بہت قدردان ہیں۔ آج رات بھی ڈیرے کی دو لڑکیاں ان کے گھر گئی ہوئی تھیں۔"

"گلو! کون ہے؟ تو کس سے باتیں کر رہا ہے؟" بند دروازے کے پیچھے سے ایک سخت مردانہ آواز گونجی۔

گلو نے جواب دینے کے بجائے دروازے کے پٹ کھول دیے جو اندر سے بولٹ نہیں تھے "آجاؤ!" اس نے بخشل اور میر محمد سے کہا پھر اندر والے سے مخاطب ہو کر قدرے اونچی آواز میں بولا "حیدر آباد سے مہمان آئے ہیں۔"

بخشل اور میر محمد دھڑکتے ہوئے دلوں کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ ان کی کہانی مضبوط تھی مگر دونوں کے دلوں میں چور موجود تھا۔ ایک بار گھر میں داخل ہو جانے کے بعد ان کی پوزیشن بہت مخدوش ہو گئی تھی۔

"اندر والا چھریرے بدن کا دراز قامت شخص تھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی بڑی نوکیلی مونچھیں جھول رہی تھیں۔ انہیں بعد میں پتا چلا کہ اسی کا نام حسن تھا۔ ایک اہم کردار ان کے سامنے تھا۔ دوسرے کا پتا نہیں تھا۔

وہ قدیم وضع کا گھر تھا جس میں کئی کمرے ایک دوسرے سے ملحق تھے۔ صحن میں دو چارپائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ گھر کی بے سروسامانی چیخ چیخ کر اعلان کر رہی تھی کہ اس چار دیواری کی دیکھ بھال میں کسی عورت کا دور دور تک دخل نہیں تھا۔

رات تقریباً گزر چکی تھی یا آخری سانسوں پر تھی مگر وہاں بستر کے آثار تھے نہ دونوں مکینوں کی آنکھوں میں نیند کا خمار تھا۔ ان کی حالتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مسلسل بیداری اور اضطراب کی حالت سے دوچار تھے۔

"یہ حسن ہے" گلو نے مونچھوں والے کا تعارف کراتے ہوئے ان دونوں کو چارپائی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"وقت تنگ ہے" حسن نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر کہا "روٹی پانی کے تکلف سے پہلے یہ بتا ڈالو کہ کس کام سے آئے ہو اور تمہیں کس نے بھیجا ہے۔"

"یہ سرے گھاٹ کی کسی ڈیرے دارنی کے آدمی ہیں۔ انہیں سیٹھ گوپال چند نے بھیجا ہے" بخشل یا میر محمد سے پہلے ہی گلو نے زبان کھول کر مسئلہ حل کر دیا۔

حسن نے اسے خشمناک نظروں سے گھورا پھر تخاطب سے کہا "تو باہر ٹھہرے پر بیٹھ۔ ان سے میں خود بات کرلوں گا۔ یہ آپہنچے ہیں تو کوئی اور تجھی آنے والا ہو گا۔"

بخشل نے حسن کے مزاج کی تیزی کا اندازہ لگالیا تھا۔ گلو کے باہر جاتے ہی اس نے خود بخود بولنا شروع کر دیا "آج رات ڈیرے کی دو لڑکیاں سائیں گوپال چند کے گھر پر تھیں۔ نشے پانی کے بعد سب آرام کر رہے تھے کہ کچھ آدمی اندر گھس آئے۔ لڑکیوں کو ڈانٹا پھٹکارا' سائیں کوپال کو زخمی کیا اور سائیں مراد کو اپنے ساتھ لے گئے۔ سائیں کوپال نے لڑکیوں سے ثریا بائی کو بلوایا تھا۔ اس نے ہمیں بھیجا ہے۔ وہ لوگ کسی آدمی کی تلاش میں تھے جو شاید یہاں ہے۔"

"حیدر آباد سے تم پیدل آئے ہو" حسن نے چند ثانیوں تک ان دونوں کو گھورتے رہنے کے بعد پوچھا "اس وقت وہاں سے کون سی گاڑی یہاں آتی ہے؟"

"ہم کار سے آئے ہیں۔ ہماری گاڑی شہر کے شروع میں خراب ہو گئی۔ جب وہ کسی طرح چل کر نہ دی تو ہم اس کے دروازے لاک کر کے پیدل ہی چل پڑے۔ سائیں کوپال کی تاکید تھی کہ پیغام بہت ضروری ہے۔"

"کسی نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ وہاں آنے والے فوجی تھے؟" حسن نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"نہیں!" بخشل نے معصومیت سے نفی میں سر ہلا دیا "ثریا بائی کہہ رہی تھی کہ وہ سادہ کپڑوں والے تھے.... آج کل تو سب کچھ ہونے لگا ہے۔ پولیس والے بھی بغیر وردی پہنے ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں۔"

"تم مجھے صرف یہی بتانے کے لیے حیدر آباد سے دوڑے چلے آرہے ہو؟"

"ہاں۔ سائیں گوپال کی دونوں ٹانگوں کی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی ہیں۔ وہ اسپتال میں ہیں مگر انہیں سائیں مراد کی فکر تھی۔ اب تمہیں خبر مل گئی ہے تو تم انہیں بچانے کے لیے کچھ کرسکتے ہو۔"

"وہ فوج والے تھے" حسن کو بخشل کی کہانی پر شاید یقین آگیا اور اس نے سگریٹ سلگا کر اپنے یقین کا اظہار کر ڈالا "تمہاری مہربانی کہ تم خبر لے کر یہاں تک آئے مگر یہ باتیں مجھے پہلے ہی معلوم ہو چکی تھیں۔"

اس دوران میں بخشل نے اندازہ لگانا چاہا کہ اس وقت وہاں گلو اور حسن کے علاوہ اور کتنے افراد موجود ہیں مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ گھر میں ہر طرف گہرے سکوت کا راج تھا۔ بظاہر وہاں کسی اور کی موجودگی کے آثار نہیں تھے۔

"وہ قیدی کون ہے جس کے لیے یہ سب بکھیڑا پھیلا ہے؟" بخشل نے ہمت کر کے وہ سوال پوچھ ہی لیا۔

"اس چکر میں نہ پڑو!" حسن معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا "ہمارے لیے وہ قیدی اب بالکل بے کار بلکہ بے کار بن کر رہ گیا ہے۔ ہمیں صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ وہ کن لوگوں کے لیے کام کر رہا ہے۔ اس نے زبان بند رکھی ہوئی تھی۔ اب بات کھل گئی ہے کہ وہ فوج کا آدمی ہے۔ اسپتال جا کر گوپال چند کو یہ بات بتا دینا۔"

"ٹھیک ہے" بخشل نے اپنی جگہ چھوڑی "اگر تمہارے پاس کوئی آدمی ہے تو ہمیں ہماری گاڑی تک بھجوا دو۔ ہم اجالا ہونے سے پہلے حیدر آباد واپس پہنچ جائیں گے۔"

"تم تو کہہ رہے تھے کہ تمہاری گاڑی خراب ہے۔ اب وہ کیسے ٹھیک ہو جائے گی؟" حسن نے چونک کر پوچھا۔

"اس کا انجن زیادہ گرم ہو جانے کے بعد اسی طرح جام ہو جاتا ہے۔ اب تک وہ ٹھنڈا ہو گیا ہوگا۔ گاڑی اسٹارٹ نہ ہوئی تو ہم تمہارے آدمی کے ساتھ واپس آجائیں گے۔ صبح کوئی مکینک اسے دیکھ لے گا۔"

بخشل کے بے پروائی سے کہے ہوئے ان فقروں نے حسن کو مطمئن کر دیا مگر ساتھ ہی اسے دوسری فکر لاحق ہو گئی "آدمی کا مسئلہ ہے۔ ہم دونوں بھی یہاں کسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ پتا نہیں کب مولا داد کا پیغام آجائے۔"

بخشل کو پوری بریفنگ دی گئی تھی۔ مولا داد کا نام اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ اسے خوشی ہوئی کہ اس کی محنت رائیگاں نہیں گئی تھی۔ بات دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی تھی۔

"تم دونوں نہیں جاسکتے تو فون کر کے کسی کو بلا دو" بخشل نے فرمائش کی "ہمارے لیے اتنی دور پیدل واپس جانا مشکل ہے۔ گاڑی ضروری نہیں۔ موٹر سائیکل پر ہم تین آدمی چلے جائیں گے۔"

"دراصل تم غلط موقع پر یہاں آئے ہو" حسن نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد جھجکتے ہوئے کہا "اس گھر میں فون نہیں ہے۔ فون پر لوگ بے احتیاطی سے باتیں کرتے ہیں جو کوئی اور بھی سن سکتا ہے۔ مولا داد کا پیغام آگیا تو مجھے فون سننے کے لیے اس کے گھر جانا ہوگا۔ یہاں صرف گلو رہ جائے گا۔ یہاں کم از کم ایک آدمی کا ہونا ضروری ہے۔ ہم قیدی کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتے۔"

حسن کا آخری فقرہ سن کر بخشل کے پورے وجود میں سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں مگر اس نے خود پر قابو رکھتے ہوئے بے پروائی سے پوچھا "تو کیا قیدی بھی یہیں موجود ہے۔"

بخشل کے سوال پر حسن جھنجلا گیا "میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ اس چکر میں نہ پڑو۔ جلدی یہاں سے نکل جاؤ۔ یہاں کوئی چکر چل پڑا تو تم زندگی بھر حیدر آباد پہنچنے کے لیے ترستے رہو گے۔"

"اوہ!" بخشل نے خوف زدہ ہونے کی اداکاری کی، قدم بدل کر اپنی پوزیشن درست کی اور اچھل کر حسن پر حملہ کر دیا۔

اس وقت تک یہ بات حسن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ وہ کسی جال میں پھنستا جا رہا تھا۔ بخشل نے وحشیانہ جوش کے ساتھ بے خبری میں اس کی گردن دبوچ لی۔

میر محمد بھی ہوشیار آدمی تھا۔ اس وقت تک اس نے گفتگو میں کوئی سرگرم حصہ نہیں لیا تھا لیکن وہ ان دونوں کے درمیان ہونے والے مذاکرات کا ایک ایک لفظ پوری توجہ سے سن رہا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ حسن نے گھر میں قیدی کی موجودگی کا اشارہ دے کر اپنی موت کے پروانے پر دستخط کیے ہیں۔ اس نے حسن کو بخشل کے زور بازو پر چھوڑنا مناسب نہ سمجھا اور اپنی جیب سے ڈارٹ گن نکال کر، بجلی کی سی

Downloaded From https://paksociety.com

سرعت سے حسن کے بائیں پہلو پر مہلک ڈارٹ فائر کردیا۔

شپ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ ڈارٹ حسن کے پہلو میں پیوست ہوا اور اس کا زہریلا سیال بدن میں سرایت ہوتے ہی حسن کا جسم ایک ناگوار بوجھ کی طرح بخشل کے ہاتھوں میں آرہا۔

بخشل اور میر محمد کا وہ مشن بہت جاں گسل اور خوفناک تھا۔ اس کے لیے تیاری کرتے ہوئے ہم نے کسی قسم کا کوئی خطرہ مول لینے کی گنجائش نہیں رکھی تھی۔ ڈارٹ گن کے ساتھ ان دونوں کو صرف وہی ڈارٹ دیے گئے تھے جو جسم میں اترتے ہی شکار کو جہنم واصل کردینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ بے ہوش کرنے والے ڈارٹس کی اس مشن پر گنجائش ہی نہیں تھی۔

بخشل نے حسن کی بے جان لاش کو سہارا دے کر ایک چارپائی پر ڈال دیا۔ میر محمد اپنا ایک کام مکمل کرکے تیزی سے دروازے کی طرف لپکا۔ دروازے کے پٹ بند تھے مگر پہلے کی طرح کنڈی سے آزاد تھے۔

"جلدی اندر آؤ!" اس نے دروازہ کھولتے ہی، گھبرائی ہوئی آواز میں گلو سے کہا "حسن کی طبیعت خراب ہے۔"

گلو کے لیے وہ انکشاف اس قدر ناگہانی ثابت ہوا کہ وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر، بوکھلائے ہوئے انداز میں اندر آیا۔ ریوالور اس نے اپنی جیب میں اڑس لیا تھا۔ اس کے اندر آتے ہی میر محمد نے اس پر ڈارٹ گن تانی اور دروازہ بند کرکے اندر سے کنڈی لگادی۔

"ہاتھ اٹھالو ورنہ مارے جاؤ گے" میر محمد نے دبی دبی ہذیانی آواز میں اسے حکم دیا۔

میر محمد پہل کا فائدہ اٹھاچکا تھا۔ گلو کے اوسان خطا ہوچکے تھے۔ اس نے بے چون وچرا ہاتھ اٹھالیے۔

"قیدی کہاں ہے؟" میر محمد نے اس کی پشت پر اپنے داہنے گھٹنے سے زوردار ضرب لگاکر پوچھا۔

میر محمد حلق سے دبی دبی غراہٹ کے ساتھ لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم آگے نکل گیا۔ میر محمد لپک کر اس کے پیچھے ہولیا۔

"جلدی بولو!" بخشل نے دانت پیس کر گلو سے کہا۔ وہ اس قدر بدحواس ہوچکا تھا کہ اپنے سر پر منڈلاتا ہوا موت کا سایہ نہ دیکھ سکا۔ اس نے زبان کھولنے میں تاخیر کی اور بخشل نے اس کے سینے میں بھی ڈارٹ اتار دیا۔

گلو تیورا کر ہلکے سے دھماکے کے ساتھ فرش پر گر گیا۔ دونوں میں سے کسی نے اسے سہارا دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔

بخشل اور میر محمد اس وقت خوں خوار درندوں کے مسکن میں گھسے ہوئے تھے۔ اپنی کارروائی کا آغاز کرتے ہی انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ انہوں نے موقع پاکر ہماری ہدایات سے تجاوز کیا تھا۔ اگر وہ اپنی کارروائی مکمل کرکے وہاں سے نکلنے میں ذرا بھی تاخیر کرتے تو بہت بُرے انجام سے دوچار ہوسکتے تھے۔

ان دونوں کو اتنا کام سونپا گیا تھا کہ وہ اس مکان میں موجود نفری کا اندازہ لگانے کے ساتھ یہ بھی دیکھیں کہ سلطان شاہ وہاں موجود تھا یا نہیں اور پھر وہاں سے نکل کر اپریٹس کی مدد سے اپنی معلومات ہم تک پہنچادیں تاکہ ہم مراد کے ساتھیوں کے خلاف اگلا قدم اٹھانے کا فیصلہ کرسکیں۔

لیکن وہاں حالات کا رخ ہی کچھ اور نکلا۔ بخشل کو غیر متوقع طور پر علم ہوا کہ قیدی اسی گھر میں موجود تھا اور گھر کی چار دیواری میں دشمن کا صرف ایک آدمی موجود تھا جبکہ دوسرا دروازے سے باہر چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا۔

وہ صورتِ حال اس قدر ولولہ انگیز اور حوصلہ افزا تھی کہ بخشل ایک لمحے کے لیے بھی خود پر قابو نہ پاسکا اور اس نے اچانک ہی حسن پر حملہ کردیا پھر میر محمد دوسرے کو بھی اندر گھسیٹ لایا۔

دو دشمنوں کی سرد لاشوں کے ساتھ وہ اس چار دیواری میں محصور تھے۔ دونوں ہی سلطان شاہ کی تلاش میں دیوانہ وار اندرونی کمروں کی طرف لپکے لیکن اس دوران میں بخشل اپنی ذمے داری سے غافل نہیں تھا۔ اس نے اپنا اپریٹس آن کرکے بے تابی کے ساتھ 'اول خان' کے لیے اپنی رپورٹ نشر کرنی شروع کردی تھی۔

(_)(_)(_)

ہمارے کارواں میں شامل ایس ٹی ایف کے ہر کارکن کے پاس اپریٹس موجود تھا اس لیے اول خان اور بخشل کے درمیان ہونے والی گفتگو سب ہی نے سنی اور ہر چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

قیدی کی بازیابی کی ابتدائی خبر سنتے ہی ویرا نے بے اختیاری کے عالم میں غزالہ کو اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا "مل گیا.... خدا کا شکر ہے کہ وہ ہمیں مل گیا" ویرا مسرت سے مغلوب آواز میں بولی۔

"ملا نہیں، ابھی صرف امید بندھی ہے۔ بخشل اور میر محمد اسے تلاش کررہے ہیں" میں نے کہا۔

"وہ دونوں اتنے احمق نہیں ہیں کہ کسی جھوٹی امید پر اتنا بڑا قدم اٹھالیتے" ویرا بدستور پُرامید تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

"... سر! مجھے معلوم ہے کہ میں نے اپنی حد سے تجاوز کیا ہے" اپریٹس پر بخشل کی آواز آرہی تھی "ڈسپلن کی خلاف ورزی کی ہے۔ میں ہر سزا قبول کرلوں گا مگر یہاں سب کچھ اتنی تیزی سے بدلا کہ میں جذبات سے مغلوب ہوگیا۔ مکار دشمن ہتھیار خالی ہونے کے بعد ٹھوکر کھا کر گرپڑا ہو تو لڑنے والا سپاہی اس کی گردن اتارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بس دعا کریں کہ ہم کسی کے آنے سے پہلے قیدی کو تلاش کرلیں اور اسے لے کر یہاں سے نکل جائیں.... اوور!"

"تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہے اور سزا کا بھی اندازہ ہے" اول خان اس کی رپورٹ سننے کے بعد کہہ رہا تھا "جو کچھ گزر گزرے ہو' اب اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرو' اوور!"

"ہم دو کمرے دیکھ چکے ہیں' سر! ابھی تک کوئی ذی روح نظر نہیں آیا۔ میر محمد اس کا نام بھی پکار رہا ہے مگر کہیں سے کوئی جواب نہیں مل رہا.... مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں حسن نے جھوٹ نہ بولا ہو.... اوور!"

"کاش! تمہارا یہ خیال غلط ہو" اول خان کا لہجہ خشک ہوگیا "تم نے ان دونوں کو مار کر سنگین غلطی کی ہے۔ قیدی کی بازیابی تک ان میں سے ایک کا زندہ رہنا بہت ضروری تھا.... ہم ادھر آرہے ہیں۔ اوور اینڈ آل!"

کوچ شروع ہوچکا تھا۔ شہر سب ہی کے لیے اجنبی تھا اس لیے میں احتیاط سے ڈرائیونگ کررہا تھا۔ اس بار اول خان نے میرے برابر والی نشست سنبھالی ہوئی تھی اور راستوں کے بارے میں میری رہنمائی کررہا تھا۔

ہم چاروں میں سے کسی نے بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ بخشل سے ملنے والی اطلاعات پر مراد کا کیا ردِّعمل تھا۔ وہ سلطان شاہ کے ساتھ اپنے تبادلے کی آس لگائے بیٹھا تھا۔ نئی خبر نے اسے مایوسی کے گہرے سمندر میں ڈبو دیا ہوگا۔

"اپنے اسٹاف کے اپریٹس بند کرادو" میں نے چند ثانیوں بعد اول خان کو مشورہ دیا "ٹرک والوں کے اپریٹس کے ذریعے مراد تمہارے آدمیوں کی ہر رپورٹ سنتا رہے گا۔ اس کی یہ باخبری نقصان دہ ہوسکتی ہے۔"

بات اول خان کی سمجھ میں آگئی اور اس نے اس بارے میں فوراً ہی ہدایت جاری کردی۔

چند منٹ بعد بخشل پھر لائن پر آگیا۔ اس کی آواز سے سراسیمگی جھلک رہی تھی "ہم نے ساتوں کمروں سمیت اس گھر کا چپا چپا دیکھ ڈالا ہے سر! ہمارے مطلوبہ آدمی کا کہیں کوئی نام و نشان نہیں ہے۔ اوور!"

"صحن میں پڑی ہوئی لاشوں میں سے کسی ایک کو زندہ کرو ورنہ تم مشکل میں پڑجاؤ گے۔ اوور اینڈ آل!" اول خان نے خفگی سے مختصر سا جواب دے کر سلسلہ منقطع کردیا۔

"اس نے جو کچھ کیا' نیک نیتی اور خلوص سے کیا ہے۔ تم اس کے ساتھ زیادتی کررہے ہو" ویرا نے احتجاج کیا۔

"ایس ٹی ایف میں نیت اور خلوص سے زیادہ ڈسپلن کی اہمیت ہے۔ میں اپنے آدمیوں کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ اس بارے میں تمہاری دخل اندازی کی ضرورت نہیں" اول خان نے نرمی سے کہا۔

"ڈسپلن پر اتنا زیادہ زور نہ دو۔ اس کی جگہ ہم میں سے کوئی ہوتا تو وہی کرتا جو اس نے کیا ہے۔ حسن یا گلو میں سے کوئی بھی زندہ ہوتا تو شور مچا کر ان دونوں کو عذاب میں ڈال دیتا' ان کا مرجانا ہی بہتر تھا۔"

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سلطان شاہ کہاں ہے؟" غزالہ نے ان کی بحث ختم کرنے کے لیے سوال داغ دیا "حسن کو بخشل سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی...؟"

"وہاں حسن تھا' کرشن کمار نہیں تھا اور مراد بتا چکا ہے کہ سلطان شاہ' کرشن کمار کے ساتھ تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ ابھی تک کرشن کمار اور سلطان شاہ تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہوئے ہوں" ویرا نے رائے دی۔

"میں یہی پوچھ رہی ہوں" غزالہ نے زور دے کر کہا "ان دونوں سے رابطہ نہیں ہوا تھا تو حسن نے جھوٹ کیوں بولا؟ اس وقت تک اسے بخشل کی کہانی پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا۔"

میں ذہن میں کچھ اور ہی حساب لگا رہا تھا۔ بخشل کے بیان کے مطابق حسن کو آخر تک مولاداد کے کسی پیغام کا انتظار تھا۔ وہ پیغام یہی ہوسکتا تھا کہ حسن فوری طور پر مولاداد کے گھر پہنچ کر مراد سے بات کرے۔ خود مراد بھی کہہ چکا تھا کہ وہ میرپور خاص پہنچنے کے بعد فون پر رابطہ کرکے معلوم کرسکے گا کہ کرشن کمار' سلطان شاہ سمیت کہاں تھا۔

ہم نے میرپور خاص میں داخل ہونے سے پہلے اپنا کھیل بدل دیا تھا۔ مراد کو فون کرنے کا موقع دینے کے بجائے بخشل اور میر محمد کو اس کے ٹھکانے پر بھیج دیا تھا۔ اس تبدیلی کے بعد یہ خطرہ ٹل چکا تھا کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے مولاداد کا کوئی آدمی حسن کے ٹھکانے پر پہنچ کر ایس ٹی ایف کے دونوں آدمیوں کے لیے خطرہ بنے۔

وہ دونوں پریشان ضرور تھے مگر محفوظ تھے۔ جب تک

Downloaded from https://paksociety.com

مراد کو مولا داد کو فون کرنے کا موقع نہ ملتا' وہاں سے کوئی حسن کے گھر... کا رخ نہیں کرسکتا تھا۔ ہم وہاں پہنچ جاتے تو پھر بے فکری کے ساتھ مکان میں کسی خفیہ تہ خانے وغیرہ کی تلاش شروع کی جاسکتی تھی۔

شہر میں سفر کے آخری مرحلے پر ہم نے حامد کی نفری کو ٹرک سمیت گلیوں سے باہر ہی روک دیا۔ ان تنگ گلیوں میں ٹرک کا راستہ کہیں بھی مسدود ہوسکتا تھا۔ ضرورت پڑتی تو اپریٹس پر پیغام دے کر ان لوگوں کو ذرا سی دیر میں موقع پر طلب کیا جاسکتا تھا۔

میں نے جیپ گلی میں گھمائی تو اول خان اپریٹس پر بخشل سے بات کررہا تھا۔

اول خان کے لہجے میں ہلکی سی خفگی برقرار تھی مگر بخشل نے اس پر کوئی شکوہ نہیں کیا۔ وہ امید افزا لہجے میں بتا رہا تھا کہ وہ غسل خانے کی ایک مشتبہ دیوار پر زور آزمائی کررہے تھے جو غیر معمولی طور پر سپاٹ تھی۔

اول خان نے اپنے پہنچنے کی اطلاع دے کر اپریٹس بند کردیا۔ میں نے اول خان کے ایما پر آخری موڑ کاٹا تو جیپ کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں پیلی دیواروں والے مکان کے باہر بخشل اور میر محمد موجود تھے۔

فضا پر اس وقت بھی گہرے اندھیرے کی چادر مسلط تھی مگر قرائن بتا رہے تھے کہ وہ اندھیرا بس کچھ ہی دیر کا مہمان تھا پھر صبح صادق کا ملگجا اجالا ان اندھیروں کو نگلنے والا تھا۔

ہم چاروں جیپ سے اترے اور بخشل کی رہنمائی میں مکان کے اندر گھستے چلے گئے۔ میر محمد جیپ کی نگرانی کے لیے باہر ہی رک گیا۔

حسن اور گلو کی لاشیں اس اجڑے اجڑے مکان میں عبرت کا سماں باندھ رہی تھیں۔ جو لوگ کچھ دیر پہلے تک بہت کچھ تھے' اس وقت کچھ بھی نہیں رہے تھے۔ وہ انسان کی بے بسی کی انتہا ہوتی ہے جب وہ گورو کفن کے لیے بھی دوسروں کا محتاج ہوکر رہ جاتا ہے۔ سب کچھ رکھتے ہوئے بھی اپنی آخری منزل کے ازخود ایک دمڑی تک خرچ نہیں کرسکتا۔

گھر میں ہم نے سب سے پہلے وہ غسل خانہ دیکھا جس کی ایک دیوار پر بخشل کو شبہ تھا۔ ہم نے خوب ٹھونک بجا کر دیوار کا جائزہ لیا۔ وہ ٹھوس اور سپاٹ تھی۔ بخشل کا اندازہ غلط تھا مگر وہ صحیح سمت میں سوچ رہا تھا۔ ہم سب مختلف کمروں میں پھیل گئے۔ وہ قدیم ہندووانی طرز پر بنا ہوا مکان تھا۔ دیوار گیر طاق' طاقچوں اور مورتیوں کی کثرت' اس امر کی غمازی کررہی تھی کہ اس پرانے گھر میں کہیں نہ کہیں کوئی خفیہ کمرا یا تہ خانہ ضرور ہوگا۔

آخر کار غزالہ نے ایک قد آدم آئینے کے پیچھے چھپے ہوئے آہنی دروازے کا سراغ لگا ہی لیا۔ اس دیوار پر لگے ہوئے ایک شمع دان پر زور ڈالتے ہی وہ آئینہ اپنے فریم سمیت' قبضوں پر گھوم کر دیوار سے الگ ہوگیا تھا۔ اس کے پیچھے دیوار گیر آہنی دروازہ تھا۔ جس کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ استعمال ہوتا رہا تھا۔

دروازہ بہت مضبوط اور وزنی تھا۔ اصل چابیوں کے بغیر اسے حرکت دینا ممکن نہیں تھا۔ سب وہیں جمع ہوگئے تھے۔ وہ دروازہ ہمارے لیے امید کی آخری کرن تھا۔ سلطان شاہ اگر اسی چار دیواری میں تھا تو وہ دیوار کے موٹے آثاروں میں چھپی ہوئی اس اونچی تجوری ہی میں ہوسکتا تھا۔ حبس اور گھٹن کی وجہ سے وہ تجوری اس کے لیے خطرناک تھی۔

آخر کار ویرا نے تجوری کا دروازہ کھولنے کے لیے بیم گن استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس پر عمل کرنے سے پہلے ہم نے آہنی دروازے کو زور زور سے بجا کر سلطان شاہ کو آوازیں دیں لیکن اندر سکوت چھایا رہا۔ وہ اگر موجود تھا تو ہوش میں نہیں تھا۔ ویرا نے مہارت کے ساتھ وقفے وقفے سے بیم گن کی باریک نیلگوں دھار سے قفل کے اردگرد کا فولاد کاٹنا شروع کردیا۔

وہ کام بہت صبر آزما ثابت ہوا۔ تین جگہ کٹائی کے بعد دروازہ کھل گیا اور یہ دیکھ کر مسرت سے ویرا کی بے ساختہ چیخ نکل گئی کہ اس تجوری کے فرش پر سلطان شاہ بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ تجوری ہوا بند نہیں تھی۔ اس کی اندرونی ساخت میں کچھ ایسا اہتمام رکھا گیا تھا کہ اندر گھٹن نہیں تھی۔ سلطان شاہ کا سانس معمول کے مطابق چل رہا تھا۔

ہم نے احتیاط کے ساتھ اسے باہر نکال لیا۔ اس کے بدن پر کہیں ٹوٹ پھوٹ کی کوئی علامت تھی نہ لباس پر خون کا نشان تھا مگر چہرے پر چھائے ہوئے ورم سے ظاہر ہورہا تھا کہ اسے ہلکے پھلکے تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ اسے دیکھ کر بخشل کے لٹکے ہوئے چہرے پر عجیب سی رونق آگئی تھی جو قابلِ فہم تھی۔

سلطان شاہ کی بازیابی ہماری اس لمبی دوڑ کا مقصد تھی۔ اس کے زندہ و سلامت مل جانے کے بعد ہمارے لیے وہاں رکنا بے سود تھا۔ بخشل نے مجھے روک کر سلطان شاہ کو اپنے کندھے پر لادا اور ہم ایک ایک کرکے اس گھر سے نکل گئے۔

Downloaded from https://paksociety.com

ویرا نے آخر میں باہر آنے کے بعد دروازے کو کنڈی لگادی۔ بخشل اور میر محمد نے سلطان شاہ کو جیپ کی پچھلی نشست پر لٹادیا مگر میری توجہ ان چند افراد پر مرکوز ہو چکی تھی جو گلی کے نکڑ پر کھڑے ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ ہوا کے دوش پر ان کی دبی دبی سرگوشیوں کی کچھ بھنبھناہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔

"سر! یہ آس پاس کے مکانوں سے نکلے تھے" میر محمد ہمیں بتانے لگا "سب حیرت سے جیپ کو دیکھ رہے تھے مگر کوئی بھی قریب آنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ بس یہ وہاں جمع ہو کر نیچی آواز میں باتیں کر رہے ہیں۔"

وہ ایک چھوٹے شہر کا رہائشی علاقہ تھا۔ وہاں کسی گاڑی کے انجن کی آواز سے لوگ مانوس نہیں رہے ہوں گے۔ ہمارے وہاں پہنچنے پر جیپ کے انجن کی تیز غراہٹ کچی نیند سونے والوں کی بیداری کا سبب بن گئی اور وہ صورت حال جاننے کے لیے اپنے اپنے گھروں سے نکل کر باہر جمع ہو گئے۔

میں نے ان کی موجودگی سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا اور ان کی طرف چل دیا۔

مجھے اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر ان میں کچھ بے چینی کے آثار نمودار ہوئے مگر کسی نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔ میں نے قریب جا کر ان کو ادب سے سلام کیا اور خاص طور پر کسی کو مخاطب کیے بغیر پوچھا "پہلی دیواروں والا مکان کس کا ہے؟"

کسی نے فوراً جواب نہیں دیا۔ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ آخر ایک معمر شخص نے ہمت کر ڈالی "یہ گھر تو کرشن کمار کا ہے مگر وہ یہاں کم ہی نظر آتا ہے۔ دوسرے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔"

"شریفوں کے محلے میں کوئی اس پر اعتراض نہیں کرتا؟ یہاں غلط کام ہوتے رہے ہیں۔"

"بس جی! کون کسی کے منہ لگے۔ سب کو اپنی عزت پیاری ہوتی ہے" اسی شخص نے جواب دیا۔ میرے تیکھے سوال پر دوسروں کے چہروں پر خوف و ہراس امڈ آیا تھا۔

"مولاداد کہاں رہتا ہے؟" اس بار میں نے براہِ راست اسی معمر شخص سے پوچھا۔

"پچھلی گلی میں آگے، کبوتروں کی چھتری والا مکان ہے۔ وہ بھی ان ہی کا سا جھبی ہے۔"

"پولیس کے آنے تک کوئی اس گھر میں نہ جائے۔ اندر دو لاشیں پڑی ہوئی ہیں" میں نے انہیں آگاہ کیا۔ سب کے دہانوں سے لاشوں کے بارے میں تحیر زدہ، سرسراتی ہوئی آوازیں برآمد ہوئیں اور ادھیڑ عمر سمیت ہر شخص نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ سب تیزی سے اپنے اپنے گھروں کی طرف لپکے جا رہے تھے۔

میں نے کسی کو روکنے کی کوشش نہیں کی۔ لاشوں کی موجودگی کے انکشاف پر ان لوگوں کا ردِعمل قطعی فطری تھا۔ ہر شخص ایسی بھیانک واردات میں کسی گواہی وغیرہ میں ملوث ہونے سے گھبراتا اور پھر وہ کرشن کمار اور اس کے ساتھیوں کا معاملہ تھا۔ مجھے پہلے ہی اندازہ ہو چکا تھا کہ اہلِ محلہ ان کی سرگرمیوں سے نالاں بلکہ خائف تھے اور ان کی مخالفت میں زبان کھولنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

بخشل اور میر محمد نے اپنے ہاتھ لگنے والے دونوں افراد کو ٹھکانے لگا کر اپنا کام ضرور آسان کرنا چاہا تھا لیکن اس کے نتیجے میں ہم ہر گواہ سے محروم ہو چکے تھے۔ ان دونوں کے مارے جانے کے بعد، ہمارے لیے میرپور خاص میں کام آگے بڑھانا مشکل ہو گیا تھا۔ ان میں سے کوئی زندہ ہوتا تو اس سے مراد، کرشن کمار اور ان کے حواریوں کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔

باز پرس کے معاملے میں مراد ہماری توقع سے زیادہ سخت جان ثابت ہو رہا تھا، کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ تازہ ترین واقعات پر وہ کس ردِعمل کا مظاہرہ کرتا۔ اس کا حوصلہ تباہ کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ ہمارے ساتھ سلطان شاہ کے علاوہ ایک دو زندہ قیدی بھی ہوتے۔ ان کے اعترافات مراد کو زبان کھولنے پر مجبور کر سکتے تھے۔

میں واپس آیا تو اول خان ایریٹس پر حامد سے بات کر رہا تھا۔ وہ لوگ اس محلے کی قدرے تنگ گلیوں سے باہر، مین روڈ پر رکے ہوئے تھے مگر ہمارے اور ان کے درمیان لاسلکی رابطہ برقرار تھا جس سے فائدہ اٹھا کر اول خان شاید اسے سلطان شاہ کی زندہ و سلامت بازیابی کی اہم ترین خبر سنا رہا تھا۔

ویرا اور غزالہ جیپ میں گھسی ہوئی تھیں اور اندر کی بتی جلا کر سلطان شاہ کو ہوش میں لانے کی ناکام کوششیں کر رہی تھیں۔ میں نے پہلی ہی نظر میں اندازہ لگا لیا تھا کہ سلطان شاہ کی بے ہوشی نقاہت یا ضربات کا نتیجہ نہیں تھی۔ اس کو مسکن ادویہ کے زیرِ اثر دانستہ بے ہوش رکھا گیا تھا۔ دواؤں کا اثر ختم ہونے سے پہلے اسے ہوش میں لانا ممکن نہیں تھا۔

جیپ کے سواروں کی تعداد میں اضافہ ہو چکا تھا مگر اس کشادہ گاڑی میں اتنی گنجائش تھی کہ سلطان شاہ کو بے آرام کیے بغیر سب لوگ اس میں سما گئے اور میں نے جیپ کو ادھیڑ

Downloaded from https://paksociety.com

عمر شخص کے بتائے ہوئے راستے پر ڈال دیا۔ اس وقت ہمارے سامنے صرف مولا داد رہ گیا تھا اور میں اسے کراچی کی سیر کرانے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا۔

مولا داد کا گھر وہاں سے خاصے فاصلے پر تھا۔ کبوتروں والی چھتری اس کے مکان کی ایسی واضح شناخت تھی کہ اسے نظر انداز کرنا ممکن ہی نہیں تھا مضبوط بانسوں پر بندھی ہوئی کشادہ چھتری کے نیچے سبز رنگ کا ایک بلب روشن تھا جو دور ہی سے توجہ اپنی طرف مبذول کرا رہا تھا۔ چھتری پر نظر پڑتے ہی میں نے اپنی نگاہیں گلی میں مرکوز کر دیں۔

اس مکان کے سامنے ایک شخص کھڑا ہوا تھا۔ اتنی رات گئے گھر سے باہر کسی کی یوں موجودگی غیر معمولی تھی۔ جیپ کے ہیڈ لیمپس کی روشنی دور تک جا رہی تھی اسی طرح طاقت ور انجن کی آواز نے بھی شاید اس شخص کو چوکنا کیا تھا۔ اس نے مڑ کر بھرکے ہوئے انداز میں جیپ کی طرف دیکھا۔ پتلی اور ناہموار گلی کی وجہ سے میں ڈرائیونگ میں محتاط تھا۔ ہمارا درمیانی فاصلہ بتدریج کم ہوتا جا رہا تھا۔

وہ شخص چند ثانیوں تک یوں ہی ہماری طرف دیکھتا رہا پھر کسی نتیجے پر پہنچ کر بہت تیزی سے پلٹا اور گھر کے دروازے میں غائب ہو گیا۔ شاید اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ہم اسی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

چند لمحوں میں ہم مولا داد کے گھر کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ میں ڈرائیونگ سیٹ سے اتر کر دروازے پر پہنچا تو مجھے اندر کچھ ہڑبونگ اور بھگدڑ کی سی آوازیں سنائی دیں۔ میں نے زور سے دروازے کی کنڈی بجا ڈالی۔

"ٹھہرو.... ابھی آتے ہیں!" اندر سے ایک اونچی آواز آئی۔ میرے لیے وہ جواب غیر متوقع تھا۔ اندر والے نے اتنی رات گئے ہونے والی دستک پر کسی پوچھ گچھ کے بغیر یوں جواب دیا تھا جیسے وہ پہلے سے کسی کی آمد کی توقع کیے بیٹھا ہو۔

اندر سے آنے والی آوازوں میں یکایک کمی واقع ہو گئی۔ وقت دھیرے دھیرے رینگتا رہا اور میں کھڑا انتظار کرتا رہا۔ جب وہ انتظار کچھ زیادہ ہی طویل ہو گیا تو میں نے بے چینی سے دوبارہ کنڈی کھڑکا دی۔

اس بار ایک ادھیڑ عمر عورت نے فوراً ہی دروازہ کھول دیا جیسے وہ اندر 'پٹ سے لگی' دوسری دستک کا انتظار کرتی رہی ہو۔

"کون ہو تم....؟ کس سے ملنا ہے؟" عورت نے سہمی ہوئی نظروں سے میرا اور پھر جیپ کا جائزہ لیتے ہوئے وقت سے پوچھا۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ دہشت سے اس کا حلق سوکھ رہا تھا۔

ہماری لڑائی ملک اور قوم کے غداروں سے تھی۔ جن کے لیے میرے دل کے کسی گوشے میں ہمدردی کی کوئی رمق موجود نہیں تھی مگر وہ ان کے گھر کی ایک عورت تھی۔ اس کے لیے میرے پاس ادب و احترام کے سوا کچھ نہیں تھا۔

غزالہ کو میرے مزاج کی اس کمزوری کا اندازہ تھا۔ میرا تذبذب ختم ہونے سے پہلے ہی وہ جیپ سے اتر کر نیچے آ گئی۔ اندر سے برآمد ہونے والی عورت کسی درشت اور کھردرے سوال کے انتظار میں' خوف سے اپنے ہونٹوں پر بار بار زبان پھیر رہی تھی۔

"مولا داد کہاں ہے۔ اسے باہر بلاؤ!" غزالہ نے وہاں پہنچتے ہی عورت سے مطالبہ کیا۔

"وہ گھر پر نہیں ہے۔ پتا نہیں کب واپس آئے گا۔" اس نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"تم اندر جاؤ اور کسی مرد کو باہر بھیج دو۔ ہمیں ضروری بات کرنی ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"گھر میں کوئی مرد نہیں ہے۔ عورتیں ہیں یا بچے ہیں جو سب سو رہے ہیں۔"

"ابھی اندر سے کسی مرد نے جواب دیا تھا۔ وہ کہاں ہے؟ اس بار میں سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"وہ مولا داد تھا۔" جواب دیتے ہوئے عورت کی آنکھیں دھندلا گئیں "تمہیں انتظار کرنے کا کہہ کر وہ چلا گیا۔"

"کہاں چلا گیا....؟" غزالہ نے حیرت اور بے اعتباری سے پوچھا "دروازے پر تو ہم کھڑے ہوئے ہیں۔"

"بس چلا گیا۔ وہ پیچھے سے بھاگا ہے۔ تم سے ڈر گیا تھا۔"

غزالہ نے شکست خوردہ نظروں سے میری طرف دیکھا پھر اس سے پوچھا "اس کے ساتھ اور کون تھا؟"

"پانچ آدمی تھے۔" عورت نے معاملے کی سنگینی کا اندازہ لگاتے ہوئے خود ہی سچ بولنا شروع کر دیا تھا "رات سے وہ سب کسی فون کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ تمہارے آتے ہی پچھلے دروازے سے بھاگ گئے۔"

میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ ایک مرتبہ پھر چوٹ ہو گئی تھی۔

"یہاں سے بھاگ کر وہ کہاں گئے ہوں گے؟" غزالہ نے کس قدر تیزی سے سوال کیا۔

"پتا نہیں!" غزالہ کے لہجے پر وہ عورت روہانسی آواز

Downloaded from https://paksociety.com

میں بولی "سب بگڑے ہوئے لڑکے ہیں۔ کرشن نے اپنے ساتھ ان سب کو بھی خراب کردیا ہے۔ منہ پھٹ ہیں۔ بات بات پر ہتھیاروں کی دھمکی دیتے ہیں۔ وہ اسی کے پاس گئے ہوں گے۔"

صاف ظاہر تھا کہ وہ اسی گھر کا ذکر کررہی تھی جہاں سے ہم وہاں پہنچے تھے۔ اس گھر کو ہمارے لیے چوہے دان بنا کر وہ ٹولی مولا داد کے پاس بیٹھی ہوئی تھی تاکہ مراد کی طرف سے اشارہ ملتے ہی کوئی کارروائی کرسکے مگر مراد کا فون نہ آنے کی وجہ سے ان کا سارا کھیل بگڑ کر رہ گیا تھا اور انہیں افراتفری کی حالت میں فرار ہونا پڑ گیا تھا۔

وہ عورت خود بھی مولا داد اور اس کے ساتھیوں کی سرگرمیوں سے بدظن تھی۔ اس پر زیادہ دباؤ ڈالنا بے سود تھا۔ وہ انہیں بُرا بھلا کہتی اور ہمارے سوالوں کے جواب دیتی رہی۔ آخر کار ہم نے وہاں سے لوٹ جانے کا فیصلہ کرلیا۔

وہاں سے لوٹتے ہوئے ہم بہت محتاط تھے۔ ہمیں معلوم تھا کہ چور کے پاؤں نہیں ہوتے مگر پھر بھی ایک موہوم سا خطرہ تھا کہ کہیں مولا داد اور اس کے پانچ مسلح ساتھی پلٹ کر ہم پر حملہ نہ کردیں۔ ان کے لیے مراد ظریف کی آزادی اسی قدر اہم اور ضروری تھی جتنی ہمارے لیے سلطان شاہ کی رہائی تھی۔

ہم گلیوں سے نکل کر آخر کار سڑک پر آگئے۔ اس دوران میں اول خان نے واپسی کے پروگرام کے پیشِ نظر، حامد کو اپنے ٹرانسمٹر پر سمجھا دیا تھا کہ اسے میرپور خاص میں ہی رکنا تھا تاکہ وہ دونوں لاشوں کے بارے میں ضابطے کی کارروائیاں مکمل کرا کے وہ قصہ مقامی کوتوالی کے سربراہ کے حوالے کرسکے۔

اپنے اس مختصر قیام میں اسے اس گروہ کے کسی سرگرم کارندے کو بھی تلاش کرنا تھا جو اس اُبھی ہوئی کہانی کے پوشیدہ گوشوں سے نقاب ہٹا کر پیش رفت کی کوئی راہ فراہم کرسکے۔

"سر! اب مجھے اندازہ ہورہا ہے کہ ہم نے ان دونوں کو مار کر کتنی بڑی غلطی کی ہے۔" جیپ میں خاموشی ہونے پر بخشل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "ان میں سے کسی ایک کا زندہ رہنا بہت ضروری تھا۔"

غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے مگر جان بوجھ کر کی جانے والی غلطی بھول کی غلطی سے زیادہ سنگین ہوتی ہے۔" اول خان نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا "اب یہ بات بھول جاؤ۔ اس پر اسٹیشن فور میں بات ہوگی۔"

میں نے اندازہ لگایا کہ اول خان کے ان الفاظ میں بخشل کے لیے تادیب کا پیغام پوشیدہ تھا۔ ایس ٹی ایف کے کارکنوں کے تمام تر اخلاص کے باوجود اس تنظیم کا جزا اور سزا کا ایک اپنا نظام تھا جس سے کسی کو مفر نہیں تھا۔

مین روڈ پر پہنچنے کے بعد بخشل اور میر محمد ٹرک میں سوار ہوگئے اور ہمارا قافلہ واپسی کے لیے چل پڑا۔

شہر چھوڑنے سے پہلے ہمیں حامد کو مقامی تھانے پر اتارنا تھا۔ ہمیں تھانے کا محل وقوع معلوم نہیں تھا، ویران سڑکوں پر کہیں کوئی سپاہی نظر نہیں آرہا تھا جس سے مدد لی جاسکے۔ میں اندازے سے کشادہ تر راستوں پر جیپ چلاتا رہا اور ہم جلد ہی تھانے کے سامنے پہنچ گئے۔

اول خان نے خود افسران سے ملنا قرینِ مصلحت نہیں سمجھا۔ گاڑی میں سلطان شاہ بے ہوش تھا۔ مراد ٹرک کے فرش پر سخت زخمی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ اسے یہ جان کر سخت صدمہ ہوا تھا کہ اس سے کوئی کام لیے بغیر ہم لوگوں نے سلطان شاہ کو رہا کرالیا تھا۔ وہ رہ رہ کر اونچی آواز میں مغلظات بک رہا تھا۔ سینئر پولیس افسران لازمی طور پر اس کی طرف متوجہ ہوجاتے اور اول خان کے لیے اخلاقی طور پر لازم ہوتا کہ ان کے ہر سوال کا جواب دے اور یوں ایک نئی کہانی شروع ہوجاتی۔

حامد کو خاموشی سے تھانے کے باہر چھوڑ کر ہم تیزی سے آگے نکلتے چلے گئے۔

○☆○

سلطان شاہ کی کہانی زیادہ پُر پیچ نہیں تھی۔ اس نے پہلی بار ہیر آباد کے علاقے میں واقع صحرا کے دفتر کا طواف کیا تو یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ کچھ نادیدہ نگاہوں نے صحرا میں اس کی دلچسپی کا اندازہ لگالیا ہے۔ جب وہ مراد ظریف کی موجودگی کا کھوج لگانے کے لیے دوبارہ اس علاقے میں پہنچا تو اس کی گاڑی پہچان لی گئی۔

اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوسکا کہ صحرا کا کوئی آدمی اس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ وہ ہیر آباد کے علاقے سے نکل کر اپنے ہوٹل کی طرف جارہا تھا کہ پیچھے سے ایک تیز رفتار موٹر سائیکل نے اسے اوورٹیک کیا اور سائیڈ دبا کر اسے گاڑی روکنے پر مجبور کردیا۔

موٹر سائیکل پر دو صحت مند اور لڑاکا قسم کے لڑکے سوار تھے۔ انہوں نے سلطان شاہ کی کار کے عین سامنے موٹر سائیکل روکی اور جارحانہ تیوروں کے ساتھ قریب آکر اس پر الزام لگایا کہ اس نے ان کی موٹر سائیکل کو سائیڈ ماری تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

وہ الزام سراسر بے بنیاد تھا۔ سلطان شاہ مشتعل ہوگیا لیکن اسے اپنی نشست چھوڑ کر نیچے اترنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ایک لڑکے نے بہت نپے تلے انداز میں اس کی داہنی کنپٹی پر زوردار مکا رسید کیا اور وہ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے بے ہوشی کی گہری دلدل میں اترتا چلا گیا۔ وہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ راہ گیروں میں سے کسی کو کچھ سمجھنے کا موقع نہیں ملا۔ کوئی کچھ سمجھ لیتا شاید تب بھی سلطان شاہ کا ساتھ دینے کی ہمت نہ کرپاتا کیونکہ دونوں لڑکے شکل صورت سے ہی بدمعاش معلوم ہورہے تھے۔

سلطان شاہ کو دوبارہ ہوش آیا تو وہ کسی کمرے میں بند تھا۔ تھوڑی دیر بعد دو آدمی اس کے سر پر مسلط ہوگئے۔ اس وقت تک اسے علم نہیں تھا کہ وہ کون تھے لیکن کراچی پہنچنے اور ہوش میں آنے کے بعد اس نے مراد کو شناخت کرلیا تھا۔ اس کا دوسرا ساتھی گویال چند ہی ہوسکتا تھا۔ وہ دونوں اس سے یہ جاننا چاہ رہے تھے کہ وہ کن لوگوں میں سے تھا اور بار بار صحرا کے دفتر کے گرد کیوں دیکھا جارہا تھا۔

سلطان شاہ کو اس معاملے کی سنگینی کا پورا ادراک تھا۔ وہ ان دونوں کا تشدد سہ کر بھی اڑا رہا کہ وہ صحرا کے وجود تک سے ناواقف ہے اور اس کا کسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ کراچی کا ایک ٹرانسپورٹر ہے جو کسی سے ادھار کی رقم وصول کرنے کے لیے حیدرآباد آیا ہوا ہے۔ مراد نے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو اس کا مقروض تھا۔ سلطان شاہ کے پاس اس جھوٹ کو نبھانے کے لیے کوئی نام اور پتا نہیں تھا۔ اس پر مکوں اور تھپڑوں کی برسات شروع ہوگئی۔

اسے حیدرآباد سے میرپور خاص منتقلی کے بارے میں علم نہیں تھا۔ اس نے یہ ضرور بتایا کہ اگلی بار وہ ایک مختلف کمرے میں تھا جہاں ایک خوش رو اور دراز قامت شخص اس کے مقابل تھا۔ وہ بھی سلطان شاہ سے گھما پھرا کر مختلف سوال کرتا رہا لیکن اس نے سختی کے ساتھ اپنی زبان بند رکھنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اسے پوری امید تھی کہ اس کے واپس نہ لوٹنے پر غزالہ ہوٹل سے ہی ہم لوگوں سے رابطہ کرے گی اور ہم اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے۔ اس خوش فہمی میں وہ آسانی سے دو چار روز گزار سکتا ہے۔

اس کی وہ توقع جلد ہی پوری ہوگئی۔ قید کے دوران میں اس نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی کہ ہر بار پرس کے بعد وہ لوگ اسے کھانے پینے میں کوئی ایسی دوا دے دیتے تھے جس کے زیر اثر وہ طویل بے ہوشی کا شکار ہوجاتا تھا۔ اس طرح اسے اپنے دشمنوں کے بارے میں کچھ جاننے کا موقع نہیں مل سکا مگر اس سے یہ فائدہ ہوا کہ وہ زیادہ تشدد سے محفوظ رہا۔

"تم خوش نصیب ہو کہ انہوں نے تمہارے ہاتھ پیر نہیں توڑے۔" سلطان شاہ کی باتیں سن کر وہ رائے برجستہ کہا "انہوں نے تمہیں بہت احتیاط سے ایک دیوار گیر تجوری میں بند کیا ہوا تھا۔ ہم نے تمہیں وہیں سے برآمد کیا تھا۔"

"تجوری میں!" سلطان شاہ بے ساختہ ہنس پڑا "حیرت ہے کہ ان لوگوں کے پاس کوئی تجوری بھی ہے۔ حیدرآباد میں صحرا کے دفتر سے ایسی بے سروسامانی ٹپکتی ہے کہ اس این جی او پر رحم آتا ہے۔"

"وہ ان کا ڈراما ہے ورنہ مراد کو بہت زیادہ مالی وسائل دستیاب ہیں۔" غزالہ نے کہا "آج کل وہ چاہے تو فریڈم انٹرنیشنل سے زیادہ شان دار دفتر بنا سکتا ہے۔"

"اب تو اس کے چاہنے یا نہ چاہنے کا قصہ ہی ختم ہوچکا ہے۔" وہ بولا "وہ تمہارا قیدی ہے۔ مجھے حسرت ہے کہ اس کے پیچھے حیدرآباد جانے کے باوجود میں اس پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اسے کہاں رکھا گیا ہے؟"

"وہ یہیں مائیکرو سینٹر کے تہ خانے میں ہے جہاں مقبول چوہدری نے اکرم الٰہی کو قید کیا ہوا تھا۔" میں نے بتایا۔

"اب تک اس کے سارے کس بل نکل چکے ہوں گے۔ اپنی سرگرمیوں کے بارے میں وہ کیا کہتا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ وہ تم سے زیادہ ڈھیٹ ہے۔" میں نے ہنس کر کہا "انہوں نے تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑا لیکن اس کا حال ابتر ہے۔ کراچی آنے کے بعد اس پر مایوسی غالب آرہی ہے پھر بھی وہ خاموش ہے۔"

"اس نے میرے اوپر ہاتھ اٹھایا تھا۔ اب میں دل کھول کر اس کی خبر لوں گا۔" سلطان شاہ چہرے پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

"ابھی اس کو بالکل نہ چھیڑنا۔" میں نے جلدی سے کہا "کراچی واپس آنے تک اسے یہ غلط فہمی تھی کہ ہم لوگوں کا تعلق فوج سے ہے۔ وہ حیران ہے کہ ابھی تک کوئی باوردی فوجی اس کے سامنے نہیں آیا۔ تذبذب اور خلش کے باعث وہ جلد ہی بکھر کر رہ جائے گا۔"

"میرا خیال تم سے مختلف ہے۔ اس وقت وہ زخمی ہے۔ گرم لوہے پر چوٹ پڑتی ہے تو زیادہ اثر کرتی ہے۔"

"یہ سب بعد میں دیکھ لیا جائے گا۔ فی الحال تم آرام کرو۔ اب وہ کہیں نہیں جاسکتا۔"

میرپور خاص سے ہم لوگ صبح نو بجے کے بعد ہی کراچی پہنچ گئے تھے۔ دورانِ سفر سلطان شاہ مسلسل بے ہوش رہا

Downloaded from https://paksociety.com

تھا۔ وہ لوگ اسے بے ہوشی کے ایسے لمبے ڈوز دیتے رہے تھے کہ وہ بار بار ہوش میں آکر انہیں پریشان نہ کرسکے۔

یہ مشورہ اول خان کا تھا کہ مراد ظریف کو اسٹیشن فور کے بجائے مائیکرو سینٹر کے تہ خانے میں رکھا جائے۔ جب سے امریکیوں کے بارے میں ایس ٹی ایف کی پالیسی میں یہ تبدیلی آئی تھی کہ جب تک وہ کھل کر سامنے نہ آئیں' ان سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے' اول خان کچھ محتاط ہوگیا تھا۔ وہ اپنے بڑوں کے سامنے یہ جواز تو پیش کرسکتا تھا کہ سلطان شاہ کے اچانک غائب ہوجانے کے باعث اسے اپنی قابل ذکر نفری کے ساتھ حیدر آباد اور پھر میرپور خاص تک جانا پڑ گیا لیکن وہ کراچی میں مامور' سی آئی اے کے چیف' جان اسمتھ کے منظورِ نظر کو خود سے دور رکھنا چاہتا تھا۔

وہ اسپیشل ٹاسک فورس کا اندرونی معاملہ تھا۔ اسے اول خان ہی بہتر سمجھتا تھا۔ میں نے اس بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا اور اول خان' مراد ظریف کو ہمارے ساتھ مائیکرو سینٹر چھوڑ کر چلا گیا۔

ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر ہم طویل سفر کی تکان اتارنے کے لیے کمروں میں جاگھسے۔ یہ سلسلہ سلطان شاہ کی بے ہوشی کا دورانیہ ختم ہونے پر منقطع ہوا اور تینوں اسے گھیر کر بیٹھ گئے۔

سلطان شاہ پر اپنی ناکامی کی خفّت طاری تھی یا وہ مراد ظریف کے خلاف کچھ زیادہ ہی مشتعل تھا کہ وہ اسی وقت تہ خانے میں جانے پر مصر رہا۔ غزالہ ایک خانہ دار خاتون کی طرح کچن سنبھالنے کے لیے چل دی۔ میں ویرا اور سلطان شاہ کے ساتھ تہ خانے کی طرف ہولیا۔

نیچے جاتے ہوئے ہم پہلی منزل پر اکبر علی کی مزاج پرسی کے لیے رکے۔ اس کا زخم بہتر ہو رہا تھا۔ اسے خوشی ہوئی کہ اس سے کام لینے کے ساتھ ساتھ ہمیں اس کی فکر بھی تھی۔

تہ خانے میں مراد مسہری پر اپنی دونوں ٹانگیں پھیلائے کسی معذور آدمی کی طرح پڑا ہوا تھا۔

"پھر آگئے؟" ہمیں دیکھتے ہی اس نے زہریلے لہجے میں کہا "تم لوگ بہت سفاک ہو....."

میں نے اس کی بات کاٹ دی "ہم ہر شخص سے وہی سلوک کرتے ہیں جس کا وہ حق دار ہوتا ہے۔"

"تم جھوٹے ہو..... میں اب تک تمہیں غلط سمجھ رہا تھا۔ فوج سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"ہم نے ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ ویسے تم نے اتنی باریک بات کیسے سمجھ لی؟" ویرا نے مضحکہ اڑاتے ہوئے پوچھا۔

"تم سب سادہ کپڑوں میں تھے۔ یہاں بھی کوئی وردی والا نہیں ہے۔ تم فراڈ ہو۔"

سلطان شاہ نے اس کے بائیں پیر کو جھٹکا دیا اور درد کی لہر سے مراد اچانک چیخ پڑا۔ سلطان شاہ نے کہا "خدا کا شکر ادا کرو کہ تم وردی والوں کی قید میں نہیں ہو۔ وہ اب تک تمہاری کھال میں بھس بھروا چکے ہوتے۔"

"میں سب سمجھ رہا ہوں۔" وہ کراہتے ہوئے بولا "تم لوگ کچھ بھی نہیں' پکے حریص اور لٹیرے ہو۔ مقبول چوہدری کو ہٹا کر فریڈم انٹرنیشنل پر قبضہ کرنا چاہتے ہو اسی لیے میں تمہاری آنکھوں میں کھٹک رہا ہوں۔"

"کیونکہ تم خود بھی یہی خواب دیکھ رہے تھے۔" میں نے زہریلی ہنسی کے ساتھ کہا "صحرا کے نام پر فریڈم والوں سے مال لوٹ کر اپنی جیبیں بھرنا چاہ رہے تھے مگر اب تمہارا یہ خواب بکھر کر رہ گیا ہے۔"

"کل تک مقبول چوہدری یہاں' مائیکرو سینٹر میں موجود تھا۔ آج یہاں تمہارا راج ہے۔ یاد رکھنا کہ تمہارا یہ ذلیل منصوبہ کامیاب نہیں ہوسکے گا۔ میری اور مقبول چوہدری کی پشت پر بہت مضبوط ہاتھ ہے۔ وہ تمہارے حلق سے سب کچھ نکال لے گا۔"

"کہاں کی ہانک رہے ہو؟ تمہیں کس مضبوط ہاتھ پر گھمنڈ ہے؟" سلطان شاہ نے مسہری کے سرہانے جاکر مراد ظریف کے مجروح اور متورم چہرے پر سختی سے ایک ہاتھ جڑ دیا اور وہ بلبلا اٹھا۔

"مقبول کل یہاں بیٹھا ہوا تھا مگر ہٹانے والے نے مجھے بتا دیا تھا کہ مائیکرو سینٹر پر کوئی قبضہ کرچکا ہے۔ میں اسی لیے اندر نہیں آیا تھا۔ تمہارے لیے فضا میں بارود کی بو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔"

"اس کے ساتھ دھنی رام کی بے یار و مددگار لاش بھی چھوڑ بھاگے تھے۔" ویرا نے لقمہ دیا۔

"لڑائی میں یہ ہوتا رہتا ہے۔ شاید تم نے مقبول چوہدری کو زیر کرلیا ہو مگر میں اس کی طرح آسان چارہ ثابت نہیں ہوں گا۔ تم دیکھ لینا کہ تمہارا حشر بہت بُرا ہوگا۔ تم موت مانگو گے مگر موت خود تم سے پناہ مانگے گی۔"

اس کے دماغ میں جان اسمتھ کی حمایت کا غرور گھسا ہوا تھا۔ جس کا زائل ہونا ضروری تھا۔ میں نے درشت لہجے میں کہا "سنو ایم زی! مجھے معلوم ہے کہ تم کئی باپوں کی اولاد ہو۔ تمہارا پہلا باپ وہ تھا جو شاید تمہارے پیدا ہوتے ہی شرم اور

Downloaded from https://paksociety.com

صدمے سے مرگیا ہوگا۔ دوسرا اکرم الٰہی تھا جس نے تمہیں دولت مندی کی راہ دکھائی، تیسرا مقبول چوہدری تھا جس نے تمہیں گود لیا اور چوتھا وہ گورا ہے جس نے اب تمہارے سر پر ہاتھ رکھا ہے۔ تمہاری پوری سرگزشت ہمارے سامنے ہے۔ تمہیں اپنے بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں رہنی چاہیے۔"

میری زبان سے ترتیب وار وہ سب سن کر مراد جیسے کی سی حالت میں رہ گیا پھر اس کے دہانے سے کمزور سی آواز برآمد ہوئی "ایم زی.... !اس کا مطلب ہے مجھ سے تم نے بات کی تھی۔ تم پہلے مقبول چوہدری کے خاص آدمی بن کر مجھے بہلاتے رہے اور جب میں تمہارے جال میں نہیں آیا تو تم خود آواز بدل کر مقبول چوہدری بن گئے۔ تم مسلسل میرا پیچھا کررہے ہو....."

"غیر ملکی ٹکڑوں پر پلنے والوں کا پیچھا کرنا ہماری ہابی ہے اور تم تو بالکل آوارہ کتے ہو۔ جانتے ہو جتنے ہوئے جان! تمہارے پاس گئے تھے کہ تاکہ اس ملک کی بیخ کنی کے لیے اس سے تازہ ہدایات لے سکو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

سلطان شاہ نے پھر بے رحمی سے اس کی ٹانگ ہلائی اور وہ اذیت سے دہرا ہوگیا۔ سلطان شاہ دانت پیستے ہوئے بولا "یہ تمہارے کرتوت ہیں۔ تم باہر کے پیسے پر پلنے والے غدار ہو جس کی سزا موت سے بھی کچھ زیادہ ہونی چاہیے۔"

"یہ غلط ہے، جھوٹ ہے۔ میں نے باہر سے کوئی رقم نہیں لی۔ فریڈم انٹرنیشنل والے صحرا کی مدد کررہے تھے۔"

"وہ بھی اسی غلیظ جوہڑ سے سیراب ہورہے تھے جس میں تم ڈبکیاں لگا رہے ہو۔"

"میں قسم کھا رہا ہوں۔ میں نے جان بوجھ کر باہر سے کوئی مدد نہیں لی۔" اس کے اوسان خطا ہونے لگے۔

"تم اعتراف کرچکے ہو کہ تم سچ کے آدمی تھے۔" میں نے سفاکی سے کہا "اکرم اور مقبول سے رقم لیتے تھے اور اپنا کمیشن کاٹ کر کرشن کو بڑھا دیتے تھے۔ یہ سفید جھوٹ ہے۔ اگر اسے سچ مان لیا جائے تب بھی تم سازشی ہو۔ تمہیں معلوم تھا کہ کرشن اس پیسے سے نیا چھور میں ایک مفت تربیتی کیمپ چلا رہا ہے، ہتھیاروں کے استعمال اور دہشت گردی کی تربیت دینے والا وہ کیمپ ملک کے دوستوں کا نہیں ہوسکتا۔"

"وہاں ظلم اور زیادتی کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی تعلیم دی جاتی ہے، ظلم کرنے کا سبق نہیں دیا جاتا۔"

"تم جھوٹے ہو۔ چمن علی کی تحریروں سے تم کیا کام لے رہے ہو؟" آخر کار میں نے وہ نام بھی لے ڈالا۔ مراد کی آنکھوں میں دہشت سمٹ آئی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی

مشہور مصنفین کی مشہور کتابیں

روشنی کے مینار
اسلام کے خاموش مبلغوں اولیائے کرام کے دلچسپ اور پُراثر واقعات
ضیاء تسنیم بلگرامی کے قلم سے
قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

عظمت کے مینار
ضیاء تسنیم بلگرامی کے مضامین کا دوسرا مجموعہ
قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

ایمان کا سفر
محی الدین نواب کی ۱۰ معاشرتی کہانیوں کا مجموعہ
وہ فن پارے، جن کی آپ کو تلاش ہے۔
قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

کچرا گھر
محی الدین نواب کی کہانیوں کا دوسرا مجموعہ
جسے آپ آنکھوں سے نہیں دل سے پڑھیں گے۔
قیمت ۱۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

آدھا چہرہ
محی الدین نواب کا پہلا طویل معاشرتی ناول ان لوگوں کے لیے ایک تازیانہ جو اپنی گرگی کے لبادے میں اپنا اصل چہرہ چھپا کر رکھتے ہیں
قیمت ۲۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

کالی کہانیاں
جرائم، جادو، شیطان، ازم، ارواح، طنز و مزاح، اسرار و خوف، سسپنس اور تجسس پر مبنی ۲۶ کہانیاں
قیمت ۳۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

بنک ویلوٹ کی چوریاں
مشہور سپر بنک ویلوٹ جو بے قیمت چیزیں گراں قدر معاوضے پر چراتا ہے۔
قیمت جلد اول ۵۰، جلد دوم ۵۰ روپے
ڈاک خرچ فی جلد ۱۶ روپے

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس ۲۳ سعید منزل ۴ میکلوڈ روڈ کراچی ۱

Downloaded from https://paksociety.com

"گوپال چند تمہارا ساتھ کیوں دے رہا ہے؟ دھنی رام جیسا قاتل اور ڈاکو تمہارا وفادار کیوں تھا؟ مولا داد کے گھر پر بیٹھے ہوئے پانچ مسلح آدمی کل رات بھر کیا کر رہے تھے؟"

مسہری پر پڑے ہوئے مراد کی پیشانی پر پسینے کی موٹی موٹی بوندیں ابھر آئیں "تم بہت کچھ معلوم کر چکے ہو۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ پانی میرے سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ میں غدار اور نمک حرام نہیں ہوں۔ میں دولت کے لالچ میں اندھا ہو گیا تھا۔ زندگی بھر کی محرومیوں نے میری آنکھوں پر پردے ڈال دیے تھے۔ میری اس بھول کو معاف کر دو!"

"معافی!" سلطان شاہ یک بیک بھڑ گیا۔ اس نے مراد کی ایک ٹانگ پکڑ کر اسے مسہری سے نیچے گھسیٹ لیا۔ یہ خانے کی محدود فضا مراد کی دل دوز چیخوں سے لرز اٹھی۔ اس کا سر خاصی زور سے فرش سے ٹکرایا تھا۔

"میرا بس چلے تو تمہیں اسی طرح گھوڑے کے سم سے باندھ کر سڑکوں پر گھسیٹا جائے۔" سلطان شاہ نے آخری جھٹکا دے کر اس کی ٹانگ چھوڑ دی۔ اس سے سوکھتے ہوئے زخموں سے دوبارہ تازہ خون جاری ہو گیا۔

"ایسی زندگی سے بہتر ہے کہ تم مجھے گولی ہی مار دو!" وہ روتے اور کراہتے ہوئے بولا۔

"اتنی آسان موت تمہیں نہیں مل سکتی۔" سلطان شاہ غرایا "سب کچھ اگل دو تو کچھ سوچا جا سکتا ہے۔"

"میں نے تمہیں ہر بات بتا دی ہے۔ کچھ اور پوچھنا چاہتے ہو تو وہ بھی پوچھ لو۔"

"اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری نے تمہیں کیا کام سونپا ہوا تھا؟" میں نے سگریٹ سلگا کر سوال کیا۔

اس کے چہرے پر اذیت کے آثار عود کر آئے کیونکہ وہی اس کی سب سے کمزور رگ تھی۔

"سوچ کر جواب دو گے تو جھوٹ بولو گے۔" سلطان شاہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا "بس فی البدیہہ بولنا شروع کر دو۔"

"وہ ایک پرائیویٹ یوتھ فورس قائم کرانا چاہتے تھے۔" وہ تھوک نگل کر بولا۔

"پوری بات بتاؤ!" ویرا تجسس آمیز لہجے میں گرجی "کوئی فرضی کہانی سوچنے کی کوشش مت کرو۔"

"میں نے ان سے کبھی نہیں پوچھا کہ وہ اس فورس سے کیا کام لینا چاہتے ہیں مگر میں جانتا تھا کہ وہ کوئی نیک اور اچھا کام نہیں ہو گا۔ ان کے ذہنوں میں کوئی بڑا منصوبہ پرورش پا رہا تھا۔" اس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

"تم جھوٹے ہو۔ کسی مقصد کو سامنے رکھے بغیر ایسی تربیت کا آغاز کیسے کیا جا سکتا ہے؟"

"میں نے بتایا نا کہ تربیت لینے والوں کو ہر ظلم اور زیادتی کے خلاف ہتھیار اٹھانے اور گوریلا کارروائیوں کے لیے تیار کیا جاتا تھا۔"

"دوسری طرف تم دور افتادہ اور پس ماندہ دیہی علاقوں میں دستاویزی فلموں کے ذریعے ظلم اور زیادتیوں کو اجاگر کرتے پھر رہے تھے۔ صحرا کے ذریعے انہیں بتا رہے تھے کہ شہروں میں بسنے والے کس طرح ان کا استحصال کر رہے ہیں۔"

"پھر بھی تم اتنے معصوم ہو کہ ان کا پورا منصوبہ نہیں سمجھ سکے۔" ویرا نے میری بات آگے بڑھائی۔

"میں سب کچھ سمجھ رہا تھا مگر اس بارے میں ان سے کبھی کچھ نہیں پوچھا۔"

"تم اُلّو کے پٹھے ہو!" سلطان شاہ نے غرا کر اس کی پسلیوں میں ٹھوکر رسید کی "جمیں الفاظ کے گورکھ دھندے میں الجھانے کی کوشش مت کرو۔ ہم ہر قیمت پر تمہاری زبان سے سچ اگلوانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے پسلیاں دبا کر کراہتے ہوئے کہا "صحرا کو میں نے بہت محنت سے قائم کیا تھا۔ وہ میری ذاتی این جی او تھی۔ لوگ ستار ایدھی کو تھیلے بھر بھر کر بے حساب رقمیں دیتے ہیں، مجھے کہیں سے کوئی مدد نہیں مل سکی۔ جب اکرم سے مدد ملی تو اس کے ساتھ کانٹک کے داغ لگے ہوئے تھے۔ میں نے جانتے بوجھتے ہوئے سب کچھ قبول کر لیا۔ کرشن، یوتھ فورس بنانے میں مصروف ہو گیا۔ یوتھ فورس اندرونی علاقوں میں شورش کے لیے قائم کی جا رہی تھی اس کے لیے احتجاج اور بے چینی کی فضا تیار کرنے کا کام میری صحرا کر رہی تھی۔ صحرا کے تنخواہ دار آدمی دور دراز علاقوں میں جا کر تھوڑی سی امداد کے ساتھ لوگوں کے ذہنوں میں بہت ساز ہر اینڈ میل آتے تھے۔"

"گڈ!" سلطان شاہ نے استہزائیہ انداز میں کہا "اب تم راہِ راست پر آئے ہو۔"

"اس کے لیے تم نے ڈاکوؤں اور قاتلوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا؟" ویرا نے پوچھا۔

"مجبوری تھی۔ برے کاموں کے لیے برے لوگوں سے ہی ابتدا کرنی پڑتی ہے۔ بعد میں دوسرے لوگ بھی آنے لگے۔"

"اچھے لوگوں کو تم اپنی راہ سے ہٹاتے رہے؟" سلطان

Downloaded from https://paksociety.com

شاہ نے پہلو بدل کر سوال کیا۔

"بلاوجہ میں نے کسی کی نکسیر تک نہیں پھوڑی کیونکہ میں نے خود وقت کی بہت مار کھائی ہوئی ہے۔"

"غلام رسول کو کس نے مارا تھا؟" سلطان شاہ نے پوچھا

"میں جی آر بھمرو کی بات کر رہا ہوں۔"

"میں نے وجہ کے بغیر کسی کی نکسیر تک نہیں پھوڑی۔" اس نے اپنی پچھلی بات دہراتے ہوئے کہا "اور اپنا راستہ کاٹنے والے کو معاف نہیں کیا۔ میرا موبائل فون نمبر گنے چنے دوستوں کے پاس تھا۔ جب اس پر تم میں سے کسی نے مقبول چوہدری کا پیغام دیا تو میں نے چھان بین شروع کر دی کہ میرا نمبر باہر کیسے نکلا۔ مجھے پتا چل گیا کہ جی آر میرے بارے میں چھان بین کرتا پھر رہا ہے۔ وہ انفار مر تھا۔ میں نے اسے مروا دیا۔"

اس نے خاموش ہو کر فرشی قالین پر اپنی پوزیشن قدرے تبدیل کی پھر اپنی بات جاری رکھی "میں ٹرک میں بھی تم کو بتا چکا ہوں کہ میں پڑھا لکھا ہوں۔ بغاوت، قتل اور غداری جیسے جرائم کی سزا جانتا ہوں مگر خوش حال زندگی گزارنے کے لیے میرے سامنے کوئی راہ نہیں رہی تھی۔ میں نے اپنی پینتیس سالہ زندگی میں کئی کئی وقت فاقوں سے کاٹے ہیں۔ میں اس زندگی سے اکتا گیا تھا۔ برسوں میں نے دو کے سوا تیرے جوڑے کی صورت نہیں دیکھی، پورے حیدر آباد کی خاک پیدل چھانی ہے، رکشے اور ٹیکسی کا سفر میرے لیے ایک خواب تھا کیونکہ میری جیبیں ہمیشہ خالی ہوتی تھیں۔ اکرم کی پیشکش پر میں نے آنکھیں بند کر کے خود کو تقدیر کے حوالے کر دیا۔ آج میری جیبیں بھری ہوئی ہیں اور میں پجیرو کا مالک ہوں۔"

"اور تمہارا ضمیر تمہیں کبھی ملامت نہیں کرتا۔" سلطان شاہ نے پیچھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

وہ یکایک بہت زیادہ جذباتی ہو گیا "سائیں! تم کس ضمیر کی بات کرتے ہو۔ پیٹ چار دن تک خالی رہے تو سب سے پہلے بھوکے کا ضمیر مرجاتا ہے، وہ خود نہیں مرتا..... ڈھیٹ بن کر زندہ رہتا ہے۔ میں نے بھی اسی طرح زندہ رہنا سیکھا ہے۔"

"اور ابھی مزید زندہ رہنا چاہتے ہو!" ویرا نے طنز سے کہا۔

"ہاں۔ اور میں اس کے لیے ہر قیمت ادا کرنے پر تیار ہوں۔ اپنا سب کچھ دے دوں گا۔"

"خالی ہاتھ زندہ رہ کر تم کیا کرو گے۔ پھر وہی دو جوڑے، شہر کی خاک اور کئی کئی دنوں کی بھوک تمہارا مقدر بن جائے گی۔"

"زندگی رہی تو پھر کوئی موقع مل جائے گا۔ اب میں نے زندگی کے دونوں روپ دیکھ اور پرکھ لیے ہیں۔"

"اپنی زندگی کی یہ قیمت تم کسے ادا کرنا چاہتے ہو؟" ویرا نے تمسخر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"تم کو!" اس بار اس نے بلا تردد جواب دیا "میں تمہارے رحم و کرم پر ہوں، تمہارا قیدی ہوں۔ مجھے پتا چل چکا ہے کہ تم فوجی نہیں ہو۔ میں آزادی کے لیے ہر قیمت ادا کرنے پر آمادہ ہوں۔"

"شاید تمہیں یہ معلوم نہیں کہ ہم تمہاری طرح دولت کے بھوکے یا ضرورت مند نہیں ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم مقبول چوہدری کی این جی او پر قبضہ کر کے مالا مال ہو چکے ہو لیکن دنیا میں دولت ایسی شے ہے جس کی طلب کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ پرائی دولت تھوڑی ہو تو بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ اپنا مال کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو جائے، ہمیشہ کم لگتا ہے۔ میں تم سے ہاتھ جوڑ کر التجا کرتا ہوں کہ مجھ سے کوئی سودا کرلو۔"

قدر و قیمت

پبلک لائبریری میں میاں بیوی بیٹھے الگ الگ کتابیں پڑھ رہے تھے۔ بیوی اپنی کتاب لیے اٹھ کر لائبریرین کے پاس پہنچی اور بولی "میں اس کتاب میں سے یہ آرٹیکل فوٹو اسٹیٹ کرا کے تھوڑی دیر میں واپس لا رہی ہوں۔"

"اس کے لیے آپ ضمانت کے طور پر اپنا شناختی کارڈ یا پانچ سو روپے رکھوا جائیں۔" لائبریرین نے کہا۔

"اس کیا کیا ضرورت ہے... وہ سامنے میرے شوہر بیٹھے کتاب پڑھ رہے ہیں۔" خاتون نے اشارے سے بتایا۔

"وہ تو ٹھیک ہے۔" لائبریرین نے شائستگی سے کہا "لیکن ہم چاہتے ہیں کتاب باہر لے کر جانے والا ہی فرد کوئی ایسی چیز چھوڑ کر جائے جس کے لیے وہ لازماً واپس آئے۔ یہ لائبریری کا اصول ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

اس نے ہم تینوں کے سامنے واقعی ہاتھ جوڑ دیے اور ویرا کے ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"دنیا میں ہر ایک دولت کے لیے نہیں جیتا۔" ویرا نے میری اور سلطان شاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "کچھ لوگ ان جیسے بھی ہیں جو دولت کو ہر وقت جوتی کی نوک پر رکھتے ہیں اور پھر بھی سدا خوش رہتے ہیں۔"

بات کسی اور رخ پر نکلتی جارہی تھی۔ میں نے دخل انداز ہوتے ہوئے مراد سے کہا "یہ بتاؤ کہ تمہارے ساتھ زیادہ ہندو کیوں ہیں؟"

"ہندوؤں سے زیادہ مسلمان ساتھ ہیں۔ بس اتفاق ہے کہ وہ تم کو زیادہ نظر آتے ہیں۔"

"کرشن کمار اور گوپال کے علاوہ دھنی رام بھی تم سے بہت قریب تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"پاکستان میں ایک سے ایک محب وطن ہندو رہتا ہے مگر ان میں خوبی یہ ہے کہ وہ اس بارے میں کبھی جذباتی نہیں ہوتے۔ ہر بات بہت صبر اور سکون سے سنتے ہیں اس لیے ان سے بات کرنے میں آسانی رہتی ہے۔ جب وہ پوری بات سن لیتے ہیں تو ذرا آسانی سے قابو میں آجاتے ہیں۔ گوپال چند سے میں اپنے دل کی ہر بات کرلیتا ہوں مگر چمن علی سے نہیں کرسکتا۔"

"حالانکہ دونوں امریکا کے پڑھے ہوئے اور آزاد خیال ہیں۔" ویرا نے پھر ٹانگ اڑادی۔

"تمہیں جو منصوبہ دیا گیا تھا اس کا ٹارگٹ اور ٹائم شیڈول کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"میں تمہاری بات نہیں سمجھا۔" اس نے اپنی پسلیاں سہلاتے ہوئے پلکیں جھپکائیں۔

"جان اسمتھ بھی تمہیں عمر بھر مفت وظیفہ نہیں دے سکتا۔ ہر منصوبے کا کوئی وقت اور ہدف ہوتا ہے' کارکردگی کا معیار ہوتا ہے۔ تمہاری ان سب تیاریوں کے بعد وہ کب تک اور کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

"ہمارے ٹارگٹ کا انحصار کرشن پر ہے۔ وہ نیا چھور کے جنگلوں میں چھوٹا سا کیمپ چلا رہا ہے۔ ابھی تک ڈیڑھ سو لڑکے تیار ہوئے ہیں۔ جس دن ہماری یوتھ فورس کے تین ہزار آدمی تیار ہوں گے' سب کو پتا چل جائے گا یوتھ فورس میدان میں آچکی ہے۔"

"ہتھیار اٹھا کر میدان میں اتر آنے کو بغاوت کہا جاتا ہے۔ کیا تم اسی کی تیاریاں کررہے ہو؟"

"تم اسے جو نام چاہو' دے لو۔ جان اسمتھ لوگوں کو ظلم اور ناانصافی کے خلاف منظم کرنا چاہتا ہے۔"

"جان اسمتھ دوسرے ملک اور برا عظم کا باشندہ ہے۔ اسے یہاں کے مظلوموں سے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟ کیا اسے امریکا کے مظلوم اور پسے ہوئے لوگ نظر نہیں آتے جو کڑکتے ہوئے جاڑوں کی سرد راتیں گتے کے ڈبوں میں بند ہو کر گزارتے ہیں اور طوفانی بارشوں سے بچنے کے لیے عظیم الشان فلائی اوورز کے نیچے پناہ لیتے ہیں۔" اس بار ویرا نے بہت مناسب مثالیں دیں۔

"وہ مجبوراً میدان میں آیا ہے۔ اس سے پہلے اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری یہی کام کررہے تھے۔"

"کیا یہ موٹی سی بات اب بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آئی کہ ان دونوں کا اپنا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کے سرمائے پر پل رہے تھے اور اسی میں سے تم کو تمہارا حصہ دے رہے تھے۔"

"اس وقت بہت سی باتیں سمجھ میں آرہی ہیں۔ یہ میں وہ سب بتا رہا ہوں جو پہلے میں سمجھتا تھا۔ اس وقت میں نے جان بوجھ کر کسی بات کی گہرائی میں جانے کی کوشش نہیں کی۔ شاید مجھے معلوم تھا کہ ہر گہرائی میں گندہی گند ملے گا۔"

"تم بیچ میں سے نکل گئے تو کرشن بھی بھی یوتھ فورس کا منصوبہ مکمل نہیں کرسکے گا....."

مراد نے میری بات کاٹ دی اور فضا میں ہاتھ اٹھا کر کہا "تم تینوں نے باتیں کرکے مجھے تھکا دیا ہے' میرے دماغ کی چولیں تک ہل گئی ہیں۔ تم مجھ سے اعتراف در اعتراف کرائے جارہے ہو' میری بات کا کوئی جواب نہیں دیتے۔"

"تمہیں اپنی بات کا جواب بھی مل جائے گا۔ ہمیں تمہاری پیشکش پر مشورہ کرنا پڑے گا۔ بس کرشن کے بارے میں ہمارے چند سوالوں کے جواب اور دے دو پھر تمہیں آرام کا وقفہ مل جائے گا۔"

"مجھے تم سے کسی بھلائی کی امید نہیں ہے۔" اس کی آواز میں مایوسی در آئی "مگر میں پھر بھی تمہاری زبان سے تمہارا فیصلہ سننا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے تم اپنی خواہش پوری کرلو۔ کرشن میرے ساتھ مل کر تیزی سے کام کررہا تھا' میرے بغیر اس کی رفتار سست ہوجائے گی مگر وہ کام کرتا رہے گا کیونکہ یہ اس کا مشن بھی ہے۔"

"کیا وہ جان اسمتھ کو جانتا ہے؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا "یہ اس کا مشن کیسے ہوگیا؟"

"جان اسے پہچاننے سے بھی انکار کردے گا۔ وہ لوگ روٹین سے ہٹ کر کوئی کام نہیں کرتے۔ کرشن بھارتی ایجنٹ

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔ اسے یہاں لائن مل گئی ہے۔ رقم اور ہتھیاروں کے لالچ میں لڑکے اس کی طرف جا رہے ہیں۔ وہ اپنے فنڈز سے کام کرتا رہے گا۔"

مراد کے انکشاف پر میں نے بہت مشکل سے اپنا غصہ ضبط کیا اور پوچھا "تم یہ بات پہلے سے جانتے تھے؟"

"نہ جانتا ہوتا تو شاید اکرم الٰہی کی دی ہوئی ذمے داریوں کو آسانی سے قبول نہ کرتا۔"

میں خاموشی سے واپسی کے لیے مڑا ہی تھا کہ اس نے احتجاج کرنا شروع کر دیا "تم وعدہ خلافی کر رہے ہو۔ مجھے اپنا فیصلہ سناؤ اور نیچے سے اٹھا کر مسہری پر لٹاؤ۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں از خود اٹھنے بیٹھنے کے قابل نہیں ہوں۔"

اس کا دوسرا مطالبہ جائز تھا۔ سلطان شاہ نے بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے اٹھانے کی کوشش کی تھی کہ اس نے اذیت سے چیخنا شروع کر دیا۔ جھٹکے سے اسے نیچے کھینچ لینے کی بات اور تھی لیکن احتیاط سے اسے ہلانا جلانا بھی دشوار تھا۔ سلطان شاہ نے اسے دوبارہ فرشی قالین پر ڈال دیا اور ہاتھ جھاڑتا ہوا الگ ہو گیا۔

"تم نے اپنی جو رام کہانی سنائی ہے اس پر خود غور کر لینا۔" میں نے نکاس کے راستے پر رک کر اس سے کہا "تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ تمہارے لیے ہم کیا فیصلہ کر سکتے ہیں۔"

"مجھے سب اندازہ ہے۔ میں تمہارا ارادہ جاننا چاہتا ہوں...." وہ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا مگر ہم تینوں ہی وہاں سے نکل گئے۔

"یہ میری توقع سے زیادہ بے ضمیر آدمی ثابت ہوا ہے۔" لفٹ میں سلطان شاہ نے کہا۔

"غنیمت ہے کہ ایسے لوگوں کی رسی زیادہ دراز نہیں ہونے پاتی۔ وہ جلد ہی مکافاتِ عمل سے دوچار ہو جاتے ہیں۔" میں نے دھیرے سے کہا "یہ بھی اب ہمارے رحم و کرم پر ہے۔ جب چاہو اس کا کام تمام کر سکتے ہو۔"

"تم نے ایک فیصلہ کر لیا ہے تو پھر اسے پالنے سے کیا فائدہ؟ ابھی اس کا قصہ ختم کر دیا ہوتا۔" ویرا بولی۔

"اول خان ہمارا مخلص ساتھی ہے۔ اس کے مشورے کے بغیر میں ایسا قدم نہیں اٹھا سکتا۔"

اتنی دیر میں لفٹ دوسری منزل پر پہنچ کر رک چکی تھی۔ ہم تینوں نکل کر اپنے اپنے کمروں کی طرف بڑھ گئے۔

○

شام ہوئی اور ویرا نے محدود پیمانے پر اپنے شغل کا آغاز کر دیا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس نے سارا ساز و سامان میز پر سجانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کیبنٹ میں سے ایک گلاس لے کر خاموشی سے کرسی پر آ بیٹھی تھی۔

مجھے اندازہ تھا کہ مے نوشی کی عادت پختہ ہو اور آدمی کی قوتِ ارادی ذرا بھی کمزور ہو تو خون میں الکحل کی سطح گرتے ہی جسم اور ذہن کا ایک ایک حصہ اسے سانرو مینا کے تعاقب پر اکسانے لگتا ہے اور ویرا اسی کمزوری میں مبتلا تھی۔ اسے حیرت تھی کہ میں نے نوشی ترک کرنے کا فیصلہ کر کے اس پر کیسے قائم تھا۔

"مائیکرو سینٹر میں قیام میں جہاں بہت سے فائدے ہیں وہاں ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ مقبول نے یہاں شراب کا وافر ذخیرہ جمع کیا ہوا ہے جو تمہیں ہر وقت پینے کی ترغیب دیتا رہتا ہے۔" میں نے ویرا کے چہرے پر نظریں جما کر سنجیدگی سے کہا۔

"یہ نہ بھولو کہ میں یہاں سے جو سربند بوتلیں اپنے ساتھ حیدر آباد لے گئی تھی، وہ اسی حالت میں واپس آئی ہیں۔ ذخیرہ ہونے یا نہ ہونے سے میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔" اس نے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر کہا۔

"وہاں ہم جن حالات سے گزر رہے تھے ان میں تم بوتل کو ہاتھ لگانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ ہم سب کے

مکرر

کامل اپنے بچوں کے لیے ہانگ کانگ کا بنا ہوا ایک کھلونا طوطا لائے۔ اس کے سامنے جو کچھ بولا جاتا تھا، وہ پر پھڑپھڑاتے ہوئے اسے دہراتا تھا۔ ابھی بچے آزمائشی طور پر ہی اس کے سامنے دو چار جملے بول کر اسے بولتے سن رہے تھے کہ وہ میز سے گر پڑا۔ بظاہر تو وہ ٹھیک ہی لگ رہا تھا لیکن اس نے پھڑپھڑانے بند کر دیے۔ کامل کی بیوی نے اسے دوبارہ ڈبے میں پیک کرتے ہوئے کہا "آپ یہ دکان دار کو واپس کر آئیں۔ اس سے کہیے گا کہ اس نے خراب پیس دیا ہے۔ اسے یہ مت بتائیے گا کہ یہ میز سے گر گیا تھا۔"

دوسرے ہی لمحے ڈبے میں سے آواز آنے لگی "میز سے گر گیا تھا.... میز سے گر گیا تھا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

اعصاب پر سلطان شاہ کی واپسی کا مسئلہ چھایا ہوا تھا۔ تم بھی اس سے محفوظ نہیں تھیں۔"

"سلطان شاہ کے بارے میں' میں اب بھی فکر مند ہوں۔" وہ بولی "اس نے اپنے اوپر ہونے والے تشدد کو چھپایا ہے۔ اس کی چال میں ہلکی سی لنگڑاہٹ تو تم نے بھی نوٹ کی ہوگی۔"

"اس کی چوٹیں اس سے زیادہ ہیں جو نظر آرہی ہیں۔" میں نے اس کی تائید کی "تم ہی اس کی مزاج پرسی اور دیکھ بھال کرسکتی ہو۔ وہ مجھے یا غزالہ کو کچھ بھی نہیں بتائے گا' خاموشی سے تکلیف برداشت کرتا رہے گا۔"

"میں ایک کوشش کرچکی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے انکشاف کیا "مشکل یہ ہے کہ وہ میری نیت پر شبہ کرتا ہے۔ وہی کیا' اب تو تم بھی ہر وقت مجھ سے دور بھاگنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہو۔"

ہماری وہ گفتگو جاری تھی کہ اول خان آ پہنچا۔ وہ خاصا بشاش نظر آرہا تھا۔ اس نے آتے ہی اطلاع دی کہ حامد نہ صرف میرپور خاص سے لوٹ آیا تھا بلکہ اپنے ساتھ کرشن کمار کی کچھ تصاویر بھی لے آیا تھا جن کی مدد سے اسے گھیرنے کی کوشش کی جاسکتی تھی۔

"مولا داد اور اس کے پانچ مسلح ساتھیوں کا سراغ نہیں ملا؟" ویرا نے اس سے پوچھا۔

"وہ سب خوف زدہ ہو کر روپوش ہوچکے ہیں۔ حسن اور گلو کی موت نے پورے شہر میں خوف و ہراس پھیلا دیا ہے۔"

"خوف و ہراس کیوں ہے؟ ہمارا تو اندازہ تھا کہ لوگ ان سے خوش نہیں تھے۔"

"لوگ کسی سے کتنے ہی ناخوش بلکہ خوف زدہ کیوں نہ ہوں' اس کی موت پر خوش نہیں ہوتے۔ ہر زبان پر ایک ہی سوال ہے کہ کن لوگوں نے ان جیسے شورہ پشتوں کو اتنی آسانی اور خاموشی سے ٹھکانے لگایا ہے۔"

"پولیس نے اس واقعے کو کس انداز میں ریکارڈ پر لیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہاں مراد اور کرشن کمار کا بہت اثر و رسوخ ہے۔ حامد کے مطالبے کے باوجود پولیس نے ان دونوں کے قتل کا سہرا اپنے سر لینے سے انکار کردیا۔ وہ واقعہ نامعلوم افراد کے کھاتے میں ڈالا گیا ہے۔ اچھی بات یہ ہے کہ خوف کی وجہ سے وہ لوگ بھی اپنی زبانیں بند رکھیں گے جنھوں نے ہمیں جائے واردات سے باہر آتے ہوئے دیکھا تھا؟"

"یہ بہت افسوس ناک بات ہے کہ کہیں کہیں مجرم قانون کے محافظوں کے لیے بھی ہوّا بن جاتے ہیں۔"

"لیکن اس پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی جاسکتی۔ حامد کو سیدھا سا جواب ملا کہ جب پولیس والوں نے سرے سے کوئی کارروائی نہیں کی تو انہیں اس قصے میں کیوں ملوث کیا جائے۔ وہ لاجواب ہوگیا۔" اول خان نے بتایا۔

"یہی غنیمت ہے کہ انہوں نے حامد کی بات سن لی۔" ویرا نے ہنس کر کہا "وہ تفتیش کے لیے اسے روکنے کا اختیار رکھتے تھے۔"

"کوئی قانونی موشگافیوں پر اتر آئے تو بے شمار مسائل پیدا ہوجاتے ہیں۔ دراصل کسی بھی صورتِ حال کا انحصار تھانے دار کے مزاج اور حوصلے پر ہوتا ہے۔ حامد وہاں سے ناخوش لوٹا ہے۔"

"اچھا ہوا کہ ہم اپنے بندوبست کے ساتھ وہاں گئے تھے۔ آڑے وقت میں وہاں کسی مدد کی ضرورت پیش آجاتی تو ہمیں تارے نظر آسکتے تھے۔" ویرا نے کہا "بہرحال اب تو اس معاملے کو داخل دفتر ہی سمجھنا چاہیے۔ مراد ہمارے قبضے میں ہے۔ اس کے تمام ساتھی زیرِ زمین جا چکے ہیں۔ حسن اور گلو کے لیے کوئی بھی پیروی کرنے نہیں آئے گا۔"

"تم شاید اس وقت اسی بات کا جشن منا رہی ہو!" اول خان اس کے گلاس کی طرف اشارہ کرکے بولا۔

"یہ مائیکرو سینسر کی خرابی ہے۔" ویرا نے پہلے میں نے جواب دیا "ابھی تک ہم یہاں مراد کے چنگل میں رکے ہوئے تھے کہ وہ نجانے کب فریڈم انٹرنیشنل کے فون پر مقبول چوہدری سے رابطہ قائم کر بیٹھے۔ اب وہ کھیل ختم ہوچکا ہے۔ صبح ہم اپنے گھر چلے جائیں گے۔"

"گھر کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ چاہو تو اسی وقت گلشن اقبال چلے جاؤ مگر جانے سے پہلے مجھے اپنے ساتھ مراد سے ملوا دو۔ وہ کس حال میں ہے اور کیا کہہ رہا ہے۔" اول خان نے بے تکلفانہ خوش دلی سے کہا۔

"بُرے حال میں اور مایوس ہے۔ اس کی ساری تیزی و طراری کافور ہوچکی ہے۔" میں نے اسے آگاہ کیا "اس نے شروع سے آخر تک سارے اعترافات کرلیے ہیں جن میں کرشن کا بھارتی ایجنٹ ہونا بھی شامل ہے۔"

میں اسے مراد کے بارے میں بتاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اول خان کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ حامد کے جگر خراش تشدد کے بعد مراد نے مزید کسی محنت کے بغیر سب کچھ اگل دیا تھا۔ اس کے بیان کی روشنی میں صحرا کے رہے سہے اثرات کو ختم کیا جاسکتا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

ہم دونوں لفٹ کے ذریعے تہ خانے میں پہنچے تو دل کو شدید دھچکا لگا۔ وہاں ایک عبرت ناک منظر ہمارا منتظر تھا۔ تہ خانے کا پورا قالین خون کے لوتھڑوں میں چھپا ہوا تھا اور اس خونی تالاب کے وسط میں مراد کی بے نور لاش پڑی ہوئی تھی۔ ہلدی کی طرح زرد چہرے پر اس کی پھٹی ہوئی آنکھوں میں آخری لمحوں کی ایسی دردناک اذیت ثبت ہو کر رہ گئی تھی کہ زیادہ دیر تک ان آنکھوں میں دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

اس زیر زمین کمرے کا ایک بڑا آئینہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اس کا ایک تیز دھار ٹکڑا خون کے لوتھڑوں کے درمیان پڑا ہوا تھا۔ مراد نے وہ آئینہ توڑ کر اس کے ایک ٹکڑے سے اپنی بائیں کلائی اور گردن کی کئی رگیں کاٹ لی تھیں جن سے اس کے جسم کا سارا خون بہہ کر قالین پر پھیل گیا تھا۔ اس نے اپنی خودکشی کے لیے بہت سست اور اذیت ناک طریقہ اختیار کیا تھا۔

"خس کم جہاں پاک!" اول خان دھیرے سے بڑبڑایا "اس نے خود اپنے لیے سزا کا انتخاب کرلیا۔ ہم اسے ایسی سزا دینے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ ہم زیادہ سے زیادہ اس کے سینے میں ایک دو گولیاں اتار دیتے۔"

"اس کی باتوں سے اندازہ ہوگیا تھا کہ اس کی زندگی کی ہر آس ٹوٹ چکی ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "مگر میں نے یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ مراد اتنی خاموشی سے اپنی جان لے لے گا۔"

"وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو چکا تھا ورنہ اس بے سرو سامان تہ خانے میں بھی اسے آسان تر خودکشی کا کوئی ذریعہ مل سکتا تھا۔ یہ انسان کے اپنے اعمال ہوتے ہیں جو اس کو کسی بہتر یا بدتر انجام کی طرف دھکیلتے رہتے ہیں اور پھر اسے قبر میں پہنچا دیتے ہیں۔

"چند دنوں میں جہنمی روحوں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "اور وہ سب ہی مراد ظریف کی شناسا تھیں۔ اکرم الٰہی، مقبول چوہدری، دھنی رام، حسن اور گلو، سب اسی کی وجہ سے مارے گئے ہیں۔"

وہ ایک حقیقت تھی جسے دہراتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ کوئی ایک شخص غلط راستے پر چل رہا ہو تو وہ اپنے ساتھ کتنے لوگوں کو لے ڈوبتا ہے۔ اول خان نے جھک کر اس کے زرد بلکہ تاریک چہرے پر ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں کے پپوٹے بند کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ پتھرائی ہوئی آنکھوں کے پپوٹے اپنی جگہ منجمد ہوگئے تھے۔ اس کے خون کے تتے ہوئے لوتھڑوں سے بھی اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے خودکشی کیے کافی دیر ہو چکی تھی جس کی وجہ سے لاش کے سارے عضلات سرد ہو چکے تھے۔

ہم دونوں خاموشی کے ساتھ نیچے رکی ہوئی لفٹ کی طرف چل دیے۔

کسی کے لیے بھی مراد کی موت کی خبر متوقع نہیں تھی مگر اس کے لیے ان تینوں کے جذبات نفرت آمیز تھے۔ سلطان شاہ اس کے ہاتھوں مار کھا چکا تھا۔ ویرا اور غزالہ سلطان شاہ کی وجہ سے اس سے متنفر تھیں۔ وہ تینوں ہی مراد کی لاش دیکھنے کے لیے چل دیے۔ ویرا جاتے ہوئے اپنا اسکاچ کا گلاس بھی ساتھ لیتی چلی گئی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ مجھے تمہارے مشورے پر عمل کرنا پڑے گا۔ مراد کی ڈراؤنی لاش کے ساتھ مائیکرو سینٹر میں رات بسر کرنے سے بہتر ہے کہ ہم اسی وقت اپنے گھر روانہ ہوجائیں۔" میں نے کہا "ویرا پینے کے بعد بے سدھ ہو کر سو جائے گی مگر غزالہ رات بھر چونکتی رہے گی۔ اس کا دل بہت گداز ہے۔ وہ دشمن کے لیے بھی ایسا انجام نہیں سوچ سکتی۔"

"بالکل چلے جاؤ۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں مگر یہ بتا دوں کہ اس کی لاش رات بھر یہاں نہیں پڑی رہے گی۔ لاش کو اسی وقت مردہ خانے بھیج کر تہ خانہ صاف نہ کروایا گیا تو وہاں خون کی بُو رچ جائے گی۔"

مراد کی خودکشی کا واقعہ اتنا سنگین تھا کہ ہم ان تینوں کی واپسی تک اسی کے بارے میں بات کرتے رہے۔ جائے واردات کا منظر دیکھ کر ان کی طبیعتیں بھی مکدر ہوگئی تھیں مگر وہ موضوع زیادہ دیر تک نہ چل سکا۔ میرے موبائل فون کی گھنٹی نے سب کو خاموش کردیا۔ میں نے کال وصول کی تو دوسری طرف اینیلی جنس بیورو والا جلال بول رہا تھا۔

"تم کہاں غائب ہو؟ میں تین مرتبہ تمہارے گھر فون کرچکا ہوں۔ گھنٹیاں بج رہی ہیں مگر کوئی جواب نہیں مل رہا۔" میری آواز سنتے ہی جلال نے اپنائیت بھرے لہجے میں شکوہ کیا "اب گھر آیا ہوں تو نوٹ بک سے نمبر لے کر موبائل پر کوشش کی ہے۔"

"میں شاید تمہیں بتانا بھول گیا تھا۔ دو راتوں سے ہم اپنے گھر پر نہیں ہیں...."

"کیوں؟ خیریت تو ہے؟ کیا وہاں کسی قسم کا خطرہ محسوس کر رہے ہو؟" اس نے میری بات کاٹ کر ایک سانس میں تین سوال کر ڈالے۔

میں ہنس پڑا "کوئی خطرہ نہیں ہے۔ بس ذرا مراد ظریف

Downloaded from https://paksociety.com

والے چکر میں الجھے ہوئے تھے۔"

"میں خود بھی اس کی طرف سے فکر مند ہوں۔ اس کی جان امتحہ سے ملاقات ریکارڈ پر ہے۔ اب ہر شخص اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ جاننا چاہتا ہے۔ میرے پاس صرف اتنی اطلاع ہے کہ وہ حیدر آباد میں کہیں روپوش ہے۔ اس کے کئی رابطے بھی نظروں میں آچکے ہیں مگر مراد کے سامنے آنے سے پہلے ان کو چھیڑنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔"

"وہ کل رات سے ہمارے قبضے میں تھا اور اب سے تھوڑی دیر پہلے اپنی دو شہ رگیں کاٹ کر خود کشی کر چکا ہے۔"

"خود کشی کر چکا ہے؟" اس نے بے یقینی سے دہرایا "جلدی سے تفصیلات سناؤ الو۔"

میں نے چین علی کے ذریعے مراد کے ٹھکانے کی نشاندہی سے اس کی خود کشی تک کے واقعات کا خلاصہ اسے سنا ڈالا۔

"تم بہت تیزی سے کام کر رہے ہو۔ یہ بات ذرا ناقابل یقین سی ہے کہ تم سے ٹکرانے والا ہر شخص کسی نہ کسی طرح موت کے منہ میں پہنچ جاتا ہے۔ کیا یہ سچ ہے کہ مراد ظریف نے خود کشی کی ہے۔"

"تمہارے آدمی صبح سرکاری مردہ خانے میں اس کی لاش دیکھ سکتے ہیں۔ چاہو تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی منگوائی جاسکتی ہے۔"

"اوہ۔ شاید تم بُرا مان گئے۔ میں حیران ہوں کہ اتنی جلدی اس کا قصہ ختم ہوگیا۔"

"مجھے تو حیران ہونے کا موقع بھی نہیں مل سکا۔ میں اس سے ملنے گیا تو وہ خود کشی کر چکا تھا۔"

"ہائیں۔ تو کیا تمہیں اس سے پوچھ گچھ کرنے کا موقع بھی نہیں مل سکا؟"

"پوچھ گچھ ہو چکی تھی۔ اس سے وہ دل برداشتہ تھا۔ میں اول خان کو اس سے ملوانے کے لیے لے گیا تو وہ مر چکا تھا۔"

"وہ فورز فاؤنڈیشن والوں کے لیے کیا کام کر رہا تھا؟" جلال کی آواز سے بے صبری عیاں تھی۔

"مسلح شورش کی تیاری۔ اس میں تین ہزار تربیت یافتہ دہشت گردوں کی تیاری بھی شامل ہے۔"

وہ مراد ظریف کی کہانی کا دوسرا حصہ تھا۔ جلال کے لیے وہ حصہ بہت اہم تھا۔ میں نے اس سازش کے بارے میں حاصل ہونے والی تمام معلومات تسلسل کے ساتھ دہرانی شروع کردیں۔

"وہ تین ہزار کی نفری کے ساتھ ریاست سے ٹکرا جانے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ تو ان کی تربیت کا معیار بھی بہت اونچا ہوگا۔ یہ کوئی اچھی خبر نہیں ہے کہ ہماری سرحد کے قریب ایسے ڈیڑھ سو لڑکے تیار ہو چکے ہیں۔" پوری بات سن کر وہ تشویش میں مبتلا ہوگیا۔

"میں تم سے پوری طرح متفق ہوں۔ ایسی تربیت مکمل کرنے والے آخری سگنل کے انتظار میں خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ اپنے گزارے بلکہ عیاشیوں کے لیے کچھ نہ کچھ غیر قانونی کام کرتے رہیں گے۔ میں امن وامان کے سنگین مسائل کو سر ابھارتا دیکھ رہا ہوں۔"

"تربیت کے بعد ان دہشت گرد لڑکوں کو کہاں رکھا جاتا ہے؟" جلال کی آواز قدرے سکوت کے بعد ابھری تھی۔

"یہ معلوم ہوتا تو میں اس وقت وہیں ہوتا۔ میرا اندازہ ہے کہ انہیں آزاد اور بے لگام چھوڑ دیا جاتا ہوگا۔ یہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں بہت سے شہروں میں پھیلے ہوئے ہو سکتے ہیں۔"

"یہ ڈیڑھ سو تو وقت کے ساتھ خود بہ خود ختم ہو جائیں گے۔" جلال کی پر امید آواز ابھری "مراد کی خود کشی کے بعد تربیت کا سلسلہ ٹوٹ جائے گا۔ ہم بھی ان علاقوں پر اپنی توجہ زیادہ مرکوز رکھیں گے۔"

"مراد کی موت کے بعد بہت سے سلسلے دم توڑ جائیں گے مگر دہشت گردوں کی تربیت کا سلسلہ جاری رہے گا کیونکہ یہ کام ایک خطرناک آدمی نے سنبھالا ہوا ہے اور وہ بھارتی ایجنٹ ہے۔" میں نے اس کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے کہا۔

"بھارتی ایجنٹ!" اس کی آواز سے اندازہ ہوا کہ ان الفاظ نے اسے چونکا دیا تھا "یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"اس وقت ہر بات اس کے اعترافات یا حقائق کے حوالے سے کر رہا ہوں۔ اس نے خود بتایا تھا کہ کرشن کمار نامی ایک بھارتی ایجنٹ یوتھ فورس بنانے کا کام کر رہا ہے۔"

"اور اس کا مرکز نیا چھور میں ہے؟" جلال کا لہجہ تائید طلب تھا۔

"تربیتی مرکز نیا چھور میں ہے لیکن کرشن کمار کا ایک مکان میرپور خاص میں بھی ہے۔ وہ خود وہاں نہیں رہتا۔ وہ لھر مراد اور اس کے ساتھیوں کے استعمال میں رہتا تھا۔" میں نے کہا "وہ خود کھوکھراپار میں رہتا ہے۔"

"یہ سب ہمارے اپنے علاقے ہیں۔ ہم چند روز میں انہیں چھان ڈالیں گے۔"

"کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا ورنہ مراد کے لگائے ہوئے زخم رفتہ رفتہ ناسور بن جائیں گے۔"

"کرشن کمار کا نام میں نے ذہن نشین کرلیا ہے۔ وہ زیادہ

Downloaded from https://paksociety.com

دیر تک آزاد نہیں رہ سکے گا۔"

"بس یہ خیال رکھنا کہ وہ پیشہ ور آدمی ہے۔ اس نے مراد جیسے لوگوں سے دوستیاں پیدا کرکے اپنا ایک نیٹ ورک بنایا ہوا ہے۔ اسے خطرے کی بھنک بھی مل گئی تو وہ سرحد پار نکل جائے گا۔"

"وہ بھارتی ایجنٹ ہے تو سرحد پار کرتا رہتا ہوگا۔ اسے صرف مکاری سے ہی پکڑا جاسکتا ہے۔"

"کل سے رہ رہ کر میرے ذہن میں خیال آرہا ہے کہ جارحیت ہی بہترین دفاع کی ضامن ہوتی ہے۔ ہمیں اپنے گھر کو بچانے کے ساتھ دشمن کے گھر کو پھونکنے کی کوششیں بھی کرنی چاہئیں۔"

"اگر تم سرحد پار جاکر کام کرنے کا ارادہ کررہے ہو تو میں تمہیں بہت سی سہولتیں دلا سکتا ہوں۔ اس نے فوراً ہی پیش کش کر ڈالی "ہمارے بعض بہترین آدمی پہلے سے وہاں کام کررہے ہیں۔ وہ پوری طرح تمہارا ساتھ دیں گے۔"

میں بے ساختہ ہنس پڑا "میں اتنا عجلت پسند نہیں ہوں۔ ابھی میں نے سوچنا شروع کیا ہے۔ کوئی فیصلہ کرلیا تو تمہیں ضرور آگاہ کروں گا۔ اس وقت میرے سامنے کچھ اور کام بھی پھیلے ہوئے ہیں۔"

"اگر مناسب سمجھو تو ان کاموں کے بارے میں بھی کچھ بتاتے چلو!"

"فورڈ فاؤنڈیشن والوں نے چار افراد کو مراد ظریف کی مدد پر مامور کیا تھا۔ ابھی ان میں سے دو باقی ہیں۔ کوئی اور کام کرنے سے پہلے میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ دونوں مراد کے کاموں میں کہاں تک ملوث تھے اور اب کیا کررہے ہیں۔"

"باقی دو کا انجام کیا ہوا؟" جلال کی آواز میں دلچسپی عود کر آئی۔

"چمن علی اور گوپال چند کے بارے میں' میں تمہیں بتاچکا ہوں۔ ایک شریف آدمی ہے۔ گوشہ نشین ہوجائے گا۔ دوسرے کی ٹانگیں چھلنی کی جاچکی ہیں۔ وہ شاید زندگی بھر اپنی معذوری پر کڑھتا رہے گا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"میں ہمیشہ کی طرح تمہاری اور اول خان کی کامیابی کے لیے دعاگو رہوں گا۔ تم دونوں مل کر دن رات اس قوم کی جو خدمت کررہے ہو' اس پر ہم سب کے سر فخر سے بلند ہیں۔" جلال کا لہجہ ممنونیت سے لبریز تھا۔

جلال سے میری بات ختم ہوتے ہی سلطان شاہ بول پڑا "اب تم دو چار دن آرام بھی کرلو۔ ایسا نہ ہو کہ سپرمین بننے کی کوشش میں لمبے ہی پڑجاؤ۔ ان دونوں سے چند روز بعد بھی نمٹا جاسکتا ہے۔"

"فکر مت کرو۔ تمہارے چہرے سے سوجن کے خاتمے تک میں آرام ہی کروں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ابھی تو اول خان نے مجھے ان دونوں کے پتے بھی فراہم نہیں کیے ہیں۔"

"چمن علی سے ملاقات کے بعد مجھے وقت ہی نہیں مل سکا مگر میں نے وہ پرچا اپنے ایک آدمی کو دے دیا تھا۔ اب تک وہ ان کے بارے میں معلومات حاصل کرچکا ہوگا۔ میں ابھی فون پر اس سے معلوم کیے لیتا ہوں۔"

"اتنی پھرتی نہ دکھاؤ۔" ویرا نے اسے ٹوک دیا "پتے ملتے ہی ڈینی کے پیروں پر سفر سوار ہوجائے گا۔ ان چاروں میں سے صرف چمن علی ہی کراچی میں رہتا ہے۔ باقی تینوں فون نمبر کراچی سے باہر کے تھے۔ ہمیں ایک دو راتیں اپنے گھر میں بھی گزارنے دو۔"

میری یاددہانی پر اول خان کا تجسس بیدار ہوچکا تھا۔ ان دونوں کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جاتا یا انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا' یہ معلوم ہونا ضروری تھا کہ وہ کون تھے' ان کا پس منظر کیا تھا اور ان دنوں وہ کیا کررہے تھے۔

اول خان نے فوراً ہی اسٹیشن فون میں کسی سے بات کی اور کاغذ پر کچھ لکھنے میں مصروف ہوگیا۔ چند ثانیوں بعد اس کی تحیر زدہ آوازوں نے سب کی توجہ مبذول کرالی۔ وہ نواب شاہ کے بارے میں اپنے آدمی سے بار بار حیرت کا اظہار کررہا تھا۔

چند منٹ کی گفتگو کے بعد اس نے فون بند کیا اور ہمیں بتایا کہ ان دونوں میں سے ایک نام نواب شاہ کے اسی وڈیرے کے لڑکے کا تھا جس کے گھر میں دھنی رام نے ڈکیتی کی واردات کی تھی اور اس دوران میں گھر کے کئی افراد کو گولیوں سے بھون ڈالا تھا۔ دھنی رام کے ڈاکے میں مرنے والوں میں وہ لڑکا بھی شامل تھا جس کا نام اکرم الٰہی کی بتائی ہوئی فائل میں موجود تھا۔

وہ چونکا دینے والی اطلاع تھی اس لیے اول خان نے پہلے اسی کا ذکر کیا اور سب اس بارے میں بحث میں الجھ گئے۔

یہ بات قابلِ توجہ تھی کہ فورڈ فاؤنڈیشن کے خطوط میں اس رئیس زادے کو مراد کا طاقت ور حریف اور حامی قرار دیا گیا تھا جب کہ اس کو قتل کرنے والا مراد کا دستِ راست تھا۔

"ہوسکتا ہے کہ ناموں کی یہ مشابہت اتفاقیہ ہو۔ وہ دونوں الگ الگ شخصیات ہوں۔" ویرا نے کہا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"تم تیسرا گلاس خالی کرنے والی ہو' اس لیے تمہیں سات خون معاف ہیں۔" سلطان شاہ نے تیزی سے جواب دیا "نام یکساں ہوسکتے ہیں۔ فون نمبر ایک نہیں ہوسکتے۔ یہاں معاملہ فون نمبر سے شروع ہوا تھا۔ مغالطے کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

"لیکن دھنی رام کو اپنے آقا کے ایک حامی کو ٹھکانے لگانے کی کیا ضرورت تھی؟" ویرا نے سوال کیا۔

"وہ قصہ قدرے پرانا ہے۔" اول خان نے سوچتے ہوئے جواب دیا "ضروری نہیں کہ فورڈ فاؤنڈیشن یا سی آئی اے والوں کا ہر تجزیہ درست ہو۔ اس نے مراد کے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کردیا ہو..."

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ مراد نے اس کے انکار کا بدلا لینے کے لیے دھنی رام کو اس پر چڑھائی کے لیے بھیج دیا۔" سلطان شاہ نے اس کی بات درمیان سے اچک کر تحیر زدہ لہجے میں کہا "دھنی رام نے وہاں ڈاکا ڈالا۔ خون ریزی کی اور اس گھرانے کو انکار کا مزہ چکھا کر فرار ہوگیا؟"

"واقعات سے یہی ثابت ہورہا ہے۔ چمن علی نے بھی بتایا تھا کہ مراد بات بات پر دھمکی آمیز رویہ اختیار کرلیتا تھا۔" میں نے ان دونوں کی تائید کی "اس سے کوئی بات بعید نہیں تھی۔"

"ایک آدمی کو سزا دینے کے لیے اس کے گھرانے کے سات آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دینا کھلی بربریت ہے۔" غزالہ پھریری لے کر بولی "کوئی صحیح الدماغ آدمی یوں بلاوجہ خون کی ہولی نہیں کھیل سکتا۔"

"مراد اور دھنی رام کے لیے سب کچھ ممکن تھا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "حقائق تمہارے سامنے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ دھنی رام کو اپنے اصل شکار تک پہنچنے کے لیے چھ خون کرنے پڑے ہوں۔ تب وہ ساتویں کو گرانے میں کامیاب ہوا ہو یا پھر اس نے سامنے آنے والی پوری بھیڑ کو ہی اندھا دھند گولیاں چلا کر بھون ڈالا ہو۔"

"کوئی واقعہ دوسرے واقعے سے الگ نہیں ہوتا۔" سلطان شاہ گہرا سانس لے کر بولا "سب کڑیاں ایک دوسرے کے ساتھ یوں جڑی ہوئی ہوتی ہیں کہ کسی ایک کڑی کو بھی الگ نہیں کیا جاسکتا۔ دھنی رام اپنی اسی واردات کے بعد مفرور قرار دیا گیا تھا اور وہی اس کی شناخت بن گئی تھی۔ یہ شکر کا مقام ہے کہ وہ ہم سے پہلے مقابلے میں ہی مارا گیا تھا۔"

"اندھا دھند گولیاں چلتی ہیں تو گناہ گار اور بے گناہ کے درمیان کوئی امتیاز نہیں کرتیں۔ یہ قدرت کا اپنا نظام ہے کہ ظالم اور سفاک درندے ہمیشہ عبرت ناک انجام سے دوچار ہوتے ہیں۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "ہم بارہا گولیوں کی برسات سے بچے ہیں۔ دھنی رام بھاگتے ہوئے اول خان کی گولیوں کی زد میں آکر مارا گیا۔ مراد کا تازہ ترین انجام تمہارے سامنے ہے۔"

"چلو' مان لیا کہ تم سب ٹھیک کہہ رہے ہو۔" ویرا نے طویل خاموشی کے بعد زبان کھولی "اب کتنی دیر تک ان کے نوحے پڑھتے رہو گے؟ فہرست کے تیسرے آدمی کا انجام سامنے آگیا۔ اب چوتھے کے بارے میں بھی کچھ بتادو۔"

"چوتھا قادر خان ہے۔" اول خان نے کہا "فائل میں اس کے آبائی گھر کا نمبر ہے جو ٹنڈوباگو میں واقع ہے لیکن وہ کراچی میں رہتا ہے اور تیل کی ایک بڑی کمپنی میں کام کرتا ہے۔ اس کے کراچی کے نمبر پر ابھی تک رابطہ نہیں کیا گیا۔"

"یہ اچھی خبر ہے کہ وہ کراچی میں رہتا ہے۔" ویرا نے خوشی کا اظہار کیا "ورنہ میرپور خاص کے بعد ٹنڈوباگو کی طرف دوڑ لگانی پڑتی۔"

"اس کا نمبر مجھے دے دو۔ اس سے ابھی رابطہ ہوجائے تو بہتر رہے گا۔" میں نے کہا۔

"نہیں۔" سلطان شاہ نے احتجاج کیا "یہ طے ہوچکا ہے کہ دو دنوں تک صرف آرام کیا جائے گا۔"

"یہ طے کرتے ہوئے تم بھول گئے تھے کہ مراد کی گمشدگی اور پھر خود کشی کی خبر پھیلنے کے بعد ہم کچھ بھی نہیں کرسکیں گے۔" میں نے اسے سمجھایا "یہ وقت نکل گیا تو قادر خان اپنا دامن بچانے کے لیے ہر بات سے منکر ہوجائے گا۔"

"تم ہمیشہ من مانی کرتے ہو اور اس کے لیے ایسے نکتے لاتے ہو کہ خاموش ہونا پڑتا ہے۔"

"یہ من مانی کی بات نہیں ہے۔ ڈیٹی درست کہہ رہا ہے۔ مراد کی خود کشی کی خبر کو زیادہ دیر تک نہیں چھپایا جاسکے گا۔ گوپال چند سے مولا داد تک سب کو علم ہے کہ مراد کسی مشکل سے دوچار ہوچکا ہے۔" اول خان نے میرا ساتھ دیا۔

"ہونے والا کام جتنی جلدی کرلیا جائے' اچھا ہوتا ہے۔" غزالہ نے بھی اپنا وزن میرے پلڑے میں ڈال دیا۔

اول خان نے اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا کاغذ میری طرف بڑھا دیا۔ قادر خان کے نام کے سامنے جمشید روڈ کے کسی مکان کا پتا اور فون نمبر لکھا ہوا تھا۔ میں نے حیرت سے اول خان کی طرف دیکھا اور کہا "یہ تو تمہارا پڑوسی ہے۔ تم نے یہ اہم بات نہیں بتائی۔"

"اول خان کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی۔

Downloaded from https://paksociety.com

"مجھے معلوم تھا کہ تم جمشید روڈ کا نام دیکھ کر چونکو گے مگر یہ پتا میرے لیے نامانوس ہے۔"

"ابھی کا کوئی پروگرام نہ بنالینا۔" میرا باہر جانے کا موڈ نہیں ہے۔" ویرا نے ہانک لگائی۔

اس وقت تک میں ان چاروں میں چمن علی اور گوپال سے ملا تھا۔ وہ لوگ جو کچھ کر رہے تھے' اس کے بارے میں اتنے حساس تھے کہ چمن علی جیسے شریف آدمی نے بھی دھمکیوں کے بغیر اس کا اعتراف نہیں کیا تھا۔ گوپال سے اس بارے میں کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ قادر خان بھی آسانی سے راہِ راست پر نہیں آئے گا۔

اس نشیب و فراز پر چند ثانیوں تک غور کرنے کے بعد میں نے قادر خان کا فون نمبر ملالیا۔

اُدھر سے دوسری گھنٹی پر فون اٹھالیا گیا۔ بھاری اور تحکم آمیز ہیلو کے جواب میں' میں نے قادر خان سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو بولنے والے کا لب ولہجہ واضح ہو گیا "تم کون بول رہے ہو؟" وہ خاصا درشت مزاج معلوم ہو رہا تھا۔

"میں ابرار بول رہا ہوں۔ مجھے ان سے کوئی ضروری بات کرنی ہے۔" میں نے فوراً جواب دیا۔

"کون ابرار؟" دوسری طرف سے خشک اور تیز آواز میں سوال کیا گیا۔

"تم انہیں بلا دو۔ میں ان کو بتادوں گا۔" میں نے اپنے لہجے کی نرمی کو برقرار رکھا۔

"میں قادر خان بول رہا ہوں۔" تعارف کراتے ہوئے اس نے اپنا پورا نام بتانا ضروری سمجھا "میں کسی ابرار کو نہیں جانتا۔ اب بتاؤ کہ تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ میرے پاس فضول باتوں کے لیے وقت نہیں ہے۔"

"میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس میں ہم دونوں کا فائدہ ہے۔" میں نے براہِ راست کہہ دیا۔

"تمہارا دماغ خراب ہے۔ میں اپنے فائدے نقصان کی پروا نہیں کرتا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم کو میرا نمبر کس نے دیا۔"

"تم مراد ظریف کو ضرور جانتے ہو گے؟" میں نے جواب دینے کے بجائے سوال کیا۔

"پتا نہیں' تم کیا بکے جا رہے ہو۔" اس بار بہت مختصر سے وقفے کے بعد جواب دیا گیا "دوسروں کے بجائے اپنی بات کرو۔"

اس کے تیوروں کا اندازہ لگا کر میں نے فوراً ہی اپنی بات کا رخ بدل دیا اور کہا "میں میرپور خاص سے یہاں آیا ہوں۔ مراد کو کچھ لوگوں نے پکڑ لیا ہے۔ اس نے فون پر کہا تھا کہ یہ خبر تم کو پہنچادی جائے۔"

"یہ خبر تم فون پر بھی دے سکتے تھے۔ وہاں سے کراچی آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"فون پر بات نہیں ہو سکتی۔ آپس کی باتیں دشمن بھی سن سکتے ہیں۔"

"پھر اب فون پر یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟ کیا اس وقت سب مرے ہوئے ہیں۔" وہ کسی بات سے مرعوب نہیں ہو رہا تھا۔

"تم نے مجبور کیا ہے تو بتا رہا ہوں کہ میں زبانی بتانا چاہ رہا تھا۔ میرپور خاص میں بھی آفت آئی ہوئی ہے۔"

"تم نے اپنا وقت برباد کیا ہے۔ مجھے پہلے ہی پتا چل چکا ہے کہ مراد کو حیدر آباد سے اٹھالیا گیا ہے۔"

وہ فورڈ فاؤنڈیشن کے چار چیستوں میں سے ایک تھا۔ اسے وہ خبر گوپال سے ہی مل سکتی تھی۔ میں نے کہا "وہ اسے گوپال چند کے گھر سے لے گئے تھے۔ گوپال بھی گولیوں سے زخمی ہوا ہے۔"

"اسے لے جانے والوں نے اسے فون بھی کرنے دیا ...؟" پہلی بار اس کی آواز میں حیرت کی آویزش محسوس ہوئی "کیا انہوں نے اس کے لیے کوئی تاوان مانگا ہے؟"

"ایک قیدی اور پچاس لاکھ روپے نقد۔" قیدی کا ذکر یوں ضروری تھا کہ اسے وہ خبر کہیں اور سے بھی مل سکتی تھی۔ پچاس لاکھ کی رقم میں نے اپنی طرف سے بڑھادی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا تھا کہ وہ مراد کو کتنی اہمیت دیتا ہے۔

"مراد نے کہا تھا کہ یہ خبر مجھے پہنچادو؟" مزید کوئی بات کرنے سے پہلے اس نے تصدیق چاہی۔

"ہاں۔ یہ اسی کا حکم تھا۔ اس کے بعد سب یتیم ہو چکے ہیں۔ میرپور خاص میں دو آدمی مارے گئے ہیں۔ اب ہماری آس امید تم ہی سے ہے۔ تم نے منہ پھیر لیا تو پتا نہیں کیا قیامت..."

"اس نے غرا کر میری بات کاٹ دی "فون پر زیادہ بک بک مت کرو۔ گھر آجاؤ۔ میں خود تاوان کی رقم لے کر چلوں گا۔ اسے چھڑانے کے لیے ایک بار یہ رقم دینی ہوگی۔ بعد میں وہ ہاتھ جوڑ کر دگنی رقم واپس کریں گے۔"

اپنی بات پوری کر کے اس نے فون بند کر دیا۔ میں نے اسپیکر فون کا بٹن آف کر دیا۔ لائن منقطع ہو گئی۔

ویرا نے اچانک ہی کھانسنا شروع کر دیا۔ گلا صاف

Downloaded from https://paksociety.com

ہونے کے بعد وہ بولی "کبھی کبھی اسپیکر فون عذاب بن جاتا ہے۔ کھانسی روکے روکے میرا دم گھٹنے لگا تھا۔ تمہاری باتیں ذرا سی دیر اور جاری رہتیں تو میرے لیے کھانسی روکنا مشکل ہوجاتا۔"

"تم اٹھ کر دبے قدموں کہیں اور بھی جاسکتی تھیں۔" سلطان شاہ نے کہا "مگر تمہاری عقل پر تو شراب طاری ہے۔"

"چلی جاتی تو پوری بات نہیں سن سکتی تھی۔" ویرا نے ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے کہا۔

"تم نے اس سے سب کچھ طے کرلیا۔ اب تاوان کے دلواؤ گے اور قیدی کہاں سے لاؤ گے؟" اول خان نے پوچھا۔

"وہ سب فرضی باتیں تھیں۔ ان سے قادر خان بے نقاب ہوگیا ہے۔ اس نے مراد کے لیے پچاس لاکھ جیسی خطیر رقم کی ادائیگی پر اپنی آمادگی ظاہر کرکے یہ اعتراف کرلیا ہے کہ وہ مراد کے کاموں میں پوری طرح شریک ہے۔"

"تم کیا کرو گے؟ کیا اسے بھی مراد کے پیچھے روانہ کرنے کا ارادہ ہے؟" سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"ضروری نہیں کہ اسے مار دیا جائے۔" اس جیسے مغرور، متکبر اور باحیثیت لوگوں کے لیے چھوٹی چھوٹی سزائیں بھی سوہانِ روح بن جاتی ہیں۔ اسے کوئی سبق ضرور دیا جائے گا۔" میں نے ایمانداری سے اپنی رائے پیش کردی۔

"مراد اپنے انجام سے دوچار ہوچکا ہے۔ قادر کا پیچھا کرکے تم کیا حاصل کرو گے؟"

"یہ تحفظ رہا تو اپنے آقاؤں کے اشارے پر پھر کسی سازش میں شریک ہوجائے گا۔ مناسب سزا مل گئی تو وہ آئندہ کوئی غلط بات سوچتے ہوئے بھی گھبرائے گا۔"

قادر سے جو گفتگو ہوئی وہ اسی وقت کے لیے تھی۔ بعد میں اس تک رسائی بہت مشکل نظر آرہی تھی۔ اول خان کی رائے بھی یہی تھی کہ اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانا تھا تو اس کے لیے وہی وقت مناسب تھا۔ بعد میں کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ ایک بار اسے یہ اندازہ ہوجاتا کہ کسی نے ابرار کے نام سے فراڈ کیا تھا تو وہ مزید محتاط ہوجاتا اور اس کے قریب پھٹکنا بھی ممکن نہ رہتا۔

اس وقت تک حیدرآباد سے ہماری وہ گاڑی واپس نہیں پہنچی تھی جو سلطان شاہ کے اغوا کے وقت چھینی گئی تھی اور چند گھنٹوں پہلے ایک ویران میدان میں لاوارث کھڑی ہوئی مل گئی تھی۔ ہم نے اس مہم کے لیے بھی اول خان کی گاڑی استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اول خان نے روانگی سے پہلے اپنے آدمیوں کو فون پر مراد کی لاش کے بارے میں ہدایات دیں اور تیار ہوگیا۔

ویرا اور غزالہ کو گھر پر چھوڑ دیا گیا۔ اکبر علی اور دلبر خان کی موجودگی میں ان دونوں کو مائیکرو سینٹر میں کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوسکتا تھا۔ بلکی پھلکی تیاریوں کے ساتھ ہم تینوں افراد قادر کے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔

وہ پتا تلاش کرنے کے لیے ہمیں زیادہ دیر تک نہیں بھٹکنا پڑا۔ وہ ایک نیم تاریک اور سنسان سڑک کا پتا تھا۔ قادر کا مکان سڑک کے آخری سرے پر واقع تھا۔ اس سے آگے کھیل کا وسیع میدان پھیلا ہوا تھا۔ ہم نے وہاں کا چکر لگا کر اندازہ لگایا کہ اس گھر کے احاطے کی دیواریں زیادہ بلند نہیں تھیں۔ کسی ہنگامی ضرورت کے وقت انہیں آسانی سے استعمال کیا جاسکتا تھا۔

دوسرے چکر میں اول خان نے اپنی گاڑی قادر کے مکان سے کچھ فاصلے پر روک کر مجھے اتار دیا۔ میری جیب میں ڈارٹ گن اور ایک ریوالور موجود تھا۔ مجھے آدھے گھنٹے کے اندر اس عمارت سے واپس لوٹ آنا تھا۔ میری آمد میں تاخیر کی صورت میں وہ دونوں بھی میدان میں آجاتے اور پھر حالات کے مطابق فیصلہ کرکے اس مہم کو انجام تک پہنچا دیتے۔

میں تنہا گھر میں جارہا تھا اس لیے میری سلامتی کا ذمہ دار میری حاضر دماغی اور پھرتی پر تھا۔ وہ دونوں میری اس رائے سے متفق تھے کہ قادر کو میری کہانی پر یقین آچکا تھا اور گھر میں داخل ہونے پر میری جان کو کوئی فوری خطرہ درپیش نہیں ہوسکتا تھا۔

میں نے قادر کے مکان کے پھاٹک پر گھنٹی بجائی اور چوکیدار نے فوراً ہی ایک پٹ قدرے وا کردیا۔ میرا نام سنتے ہی اس نے مجھے اندر بلایا اور دروازہ بولٹ کرکے عمارت کے داخلی دروازے کی طرف ہولیا۔ میں خاموشی سے اس کی تقلید کرتا رہا۔ ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ مجھے وہاں بٹھا کر چوکیدار نے انتظار کرنے کی ہدایت کی اور خود لیٹ کی طرف لوٹ گیا۔

مکان میں چھائی ہوئی خاموشی اس قدر مکمل تھی کہ ذرا سی دیر میں مجھے وحشت سی ہونے لگی پھر کسی اندرونی حصے سے قدموں کی چاپ سنائی دی اور صوفے میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ چند لمحوں بعد قمیص اور پتلون میں ملبوس گندمی رنگ کا ایک صحت مند مگر ترش رو نوجوان میرے سامنے موجود تھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی اور پیشانی پر چند پیدائشی شکنیں

Downloaded from https://paksociety.com

نظر آرہی تھیں۔

میں اسے دیکھتے ہی مودب ہو کر صوفے سے اٹھ گیا۔ اس نے مجھ سے ہاتھ ملانے کی زحمت کیے بغیر مجھے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا "ہوں..... اب بتاؤ کہ وہ قیدی کیا کیا معاملہ تھا۔" اس نے بیٹھتے ہی سوال کیا جیسے اس نے میری گفتگو کا وہ اہم ترین نکتہ پہلے سے اپنے دماغ کے کسی خانے میں محفوظ کیا ہوا ہو۔

وہ مجھے اپنے اور گوپال کے رابطے کے بارے میں فون پر بتا چکا تھا۔ میں نے ہیر آباد میں صحرا کے دفتر کے قریب سے سلطان شاہ کے اغوا اور پھر اس کی میرپور خاص منتقلی کا واقعہ من و عن سنا دیا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں گوپال سے یہ سب سن چکا ہوں۔ ساری گڑبڑ اسی قیدی سے شروع ہوئی۔ اسے نہ پکڑا جاتا تو شاید مراد بھی اغوا نہ ہوتا۔ مگر یہ بتاؤ کہ حیدر آباد میں ہونے والے اس قصے کے بارے میں تمہیں کس نے بتایا؟ اغوا کرنے والوں نے مراد کو اتنی دیر تک بات کرنے کی اجازت دی ہوگی' نہ اسے یہ سب بتانے کا ہوش ہوگا۔" بولتے بولتے وہ درمیان میں چونکا تھا۔

مجھ سے پہلی غلطی سرزد ہو چکی تھی۔ اسے اپنے اعتماد میں لینے کے چکر میں' میں نے اس واقعے کو کچھ زیادہ ہی تفصیل سے دہرا دیا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا "وہ قیدی میرپور خاص میں ہی ہے۔ اسے وہاں مار لگائی گئی تھی۔ اس نے خود ہی بتایا کہ وہ بے قصور تھا۔ اسے صحرا کے دفتر کے پاس سے گزرنے کے جرم میں بلاوجہ پکڑ لیا گیا تھا۔"

"قیدی اور تاوان کی رقم کس کو دو گے؟" اس نے سادہ کارانہ انداز میں مجھ سے پوچھا۔

میں نے اس کے آگے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ "یہ سب مولا داد کو معلوم ہوگا۔ مجھے حکم ملا تھا کہ تم کو پیغام پہنچا دوں۔ میں تو اتنی بڑی رقم کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"میرپور خاص میں کیا آفت آئی ہے؟ وہاں کون کون مرا ہے؟" اس نے پھر پوچھا۔

وہ کرید کرید کر سوال کرتا رہا۔ میں سنبھل کر جواب دیتا رہا۔ آخر اس نے مطمئن ہو کر کہا "تم ہمیں لیٹ کر سو جاؤ۔ صبح بینک کھلے گا تو رقم لے کر میرپور خاص چلیں گے۔ کھانے پینے کی ضرورت ہو تو ملازم آئے گا' اس کو بتا دینا۔"

وہ اٹھ گیا' میں بھی اٹھا۔ اس مرتبہ اس کی نظر میری جیب پر جم گئی۔ "تمہاری جیب اتنی بھاری کیوں ہے؟"

میرا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔ میں نے جیب سے

جاسوسی ڈائجسٹ کا دلچسپ ترین سلسلہ

انسان کی شرق و
تہذیب کے حیات افروز واقعات
صدیوں سے زندہ ایک پُراسرار شخص
کی آپ بیتی، ھَوا جس کی دوست
تھی، سمندر جس کے لیے آغوشِ مادر
تھا، آگ اس کے بدن کو نمو دیتی تھی۔

وہ کہانی جس نے اپنے وقت میں مقبولیت کے
کے ریکارڈ توڑ دیے

صدیوں کا بیٹا

پانچ حصّوں میں مکمّل

قیمت فی حصہ ۵/- روپے + ڈاک خرچ فی حصہ ۱۶/- روپے

مکمل سیٹ منگانے پر قیمت صرف ۲۰۰/- روپے، ڈاک
خرچ معاف۔ صرف ۲۰۰ روپے کا منی آرڈر روانہ
فرمائیں۔ یہ رعایت صرف منی آرڈر ارسال کرنے پر ہی مل سکے گی

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس ۷۳۳۰
سید مینشن، بلیو پلازہ سٹریٹ
کراچی

Downloaded from https://paksociety.com

ریوالور نکال کر اسے دکھایا۔ ”میرا ہتھیار ہے۔ اسے ہوٹل میں چھوڑنے کے بجائے ساتھ لے آیا۔ چھوٹے ہوٹلوں میں ہتھیار اور رقم کی چوری ضرور ہوتی ہے۔“

”لاؤ‘ یہ مجھے دے دو۔ صبح واپس مل جائے گا۔“ اس نے تحکمانہ انداز میں ہاتھ پھیلا دیا۔

”میں ہوٹل سے صبح سویرے یہاں آجاؤں گا۔ وہاں میرا تھیلا پڑا ہوا ہے۔“ میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔ اس وقت ریوالور کا دستہ میری گرفت میں تھا اور اس کی نال فرش کی طرف جھکی ہوئی تھی۔

اس وقت تک ہربات بالکل صحیح تھی۔ میرے جواب پر قادر کے ذہن میں نہ جانے کس وسوسے نے سر ابھارا کہ اس نے ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر‘ میری توقع کے خلاف اچانک میری طرف جست لگادی۔ اس کا ہاتھ میرے ریوالور پر پڑا۔ ریوالور کے ٹریگر پر میری انگلی کا دباؤ خود بہ خود بڑھتا گیا۔ وہ مجھ سے ریوالور چھیننے کی پوری سی کوشش بھی نہ کرپایا تھا کہ پُرشور دھماکے سے گولی چل گئی۔

وہ ایک ناگہانی حادثہ تھا۔ گولی اس کے بائیں پہلو میں پیوست ہوئی۔ وہ چیخ مار کر منہ کے بل نیچے آرہا۔ اس وقت یہ دیکھ کر میری آنکھیں پھیل گئیں کہ گولی اس کی پشت میں بڑا سا شگاف ڈالتی ہوئی باہر نکل گئی تھی اور زخم سے خون کا فوارہ ابل پڑا تھا۔

گھر کے اندرونی حصوں سے کئی ملی جلی مردانہ اور زنانہ چیخیں ابھریں۔ باہر چوکیدار نے للکارتے ہوئے‘ پے در پے دو ہوائی فائر کر ڈالے۔ میں اچانک ایک ہولناک مشکل سے دوچار ہوگیا تھا۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ‘ پوری قوت سے ڈرائنگ روم سے باہر دوڑ لگادی۔

مجھے دیکھ کر چوکیدار لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکا‘ میں نے اسے خوف زدہ کرنے کے لیے ایک ہوائی فائر کر ڈالا۔ چوکیدار کھلے میدان میں تھا جو پورچ کا ڈرائیوے تھا۔ اپنی جان بچانے کے لیے وہ سینے کے بل زمین پر لیٹ گیا۔ میرے پاس وقت نہیں تھا۔ مہلت کسی بھی لمحے ختم ہوسکتی تھی۔ جب کہ میرے اور پھاٹک کے درمیان مسلح چوکیدار حائل تھا۔ میں نے اپنا رخ احاطے کی بغلی دیوار کی طرف کرلیا۔

چوکیدار نے میرا ارادہ بھانپ کر پھر دو گولیاں چلائیں لیکن بدحواسی کی وجہ سے وہ نشانہ نہیں لے سکا۔ وہ خود متحرک تھا اور میں بھی زاویے بدل کر بہت تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ عمارت میں سے ابھرنے والی چیخ وپکار کی آوازیں باہر آچکی تھیں لیکن ان میں سے شاید کسی کے پاس ہتھیار نہیں تھا۔ میں دیوار تک پہنچا ہی تھا کہ چوکیدار نے پھر دو فائر کیے۔ اس نے تیسرا فائر بھی کرنا چاہا لیکن فضا میں صرف گھوڑے کی کھٹاک گونج کر رہ گئی۔ چھ مرتبہ آگ اگلنے کے بعد اس کے ریوالور کا چیمبر خالی ہوچکا تھا۔

میں بہت تیزی کے ساتھ دیوار سے ہوتا ہوا باہر کودا تو اول خان گاڑی وہاں لاچکا تھا۔ فائرنگ کے پُرہول دھماکوں سے اس نے اندر ہونے والی گڑبڑ کا اندازہ لگا کر بہت صحیح اور بروقت فیصلہ کیا تھا۔ سلطان شاہ نے میرے لیے عقبی دروازہ کھولا اور میرے سوار ہوتے ہی گاڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

”کیا ہوا؟ کیا اندر کوئی گڑبڑ ہوگئی تھی؟“ گاڑی کو تیز رفتاری کے ساتھ سڑک پر لے آنے کے بعد اول خان نے پوچھا۔

”اس کے مقدر میں موت لکھ دی گئی تھی۔ جو آلا رہی۔ میرا آخر تک فائر کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔“

پوری روداد سن کر اول خان نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا ”اچھا ہوا کہ تمہارے ارادے کے بغیر گولی چل گئی اور تم وہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ وہ تم پر غالب آجاتا تو مشکل کھڑی ہوجاتی۔“

”یہ عجیب واقعہ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے ارادوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جو ہونا ہے‘ وہ ہو کر رہتا ہے۔ ہوسکتا ہے اس کے جرائم سنگین رہے ہوں۔ قدرت نے اسے تمہارے ہاتھوں کیفرِ کردار کو پہنچادیا۔“ سلطان شاہ نے کہا۔ وہ اس واقعے سے بہت زیادہ متاثر معلوم ہورہا تھا۔

قادر خان کے جرائم کے بارے میں ہمیں زیادہ تفصیلات کا علم نہیں تھا لیکن وہ جس آسانی اور فکرمندی کے ساتھ مراد کی رہائی کے لیے تاوان کی خطیر رقم کا بندوبست کرنے پر آمادہ ہوا تھا‘ اس سے مراد کی سازشوں میں اس کا بھرپور کردار پوری طرح سامنے آگیا تھا اور میرے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں تھا کہ میری گولی سے کوئی بے گناہ مارا گیا ہو۔

ہماری واپسی پر ویرا اور غزالہ حیران رہ گئیں۔ انہیں امید نہیں تھی کہ ہم قادر خان سے نمٹ کر اتنی جلدی واپس لوٹ آئیں گے۔ غزالہ رات کے کھانے کی تیاری کرچکی تھی اور ویرا اپنے شغل سے بظاہر سیر ہوچکی تھی۔ ہم نے ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھ کر ان دونوں کو نئے واقعے سے آگاہ کیا۔ ایک مرتبہ پھر بھروں کا مختصر سا دور چلا اور پھر ہم نے مائیکرو سینٹر سے روانگی کی تیاری کرلی۔

اس دوران میں انٹرکام پر اطلاع ملی کہ مراد کی لاش کی

Downloaded from https://paksociety.com

منتقلی اور خون آلود تہ خانے کی صفائی کے لیے اول خان کی نفری مائیکرو سینٹر پہنچ چکی تھی۔

○☆○

فورڈ فاؤنڈیشن کے اہم عہدوں پر قابض سی آئی اے کے ایجنٹوں نے دو پاکستانی این جی اوز کے ذریعے جو سازش تیار کی تھی' اس کا تانا بانا بری طرح تباہ ہوچکا تھا۔ اس منصوبے کے بیشتر شرکا کو ان کے حصے کی عبرت ناک سزائیں مل چکی تھیں۔ بس ایک کردار آزاد تھا اور میرا ذہن اسی میں الجھا ہوا تھا۔

اول خان ہمیں مائیکرو سینٹر سے گھر پہنچا کر واپس جاچکا تھا۔ میں اپنی خواب گاہ میں آرام کررہا تھا۔ سلطان شاہ دونوں عورتوں کے ساتھ کارڈز وغیرہ کھیلنے میں مصروف تھا۔

کرشن کمار سے قطع نظر' مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے فریڈم انٹرنیشنل اور صحرا کے خلاف ہمارا کام پورا ہوچکا تھا۔ قادر خان کا رہا سہا قصہ بھی تیزی سے نمٹ گیا تھا۔ اس سے آگے بے کاری نظر آرہی تھی۔

وہ میری خوش فہمی تھی جو زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ گیارہ بجے گھر کے فون پر جلال کی کال آگئی۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس نے چند گھنٹوں کے وقفے سے وہ دوسری کال بلاوجہ نہیں کی تھی۔ وہ مجھ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا پھر خود ہی کرشن کمار کے موضوع پر آگیا۔

"مجھے وہ نام سنتے ہی جھٹکا سا لگا تھا مگر میں نے تم سے کوئی ذکر نہیں کیا۔" وہ کہہ رہا تھا' کرشن کمار کا نام ہمارے ریکارڈ پر موجود ہے۔ وہ بہت سی مذموم سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے باوجود کبھی ہماری باضابطہ گرفت میں نہیں آسکا۔"

"ایسے مجرموں کے خلاف ضابطے رکاوٹ بن جاتے ہیں کیونکہ وہ دامن بچا کر کام کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔"

"اسی لیے تمہاری کامیابیوں کی رفتار تیز بلکہ قابلِ رشک ہوتی ہے۔" ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی "تم لوگ ضابطوں سے آزاد رہ کر اپنی صوابدید کے مطابق ہر فیصلہ کرگزرتے ہو۔"

"کرشن کمار کے بارے میں تمہارا ریکارڈ کیا کہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ بھارتی فوج میں کمانڈو رہ چکا ہے۔ وہاں سے اس کی خدمات سیکرٹ سروس کو دے دی گئیں۔ وہ پچھلے پانچ سالوں سے تھر اور راجستھان کے علاقوں میں دیکھا جاتا رہا ہے۔"

"راجستھان کے بارے میں تم کو کیسے علم ہوا؟" میں نے سرسری سے انداز میں پوچھا۔

طریقۂ مرمت

شاہد کے نئے جوتے میں کتے نے دانت گاڑ دیے۔ جوتا مہنگا تھا۔ شاہد نے سوچا' مرمت کرالیا جائے۔ اس نے جوتا موچی کے حوالے کرتے ہوئے کہا "اسے ٹھیک کردو.... اس پر کتے نے دانت مار دیے ہیں۔"

موچی نے جوتے کو الٹ پلٹ کر دیکھا پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا "اس کی مرمت تو نہیں ہوسکتی... بہتر ہے کہ آپ دوسرا جوتا بھی کتے کو چبانے کے لیے دے دیں۔ دونوں جوتے ایک جیسے ہوجائیں گے۔ لوگ سمجھیں گے نیا ڈیزائن ہے۔"

"طویل' بے ترتیب اور دشوار گزار سرحد کے چپے چپے کی نگرانی ان کے لیے ممکن ہے نہ ہمارے لیے آسان ہے۔ تخریب کار اور اسمگلر سرحد کے ایسے حصوں کو بے خوفی سے استعمال کرتے ہیں' جس طرح کرشن یہاں آتا جاتا رہتا ہے۔ ہمارے آدمی بھی ضرورت کے تحت خاموشی سے سرحد پار کرتے رہتے ہیں اور اُدھر کی خبریں جمع کرکے لوٹ آتے ہیں۔"

"وہ بھارتی شہری ہے۔ غیر قانونی طور پر یہاں آتا ہے اور دیکھ لیا جاتا ہے تو پھر وہ اب تک آزاد کیوں ہے؟"

"وہ ایک جُگ نہیں ٹکتا۔ چھلاوے کی طرح اپنے ٹھکانے بدلتا رہتا ہے۔ اب یہی دیکھ لو کہ میرپور خاص میں اس کا گھر موجود ہے۔ مگر وہ شاذونادر ہی وہاں دیکھا جاتا ہے۔"

"کوشش کی جائے تو وہ کہیں نہ کہیں ہاتھ آسکتا ہے۔" میں نے رسانیت سے کہا۔

"یہ ممکن ہے لیکن اس پر آج تک زیادہ دھیان نہیں دیا گیا۔ دونوں فریق اپنی اپنی مصلحتوں کی وجہ سے خاموش رہتے ہیں۔ ہم اس پر ہاتھ ڈالیں گے۔ وہ اپنے کسی شہر میں ہمارے ایک دو آدمیوں کو پکڑلیں گے۔ یہ جاسوسی اور جوابی جاسوسی کا ایسا سلسلہ ہے جسے مخصوص حدود میں نظرانداز کرنا دونوں کے لیے ناگزیر ہے۔"

"اور وہ اسی سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ نیا چھور میں اس کی سرگرمیاں ان مخصوص حدود سے بہت زیادہ متجاوز ہوں گی۔

Downloaded from https://paksociety.com

اس کی سرکوبی اب ناگزیر ہو چکی ہے۔"

"میں بھی یہی کہنا چاہ رہا تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ بہت سے حکام نیا چھور کے کیمپ سے ابھی تک بے خبر ہیں۔ تمہارے ذرائع سے یہ خبر نہ ملی ہوتی تو یہ سلسلہ خاموشی سے یوں ہی چلتا رہتا۔ مراد کے یکایک ہٹ جانے سے ان کی سرگرمیوں میں جو خلا پیدا ہوا ہے' اس سے فائدہ اٹھا کر ہم ان پر کاری ضرب لگا رہے ہیں۔"

"پھر کرشن کمار بھی ہاتھ آجانا چاہیے۔" میں نے توقع ظاہر کی۔

"وہ بہت چالاک اور مکار ہے۔ تازہ ترین خبر یہ ہے کہ وہ اونٹ پر سوار ہو کر مونا باؤ کی طرف نکل چکا ہے لیکن اب نیا چھور میں وہ لوگ پھٹک بھی نہیں سکیں گے۔ اس علاقے میں مسلح دستوں کی پیٹرولنگ میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔"

"اسے یہ خبریں مل جائیں گی اور وہ کچھ عرصے کے لیے پاکستان کا رخ نہیں کرے گا۔"

"اسے اس کی سرزمین پر ہی کچلا جائے گا۔ وہ ادھر ہاتھ پیر پھیلا سکتا ہے تو ہمارے آدمی بھی وہاں کام کر سکتے ہیں۔ بے خبری کی بات اور ہوتی ہے مگر ہم بے بس نہیں ہیں۔"

جلال کے آخری فقرے میرے لیے دلی اطمینان کا سبب بنے۔ یہ بڑی بات تھی کہ اپنی ناگزیر مجبوریوں کے باوجود وہ بے بسی کے احساس کا شکار نہیں ہوا تھا۔ اس کا حوصلہ بلند تھا۔ میں نے کہا "تم ہمارے لیے دعائیں کرتے رہتے ہو۔ میں تمہارے آدمیوں کی کامیابی کے لیے دعاگو رہوں گا۔ امید ہے کہ ہمیں جلد ہی وہاں سے کوئی خوش خبری ملے گی۔"

"شام کو تم نے جارحیت کے ذریعے دفاع کی بات کی تھی۔ اس بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟"

میں ہنس دیا "دل میں ایسے ولولہ انگیز خیالات اکثر سر ابھارتے رہتے ہیں۔ ابھی اس بارے میں سوچنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ایسے بڑے فیصلے بہت سوچ سمجھ کر اور کسی خاص مقصد کے تحت کیے جاتے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم اس وقت فورڈ فاؤنڈیشن والوں کے مسئلے میں..."

میں نے اس کی بات درمیان سے کاٹ دی اور اسے بتایا کہ بظاہر پیچیدہ محسوس ہونے والا وہ مسئلہ بہت سرعت اور آسانی کے ساتھ نمٹ گیا تھا۔

"مراد نے اپنے ایک اشارے پر سات آدمی مروا دیے۔" اس موضوع پر باتوں کے درمیان اس نے کہا "کرشن کمار' اس سے زیادہ خطرناک مجرم ہے۔ اس کی ساری سرگرمیوں کا مرکز تھر کی صحرائی آبادیوں تک محدود ہے۔ وہ شہروں سے دور بھاگتا ہے۔ صحرا میں بسنے والے سادہ لوح لوگ اسے صحرا کا شیر اور اپنا مسیحا سمجھتے ہیں۔ مراد کو تم نے زیر کیا' اسے ہمارے آدمی ٹھکانے لگائیں گے اور اس کا قائم کیا ہوا سحر ٹوٹ جائے گا۔"

جلال اچانک ہی دوبارہ کرشن کمار کا ذکر نکال بیٹھا تھا۔ اس کی وہ باتیں کچھ بے ربط تھیں۔ مجھے شبہ ہوا کہ کرشن کمار کے بارے میں اس نے اپنے ریکارڈ میں جو کچھ پڑھا تھا' اس کی بنا پر وہ جلال کے ذہن پر مسلط ہو کر رہ گیا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا "لیڈر کی موت آتی ہے تو وہ شہر کی طرف بھاگتا ہے۔ کرشن کو یہ مقولہ یاد ہے' اپنی کھال بچانے کے لیے وہ شہروں سے دور رہتا ہے۔"

"دور ہی نہیں بلکہ بہت دور رہتا ہے۔ میرپور خاص سے پتا چلا کہ وہ وہاں بہت کم آتا ہے۔ زیادہ تر کھوکھراپار میں رہتا ہے اور اب تو وہ سرحد ہی پار کر چکا ہے۔ اس کے گھر سے دو لاشیں ملنے کے بعد میرپور خاص میں اس کی ہوا خیزی ہوئی ہے۔ اس کے واپس لوٹنے یا مارے جانے سے پہلے اس کو علاقے میں یوں بے نقاب کر دیا جائے گا کہ وہ سب کی ہمدردیاں کھو دے گا۔"

"ہر مجرم کا یہی انجام ہوتا ہے۔ جلد یا بدیر' وہ بے نقاب ہو کر رہتا ہے۔"

وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر کہہ نہیں پا رہا تھا۔ وہ باتوں کی بھول بھلیوں میں ادھر ادھر بھٹکتا رہا اور میں حفظِ مراتب کی وجہ سے اس سے یہ نہ کہہ سکا کہ وہ جو کچھ چاہتا ہے' کھل کر کہہ ڈالے۔ آخر کار اس کی وہ گفتگو یوں ہی تشنہ سی رہ گئی اور اس نے فون بند کر دیا۔ اس بار اس نے کرشن کمار کے کردار کی تصویر کشی کے سوا کوئی نئی بات نہیں کی تھی۔

رات گئے اسپیشل ٹاسک فورس کا ایک ڈرائیور ہماری گاڑی پہنچا گیا۔ حیدر آباد میں ضابطے کی کارروائیاں مکمل ہونے کے بعد گاڑی چھوڑ دی گئی تھی۔ اول خان نے کسی تاخیر کے بغیر اسے کراچی منگوا لیا تھا۔

وہ رات ہم نے اپنی چھت کے سائے میں گہری نیند سو کر گزاری۔ خاص طور پر میرے ذہن میں کوئی پریشانی یا آئندہ کی فکر سوار نہیں تھی۔ صبح میں اپنے معمول کے مطابق ان تینوں سے پہلے بیدار ہو گیا۔ غزالہ بستر کے ایک گوشے میں موم کے کسی نازک اور معصوم پیکر کی طرح سکڑی سمٹی سو رہی تھی۔ میرا جی چاہا کہ اسے یوں ہی اپنی بانہوں میں سمیٹ لوں

Downloaded from https://paksociety.com

مگر اس کی نیند خراب ہونے کے خیال سے میں نے اپنے دل پر جبر کیا اور سر جھٹک کر خواب گاہ سے باہر نکل گیا۔

باہر اخبارات آچکے تھے۔ میں نے دروازہ کھول کر لپٹے ہوئے اخبارات اٹھا لیے۔

قادر خان کے قتل کی خبر ہر اخبار کے پہلے صفحے پر موجود تھی۔ ہر اخبار کا مضمون الگ تھا لیکن خلاصہ ایک ہی تھا کہ میرپور خاص سے آنے والا ابرار نامی شخص قادر خان کو اس کے ڈرائنگ روم میں ہلاک کر کے فرار ہو گیا۔

شاید قادر خان نے مجھ سے فون پر بات کرنے کے بعد اپنے اہل خانہ کو بتا دیا تھا کہ ابرار نامی ایک شخص اس سے ملاقات کے لیے پہنچنے والا تھا۔ گھر والوں نے وہی بات پولیس اور اخبار والوں کے سامنے دہرا دی تھی۔ کسی کو کچھ علم نہیں تھا کہ ابرار اور قادر کی ملاقات کا پس منظر کیا تھا اور ڈرائنگ روم میں وہ کن حالات میں موت سے دوچار ہوا تھا۔

وہ ایک معزز اور باحیثیت گھرانے کا چشم و چراغ تھا اس لیے خبر کو بھرپور اہمیت دی گئی تھی۔ ٹنڈو باگو جو قادر خان کا آبائی گاؤں تھا، تھر کے علاقے میں بدین سے کچھ آگے واقع تھا۔ اس وقت تک مجھے خود علم نہیں تھا کہ وہ گاؤں کہاں واقع تھا۔ اخبارات میں قادر خان کے گاؤں کا محل وقوع پڑھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ وہ خود بھی تھری تھا اور اسی وجہ سے مراد سے زیادہ قریب تھا کیونکہ مراد اور کرشن کمار کی ساری گرمیوں کا محور اور مرکز تھرپارکر کا وسیع علاقہ ہی تھا۔

قادر خان کے قتل کو جتنی اہمیت دی گئی تھی، مراد ظریف کی خودکشی کو اسی قدر نظر انداز کیا گیا تھا۔ اس کے بارے میں کسی اخبار میں ایک سطر تک نہیں چھپی تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اول خان نے کسی مصلحت کی بنا پر اس خبر کو سختی سے دبا دیا تھا۔ فریڈم انٹرنیشنل والوں کے خلاف کارروائی کے چند ہی روز بعد صحرا کے سربراہ کی خودکشی کی خبر لوگوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات کو جنم دے سکتی تھی کہ سرکاری ادارے کھل کر این جی اوز کے خلاف میدان میں آگئے تھے۔

بوب رافیل کے زیر دام آنے تک امریکیوں نے پاکستان میں این جی اوز کی آزادیوں کو کچلنے اور ان کا کردار مسخ کرنے کے بارے میں ایک سوچا سمجھا احتجاجی سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس سے رائے عامہ کے کسی نہ کسی حصے کا متاثر ہونا فطری امر تھا۔ ایسے لوگوں کے لیے اکرم الٰہی، مقبول چوہدری اور مراد ظریف جیسے نام نہاد، سماجی اور معاشرتی رہنماؤں کے انجام سے بے خبر رہنا بہتر تھا۔

میرپور خاص میں حسن اور گلو کے قتل اور حیدر آباد میں گوپال چند کے بری طرح زخمی ہونے کی خبریں اخباروں کے اندرونی صفحات میں جگہ پا سکی تھیں۔ میرپور خاص پولیس کے موقف کے مطابق دہرے قتل کو نامعلوم قاتلوں کے سر ڈالا گیا تھا۔ مرنے والوں کے جسموں سے خالی ڈارٹس نکال لی گئی تھیں جس کی وجہ سے پولیس کا کام مشکل ہو گیا تھا۔ بادی النظر میں وہ زہر خورانی کی وارداتیں معلوم ہوئی تھیں جن پر تفتیش کا دائرہ پھیلا کر اس مکان کے مالک کی تلاش شروع کر دی گئی تھی۔

گوپال چند جب گولیوں کی بوچھاڑ سے لہولہان ہوا تو گہرے نشے میں تھا۔ اس کے فرشتوں کو بھی یاد نہیں تھا کہ اس کی ہنڈلیاں زخمی ہونے سے پہلے وہاں کیا ہوتا رہا تھا۔ اپنی بدنامی کے خوف سے اس نے بازار حسن سے بلائی ہوئی طوائفوں کا ذکر گول کر دیا تھا اس لیے کسی کو کہانی کا وہ حصہ

اصل مقصد

امیرالدین کے اٹھارہ سالہ لڑکے نے امریکی فیشن کی تقلید میں "پنک" بننے کے لیے سر پر دائیں بائیں استرا پھروالیا۔ بیچ میں بالوں کی ایک پٹی سی رہنے دی اور اس میں جیل لگوا کر ان بالوں کو باڑھ کی طرح کھڑا کرلیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس نے ان کا رنگ بھی نیلا کروالیا۔

باپ نے دیکھا تو بڑی مشکل سے غصہ ضبط کیا اور اس خیال سے بُرا بھلا نہیں کہا کہ بیٹا زیادہ سرکش نہ ہو جائے۔ اس نے صرف اتنا تبصرہ کیا "تم کچھ مختلف سے لگ رہے ہو۔"

دوسرے دن کالج میں لڑکے کے دوستوں نے پوچھا "تمہارے ڈیڈی نے تمہارا ہیرا سٹائل دیکھ کر کیا کہا؟"

"کچھ نہیں.... وہ بالکل پرسکون رہے۔" لڑکے نے بتایا۔

"پھر تو تم نے خوامخواہ ہی اتنا تردد کیا۔" ایک دوست مایوسی سے بولا۔

Downloaded from https://paksociety.com

معلوم نہیں ہوسکا تھا جو وہ دونوں عورتیں جانتی تھیں۔

میں نے گھر میں آنے والے سب اخبار غور سے دیکھ ڈالے لیکن کہیں ایسی کوئی خبر نظر نہیں آسکی جو میرے لیے پریشان کن ثابت ہوتی۔ حد یہ تھی کہ جان اسمتھ اندر کی کمانیوں سے بڑی حد تک واقف تھا اور اسی نے مراد ظریف کو مائیکرو سینٹر سے دور رہنے کی ہدایت کی تھی مگر امریکیوں نے بوب رائیل کی گلو خلاصی کے بدلے کیے ہوئے وعدے کے عین مطابق فریڈم انٹرنیشنل اور صحرا کی مظلومیت کے حق میں کوئی پریس ریلیز جاری نہیں کیا تھا۔ انہیں یاد تھا کہ پاکستان میں رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والے ایک بدمعاش سفارت کار کی رہائی کے لیے صبح سویرے واشنگٹن میں ایوان صدر کے فون کھڑکانے پڑ گئے تھے اور پھر امریکی صدر کی یقین دہانیوں پر وہ معاملہ رفع دفع ہوسکا تھا۔

وہ لوگ ان یقین دہانیوں سے انحراف کرکے این جی اوز کے بارے میں لب کشائی کرتے تو دوبارہ محاذ آرائی کی فضا پیدا ہوسکتی تھی جس سے امریکیوں کے مفادات کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔

امریکی خاموش تھے' بھارتی کمانڈو خوف زدہ ہوکر سرحد پار بھاگ چکا تھا۔ بیشتر بڑے مجرموں کا صفایا ہوچکا تھا اور راوی عیش ہی عیش لکھتا تھا۔ میں اخبارات ایک طرف اچھال کر سیدھا اپنے باتھ روم میں گھس گیا۔

میں ٹھنڈے پانی کی تیز دھاروں میں طویل غسل لے کر باتھ روم سے نکلا تو گھر میں بیداری کی لہر دوڑ چکی تھی۔ غزالہ کا بستر خالی تھا اور ڈریسنگ روم سے نیلی وژن کی آواز آرہی تھی۔ میں قمیص کے بٹن لگاتا ہوا ڈریسنگ روم کی طرف چل دیا۔

"اخبار پڑھنے کا شوق ہے تو کم از کم صفحات کو یک جا تو رہنے دیا کرو۔" ویرا مجھے دیکھتے ہی منہ بنا کے بولی۔ وہ وہاں بیٹھی بکھرے ہوئے صفحات کو سمیٹنے کی کوششوں میں مصروف تھی۔

"جس چھت کے نیچے دو جوان جہان عورتیں موجود ہوں وہاں رہنے والے مردوں کو ایسے کام زیب نہیں دیتے۔" میں نے چٹکی بجا کر شوخی سے کہا "ہر وقت اینڈ اینڈ کر تم نے اپنے وزن میں خاصا اضافہ کرلیا ہے۔"

"تم کون سا مجھے اپنی بانہوں میں اٹھاتے ہو جو تمہیں میرا وزن بڑھنے کی فکر ہے۔" اس نے میرے چہرے پر تیکھی نظریں ڈال کر دھیمی آواز میں کہا "مجھ پر ذرا سوچ سمجھ کر تنقید کیا کرو۔"

"اگر تم اسی طرح کام چوری اور کاہلی کی طرف مائل رہیں تو کچھ ہی دنوں میں بھونڈی ہوجاؤ گی۔" میں نے جواب دیا "تم نے اب کچن میں غزالہ کا ہاتھ بٹانا بھی چھوڑ دیا ہے۔"

"سیدھی طرح کیوں نہیں کہتے کہ بیوی پر ترس آرہا ہے۔" ویرا تیزی سے بولی "یہ میرا اور غزالہ کا معاملہ ہے۔ تمہیں بیچ میں بولنے کی ضرورت نہیں۔ اسے معلوم ہے کہ میں اس کا کتنا ہاتھ بٹاتی ہوں۔ پتا نہیں تمہیں میرا کام کیوں نظر نہیں آتا۔"

سلطان شاہ اس کی بات سنتا ہوا آیا تھا۔ اس نے ویرا کے خاموش ہوتے ہی سوال کر ڈالا "پھر تم موٹی کیوں ہورہی ہو؟"

"یہ مٹاپا نہیں ہے۔ میرا بدن ذرا گداز ہورہا ہے۔ تم مجھے دیکھ دیکھ کر کیوں جلتے ہو؟" ویرا نے اسے آنکھیں دکھائیں "ابھی ڈینی بھی یہی کہہ رہا تھا جیسے یہ دن رات مجھے اپنے کندھوں پر لیے پھرتا ہو۔"

سلطان شاہ نے خوش ہوکر میری طرف ہاتھ بڑھایا پھر گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا "واہ! کیا نظریں ہیں ہم دونوں کی.... میں نے تمہاری بات نہیں سنی تھی مگر ان دل گداز خانم کی باتیں سن کر اندازہ ہوگیا تھا کہ ان کی حرام خوری پر بات ہورہی ہے۔"

"تم نے پھر حرام خوری کا طعنہ دیا؟" ویرا اسے گھورتے ہوئے غرائی۔

"تم پھر حلال خوری کا دعویٰ کرڈالو۔ بات برابر ہوجائے گی۔" سلطان شاہ نے قہقہہ لگایا۔

"یہ خاصی تشویش کی بات ہے کہ آج ہم سب ناشتے سے پہلے ہی اتنے چاق و چوبند نظر آرہے ہیں۔" میں نے کہا۔

"جب اونٹ کے کوہان کی طرح جسم میں فاضل چربی جمع ہوجائے تو ہلکا پھلکا ناشتے کی زیادہ اہمیت نہیں رہتی۔" سلطان شاہ نے برجستہ کہا "اس وقت سب سے اچھا موڈ ویرا کا ہے۔"

"ناشتا تیار ہے اور ٹھنڈا ہورہا ہے۔" غزالہ کی آواز آئی "میں بعد میں کوئی چیز گرم نہیں کروں گی۔"

میز پر ناشتے کے دوران میں ویرا کو اچانک چمن علی یاد آگیا "وہ سب سے سستا چھوٹا ہے۔ تمہیں چمن کی گوشمالی ضرور کرنی چاہیے۔"

"یہ اسی کا دم تھا کہ ہم بروقت گوپال کے گھر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے اور سلطان شاہ اس وقت ہمارے درمیان موجود ہے۔" غزالہ نے کہا "تمہیں اس سے کیا پرخاش

Downloaded from https://paksociety.com

ہوگئی۔"

"وہ چاروں ایک دوسرے سے واقف تھے۔" ویرا نے ہاتھ روک کر کہا "اسے معلوم تھا کہ مراد کا ساتھ دینے سے انکار کے نتیجے میں منور اپنے گھر کے چھ افراد کے ساتھ مارا جا چکا ہے مگر اس نے تمہیں اس بارے میں ایک لفظ نہیں بتایا۔"

منور' نواب شاہ کے اس گھرانے کا فرد تھا جو دھنی رام کی بربریت کا نشانہ بنا تھا۔ اس کے بارے میں ویرا کے اعتراض میں وزن تھا مگر میں نے چمن کی وکالت کرتے ہوئے کہا "اسے منور کا انجام معلوم تھا اسی لیے وہ مراد سے دہشت زدہ تھا۔ وہ آخر تک زبان کھولنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اسے اپنا انجام سامنے نظر آرہا ہوگا۔ اگر اس کی بیوی دخل نہ دیتی تو ہمیں ناکام لوٹنا پڑتا۔"

"چمن علی کو کوئی سزا نہیں دی گئی۔ بازپرس کی تھوڑی سی سختی اس کے لیے ناکافی ہے۔ میری دانست میں اسے بھی کچھ نہ کچھ سزا ملنی چاہیے۔ گوپال ہمیشہ کے لیے معذور ہوا ہے تو اسے بھی کم از کم چند روز صاحب فراش رہنا چاہیے۔"

"وہ شریف اور ملازمت پیشہ آدمی ہے۔" میں نے کہا "اس کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے' اسے وہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔"

"قادر بھی شریف اور ملازمت پیشہ تھا مگر اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔" ویرا نے طنزت کہا۔

"وہ اپنی حماقت سے مرا تھا۔ میرا اسے مارنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔" میں نے صفائی پیش کی۔

"نہ چاہتے ہوئے بھی تم نے اسے مار دیا۔" ویرا نے کہا "یہ غیبی اشارے ہیں۔ تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ ان میں سے کوئی بھی زندہ رہنے کا حق دار نہیں ہے۔ تم اسے لنگڑا لولا کرکے زندہ چھوڑ دو تب بھی یہ تمہارا احسان ہوگا۔"

میں انکار کرتا رہا مگر ویرا اپنے موقف پر اڑی رہی۔ ناشتا ختم ہونے کے بعد بھی وہ بحث جاری رہی تو بادل ناخواستہ مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے "میں فون کرکے دیکھتا ہوں کہ وہ کس حال میں ہے۔"

"اس کا حال اچھا نہیں ہوسکتا۔ آج کے اخباروں میں گوپال اور قادر کے بارے میں تفصیلات پڑھ کر وہ ڈر گیا ہوگا۔" ویرا نے پریقین لہجے میں کہا "تم فون کرو گے تو وہ گڑ گڑانے لگے گا۔"

میں نے کاغذ سے دیکھ کر چمن کا نمبر ملالیا۔ تین گھنٹیوں کے بعد ریسیور اٹھایا گیا تو میرے کانوں میں آہوں اور سسکیوں کے ساتھ بین کی آوازیں آئیں اور ایک گلوگیر مردانہ آواز نے ہیلو کہا۔

"میں چمن علی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے محتاط لہجے میں اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

"وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔" بولنے والے کی آواز رندھ گئی "بھائی صاحب ہائی بلڈ پریشر کے مریض تھے۔ اخبار بینی کے دوران میں تھوڑی دیر پہلے ان کے دماغ کی ایک شریان پھٹ گئی۔ ابھی ابھی اسپتال سے خبر ملی ہے کہ وہ چل بسے ہیں۔"

مجھے وہ خبر سناتے سناتے وہ بلک کر رو پڑا۔ وہ چمن علی کا کوئی قریبی عزیز ہی ہوسکتا تھا۔

"انا للہ وانا الیہ راجعون۔" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ وہ خبر سن کر میں سکتے میں رہ گیا تھا۔

اس شخص سے کہنے سننے کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ انسان کے بدن میں سانس کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو ساری اکڑفوں' دوستی اور دشمنی چلتی رہتی ہے اور جب یہ لڑی ٹوٹ جاتی ہے تو سارے جھگڑے خود بخود ختم ہوجاتے ہیں کیونکہ مرنے والا اپنے نامۂ اعمال کے ساتھ حساب کتاب کی تیاری کررہا ہوتا ہے۔

میں نے خاموشی سے فون بند کردیا۔ میری زبان سے قرآنی کلمات سن کر ان تینوں کو صحیح صورت حال کا اندازہ ہوگیا تھا۔ فوری طور پر کوئی کچھ نہ کہہ سکا۔ ہنستے مسکراتے ماحول پر یوں بوجھل سکوت طاری ہوگیا تھا جیسے ہمارے حریف کے بجائے کوئی ساتھی دنیا سے گزر گیا ہو۔

"وہی ہوا جو میں کہہ رہی تھی۔" چند ثانیوں بعد ویرا کہہ رہی تھی "میرا وجدان بتا رہا تھا کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔ اسے کیا ہوا؟ شاید دل کا دورہ پڑا ہوگا!"

"اخبار بینی کے دوران میں بلڈ پریشر بڑھنے سے دماغ کی شریان پھٹی تھی۔" میں نے اس کی تصحیح کی۔

"تم اس کی حمایت کررہے تھے اور قدرت میرے ساتھ تھی۔" ویرا بولی "اس کے خلاف بڑی عدالت سے فیصلہ صادر ہوچکا تھا۔"

"یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ تم کالی زبان ہو۔" سلطان شاہ نے چڑ کر کہا "ڈینی کو فون کرنے پر مجبور کرکے تم نے سارا مڈ غارت کردیا۔ اب پورے دن کا اللہ ہی حافظ ہے۔ پتا نہیں تم اتنا کیوں بولتی ہو۔"

"اس کی موت کی خبر اخباروں میں نہیں آئے گی۔"

Downloaded from https://paksociety.com

ویرا نے موڈ بحال کرنے کی کوشش میں اسے چڑایا "فون کرنے کے نتیجے میں تمہیں پتا تو چل گیا کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔"

"وہ واقعی شریف اور غیرت مند انسان تھا۔ اس کا احساسِ جرم اسے لے ڈوبا۔" غزالہ نے کہا۔

"تم تینوں کو اس کی موت کا اسی قدر صدمہ ہے تو اس کے جنازے میں شرکت کے لیے چلے جاؤ۔ شام تک فارغ ہو کر لوٹ آؤ گے۔ میں تمہارے لٹکے ہوئے' اداس چہرے دیکھنے سے بچ جاؤں گی۔"

"اس بار واقعی عجیب اور حیرت ناک واقعات پیش آئے ہیں۔" میں نے ہلکی سی پھریری لے کر کہا "یہ وہ مقام ہے جہاں انسان کی عقل اور ہر دلیل ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔ اسے کسی برتر قوت کے وجود کا قائل ہونا پڑتا ہے۔"

"چور' ڈاکو' قاتل اور دہشت گرد لڑتے بھڑتے ہوئے کہیں نہ کہیں کتے کی سی موت مارے جاتے ہیں۔" ویرا کہنے لگی "سفید پوش مجرموں کا عام طور پر ایسا ہی انجام ہوتا ہے۔ اس پر دل گرفتہ ہونا حماقت ہے۔"

"وقت اور قسمت' دونوں اس وقت ہمارے ساتھ ہیں۔ ہمارا کام خود بخود آسان اور ہلکا ہوتا جارہا ہے۔" سلطان شاہ نے یہ کہہ کر انگڑائی لیتے ہوئے کرسی چھوڑ دی۔

چمن علی کی موت کی خبر کے اثرات میرے اعصاب پر سے جلد ہی زائل ہوگئے۔ ہم میں سے کسی کو اس سے ہمدردی نہیں تھی کیونکہ وہ بہرحال ایک مجرم اور مراد کا مددگار تھا۔ گھر کا ماحول دوبارہ خوشگوار ہوتا چلا گیا۔ ابتدائی نوک جھوک کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ ویرا کسی سے کچھ کہے بغیر خاموشی سے کچن میں جا گھسی اور غزالہ کو میرے ساتھ وقت گزارنے کا موقع مل گیا۔

اس وقت ہمارے پاس کوئی کام نہیں تھا۔ غزالہ نے بہت لاڈ کے ساتھ ساحل کی سیر کی خواہش ظاہر کی اور میں سنجیدگی سے اس فکر میں مصروف ہوگیا کہ ویرا اور سلطان شاہ کو کس ترکیب سے گھر پر چھوڑا جائے۔ دن رات کی مصروفیت کی وجہ سے وہ دونوں بھی ہر وقت تفریح کے لیے تر سے رہتے تھے۔ انہیں ہمارے اصل پروگرام کی بھنک مل جاتی تو انہیں گھر پر چھوڑنا دشوار ہوجاتا۔

اسی دوران میں' میں نے اول خان کو فون کرکے چمن علی کے المناک انجام سے آگاہ کردیا۔ وہ اپنے لگے بندھے اصولوں پر چلنے والا آدمی تھا۔ اسے وہ خبر سن کر ذرا بھی قلق نہیں ہوا بلکہ اس کا ردِعمل حیرت انگیز طور پر وہی تھا جو ویرا کا تھا۔

دوپہر کے کھانے پر غزالہ نے میری ہدایت کے مطابق کپڑوں کی خریداری کی فرمائش کر ڈالی جو میں نے قدرے چوں وچرا کے بعد منظور کرلی۔ اس کام میں سلطان شاہ کے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی۔ غزالہ نے رسماً ویرا سے ساتھ چلنے کے بارے میں پوچھا تو اس نے کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ بس غزالہ کو یہ تاکید کردی کہ وہ اپنی ہی پسند اور ناپ کے چند فاضل جوڑے بھی لیتی آئے جو اس کے کام آسکتے تھے۔

میں نے ویرا کے فرمان پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تو کچھ دیر کے انتظار کے بعد وہ خود ہی بول پڑی "میرا اور غزالہ کا قد اور بدن یکساں ہے۔ ہم آسانی سے ایک دوسرے کے کپڑے پہن لیتے ہیں۔ اگر میں بھاری ہو رہی ہوں تو تمہیں ماننا پڑے گا کہ غزالہ بھی موٹی ہوگئی ہے۔"

"ارے' وہ مذاق کی بات تھی۔" میں نے ہنس کر اسے ٹال دیا "تم بلاوجہ اسے اپنے دل پر لے بیٹھیں۔"

"مجھے معلوم تھا کہ تم یہی کہو گے۔ غزالہ پر تنقید تم برداشت نہیں کرسکتے۔ حسن اور نزاکت کو اس پر ختم سمجھتے ہو۔"

"یہ میں نے تم سے کب کہہ دیا؟" میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

"بہت سی باتیں کہے بغیر سمجھ لی جاتی ہیں۔ تم بلاوجہ ہی اپنی لیلیٰ کے مجنوں نہیں بنے ہوئے ہو۔"

"قد اور بدن تک تمہاری بات ٹھیک ہے مگر ہماری پسند یکساں نہیں ہے۔" غزالہ نے ہنس کر کہا "تم شوخ اور بڑے پرنٹس پسند کرتی ہو۔ مجھے ہلکے پھلکے رنگ اور ڈیزائن اچھے لگتے ہیں۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بنیادی طور پر ہماری پسند بھی ایک ہی ہے۔" ویرا نے معنی خیز لہجے میں بے باکی سے کہہ ڈالا "یقین نہ آئے تو اپنے ڈینی سے پوچھ لو۔"

میں بوکھلا گیا مگر غزالہ کی تیوریوں پر بل تک نہ آیا۔ اس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا "پسند اتنی یکساں ہو تو کہیں کہیں ٹکراؤ بھی ہوجاتا ہے مگر ہمارے درمیان آج تک ایسی نوبت نہیں آئی۔"

غزالہ کے اس ذو معنی جواب پر میری طبیعت خوش ہوگئی۔ ویرا خفت آمیز لہجے میں کہہ رہی تھی "کبھی میں خاموشی سے اپنی ہار مان لیتی ہوں اور کبھی تم فراخ دل ہوجاتی ہو۔ ایسا نہ ہوتا تو شاید اب تک ہمارا ساتھ چھوٹ چکا ہوتا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

باتیں چلتی رہیں مگر یہ طے ہو چکا تھا کہ ہم دونوں کے ساتھ کوئی اور نہیں جائے گا۔

تین بجے ہم دونوں گاڑی لے کر گھر سے روانہ ہو گئے۔ غزالہ اپنی فرمائش پوری ہونے پر بہت خوش تھی اور بات بات پر کھلی پڑ رہی تھی۔

اپنا جھوٹ نبھانے کے لیے ہم نے صدر کی ایک مشہور دکان سے عجلت میں چند زنانہ سوٹ خریدے اور پھر ٹاور کے راستے ہاکس بے کی طرف روانہ ہو گئے۔ کانٹنٹن کے مقابلے میں کراچی کا وہ پرسکون اور رومان پرور ساحل ہمیشہ سے مجھے پسند رہا ہے۔

وہ چھٹی کا دن نہیں تھا۔ ہاکس بے کے صاف ستھرے ساحل پر خال خال ہی لوگ نظر آ رہے تھے۔ جنہوں نے شہر کے شور و غل اور کثافتوں سے اکتا کر اپنی گاڑیوں میں اس پُرفضا ساحل کا رخ کیا تھا۔

میں نے ایسے مقام پر گاڑی روک دی جہاں سمندر کی جھاگ اڑاتی اور دم توڑتی ہوئی موجوں کی طلسماتی گونج اور بحری پرندوں کی آوازوں کے سوا کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے جوتیاں گاڑی میں لاک کیں اور غزالہ کا ہاتھ تھام کر ڈھلوان ساحل کی سرمئی ریت پر تقریباً دوڑتا ہوا گھٹنوں گھٹنوں پانی میں چلا گیا۔

وہ میری زندگی کا ایک حیات پرور اور یادگار دورانیہ تھا۔ مجھے زندگی میں یکایک نیا پن محسوس ہونے لگا تھا۔ ہم پیروں کے نیچے سے نکلتی ہوئی ریت پر دیر تک ایک دوسرے کے ساتھ کھیلتے اور پانی اڑاتے رہے۔ کھلے سمندر کی انجان گہرائیوں سے جنم لینے والی طوفانی لہریں ہمارے قدموں کو چھوتے ہوئے ساحل پر دور تک جھاگ پھیلا رہی تھیں۔ ہر نئی لہر کے ساتھ مجھے سرشاری کا عجیب احساس ہو رہا تھا۔

موسم اور ساتھ ایسا تھا کہ پانی سے باہر نکلنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا مگر زندگی میں کچھ بھی امر نہیں ہوتا۔ انسان سمیت سب کچھ گزر جانے کے لیے وجود میں آتا ہے۔ غزالہ کے نازک ہونٹوں پر سردی کی ہلکی سی نیلاہٹ دیکھ کر میں نے واپسی کی راہ اختیار کر لی۔

بھیگے ہوئے کپڑوں کو ساحل کی دھوپ اور ہوا میں خشک کرنے کے لیے ہم دیر تک پانی سے ذرا دور چہل قدمی اور باتیں کرتے رہے۔ مسلسل باتیں کرتے رہنے کے باوجود بات میں سے بات نکلتی چلی آ رہی تھی۔ پتا نہیں غزالہ کب سے وہ خوش گوار یادیں اور باتیں دل میں لیے بیٹھی تھی۔

جب سورج کی اکلوتی آنکھ زمین اور سمندر کو قہربار

انتہائے شکر گزاری

وکیل صاحب نے سخت محنت کے بعد ایک موکل کا مقدمہ جیتا تو اس نے انہیں شکریے کا خط لکھتے ہوئے ایک جگہ لکھا:

"میں آپ کا اتنا احسان مند ہوں کہ آپ کو وکیل کے بجائے ایک دوست کے طور پر یاد رکھوں گا۔"

انداز میں گھورتی ہوئی سمندر اور آسمان کی ملتی ہوئی لکیر سے قریب ہونے لگی تو ہم گاڑی کی طرف ہو لیے۔ چند منٹ بعد ہم فسوں خیز ساحل کو چھوڑ کر شہر کی دھواں اگلتی چمنیوں کی طرف لوٹ رہے تھے۔

ماری پور کے علاقے سے گزرتے ہوئے میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے بٹن دبا کر فون کان سے لگایا اور شریف آباد والی نسرین کے پاس کام کرنے والی نیما کی آواز سن کر فون جلدی سے غزالہ کو تھما دیا۔

وہ ہیلو ہیلو کرتی رہ گئی' مگر دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے فون بند کر دیا اور پوچھا "کس کی کال تھی؟"

"وہی پاگل نیما تھی۔" میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

مجھے اندیشہ تھا کہ نیما کا فون آ جانے پر غزالہ میری اور اس کی کانٹنٹن کی سیر کا ذکر ضرور چھیڑے گی لیکن اس نے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ ویرا کے قول کے مطابق غزالہ کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ فراخ دل تھی اور ہر ضروری موقع پر چشم پوشی سے کام لیتی تھی۔

فاصلہ گھٹنے کے ساتھ ساتھ راستے پر ٹریفک کی بھیڑ بڑھنے لگی۔ ہماری رفتار کم ہو گئی۔

شہر بھر کی روشنیاں جل جانے کے بعد ہم گھر پہنچے تو ہماری حالت ہماری آوارہ گردی کی کہانی سنا رہی تھی۔ بالوں سے لے کر چہرے' لباس' پیروں اور گاڑی کے پائیدان تک میں سنہری سمندری ریت چمک رہی تھی۔

جب تک ہم سمندر کے پانی میں تھے' سب کچھ مزہ دے رہا تھا لیکن گھر پہنچتے ہی کھارے پانی کی چپچپاہٹ اور ریت کی چبھن ناقابل برداشت ہونے لگی۔ میں اپنے کمرے کے باتھ روم میں چلا گیا۔ غزالہ' ویرا کے باتھ روم میں جا گھسی۔

میں نہا کر نکلا تو بھوک چمکی ہوئی تھی۔ باتھ روم سے

Downloaded from https://paksociety.com

غزالہ کی واپسی تک مجھے ویرا اور سلطان شاہ کے کاٹ دار سوالوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انہیں یہ یقین دلانا دشوار ہو رہا تھا کہ شاپنگ سے جلد فارغ ہونے کی وجہ سے ہم ساحل کی طرف نکل گئے تھے۔ وہ دونوں سمجھ چکے تھے کہ ہم تفریح کے لیے ان سے شاپنگ کا بہانہ کرکے گھر سے نکلے تھے۔

اس روز ویرا نے رضاکارانہ طور پر کچن کا سارا انتظام خود سنبھالا تھا اس لیے کھانے وغیرہ کی تیاری میں اپنے گھٹر پن کے سارے جوہر یک جا کردیے تھے۔ غزالہ نے غسل سے فارغ ہوتے ہی اس کے ساتھ مل کر میز لگائی اور معمول کے وقت سے پہلے ہی ہمارے لذیذ ڈنر کا آغاز ہوگیا۔

تکان اور پھر شکم سیر ہونے کا خمار جلد ہی اپنا رنگ دکھانے لگا۔ میں ڈرائنگ روم میں زیادہ دیر تک ان لوگوں کی مجلس کا ساتھ نہ دے سکا اور دو سگریٹیں ختم کرنے کے بعد سونے کے لیے اپنے کمرے میں چل دیا۔

میں نے کمرے کی روشنیاں گل کرکے اپنے سرہانے رکھا ہوا ٹیبل لیمپ روشن کیا اور پڑھنے کے لیے ایک کتاب اٹھالی۔ نیند کا غلبہ اتنا شدید تھا کہ میں چند صفحات سے زیادہ نہ پڑھ سکا اور میرے پپوٹے نیند سے بوجھل ہوتے چلے گئے۔

مجھے کچھ علم نہیں کہ ان تینوں نے کب ڈرائنگ روم چھوڑا اور غزالہ کمرے میں آئی۔ گہری نیند سے میری آنکھ کسی آواز کی وجہ سے کھلی۔ میں بیدار ہوکر کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں بستر پر بے حس و حرکت پڑا پلکیں جھپکاتا رہا۔ فضا پر رات کا گہرا سکوت چھایا ہوا تھا، کہیں سے کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔ وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ سکوت برقرار رہا اور میری پلکیں ایک مرتبہ پھر نیند کے خمار سے بوجھل ہونے لگیں۔

ایک لمبا وقفہ گزرنے کے بعد پھر چرچراہٹ کی تیز آواز آئی اور تھم گئی۔ یوں محسوس ہوا جیسے سوکھی ہوئی پختہ لکڑی میں سے کچھ نکالنے کی کوشش کی گئی ہو۔

پہلی آواز کو میں نے نیند کا دھوکا سمجھ کر نظر انداز کردیا تھا مگر دوسری بار میرے کانوں نے اس آواز کو سمجھنے میں غلطی نہیں کی تھی۔ میں نے پلٹ کر غزالہ کی طرف دیکھا۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے اپنے تکیے کے نیچے سے بھرا ہوا ریوالور نکالا اور نہایت خاموشی سے بستر چھوڑ دیا۔

میں دبیز قالین پر ننگے پاؤں چلتا ہوا دروازے تک پہنچا، بہت احتیاط سے ہینڈل گھما کر دروازے قدرے وا کیا اور سرعت سے باہر پھیلی ہوئی تاریکی میں رینگ گیا۔

اس بار وقفہ زیادہ طویل نہیں رہا۔ آوازیں پھر آئیں۔ صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ قریب ہی کوئی کچھ اکھاڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ آواز ڈرائنگ روم کی طرف سے آئی تھی۔ میں ریوالور تانے اندھیرے میں آگے بڑھا اور پھر اپنی جگہ جم کر رہ گیا۔

ڈرائنگ روم میں مکمل اور گہری تاریکی تھی۔ اس کے مقابلے میں باہر تاروں بھرے آسمان تلے قدرے اجالا تھا جو شاید کہیں جلتے ہوئے کسی بلب کی روشنی کے انعکاس کا نتیجہ تھا۔ اس دھندلی روشنی میں ڈرائنگ روم کی کھڑکی کے پیچھے تین انسانی سراور دھڑ نظر آرہے تھے۔ ان تینوں کے چہروں پر کپڑے لپٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے کسی اوزار کی مدد سے کھڑکی میں لگی ہوئی مضبوط آہنی گرل کو چوکھٹ سے اکھاڑ لیا تھا اور اس وقت گرل کو چوکھٹ سے الگ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

میرے وجود پر اضطراب طاری ہونے لگا۔ تین چہرے نظر آرہے تھے۔ ان نامعلوم لوگوں کے دوسرے ساتھی احاطے میں پھیلے ہوئے ہوسکتے تھے۔ ان کی تعداد تشویش ناک حد تک زیادہ تھی۔ مجھے حیرت تھی کہ ان آوازوں نے ویرا، غزالہ اور سلطان شاہ کی گہری نیند میں کوئی خلل نہیں ڈالا تھا۔

گھر میں گھسنے کی کوشش کرنے والے ان دیدہ دلیر اور نامعلوم لوگوں کو للکارنے کے لیے مجھے کسی کی مدد کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ مجھے تشویش یہ تھی کہ وہ لوگ اپنی تعداد میں برتری کی وجہ سے کسی طرح گھر میں گھسنے میں کامیاب ہوگئے تو وہ تینوں گہری نیند سے ہڑبڑا کر بیدار ہونے کی وجہ سے کچھ بھی نہیں سمجھ سکیں گے اور بوکھلاہٹ کی وجہ سے مارے جائیں گے۔

اس وقت تک کھڑکی کی گرل اپنی جگہ چھوڑ کر لکڑی میں پھنسے ہوئے کچھ لمبے پیچوں کے سہارے اٹکی رہ گئی۔ ان میں سے ایک نے جوں ہی شیشے کا پٹ ایک طرف سرکا کر راستہ بنانے کی کوشش کی، میں نے آہستگی سے ریوالور کا سیفٹی کیچ ہٹادیا۔

فریم سے اکھاڑی جانے والی گرل نے اتنی جگہ پیدا کردی تھی کہ انسان تو درکنار، نوجوان مگر سبک اندام سانڈ بھی آسانی سے وہاں سے گزر کر گھر میں آسکتا تھا۔

میں نے ہاتھ سیدھا کرکے کھڑکی کا پٹ سرکانے والے کی کھوپڑی کا نشانہ لیا اور فائر کردیا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیڑھ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیمپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے ساتھ ہم پاکستان واپس پہنچے' یہاں مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل کے دو مہمران سے تفتیش کے نتیجے میں کھنول راجوانی کا نام سامنے آیا' اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے پھسلی مچھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے اسے واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری مخبری کے نتیجے میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی قونصلیٹ کا ملازم اور ائن ڈی منٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرتل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈیبی کو تلاش کرکے اس کے حوالے کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے معقل ثابت ہو رہا تھا' اس نے میرے اور اول خان کے تنگر پر تنس بھی حاصل کرلیے۔ اس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے ابوبی سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہو چکا تھا' اس نے مجھے ائن ڈی قونصلیٹ کے میجر بخشی کے سپرد کردیا۔ جس نے مجھے دھن راج سے بھی متعارف کرادیا۔ میجر بخشی کرتل جمال دستی کا فوجی ماضی جاننا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی ناہم بعد میں اسے کرتل جمال دستی کی حیثیت پر یقین آگیا۔ ابوبی منٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دلی فرار ہوگیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی اکسی کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور ہماری معاونت پر ابوبی منٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ڈیبی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے اس کے گہرے مراسم ہیں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی پیش کش کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مار ڈالا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خود کشی کرلی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرالیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچا رہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منفور نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک و شبے سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آپریشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نیا بابی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچا دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آپریشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ یوب رائیل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آرہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جارہی تھی ہم اسے یوب رائیل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر یوب رائیل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہِ فرار اختیار کی مگر وہ ہمارے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محبِ وطن ٹیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی قابو میں کرلیا۔ ہوٹل میں یوب رائیل نے اپنی گھٹیا حرکتوں کی کوشش کی ناکام ہوا اور بالآخر امریکی صدر کے فرمان کے تحت اپنے عہدے سے برخاست ہو کر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرم الٰہی نے تفتیش کے دوران میں بتایا کہ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کے پیغامات کے حوالے سے بلیک میل کرتا رہا ہے اور اس نے فاؤنڈیشن کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی فائل بنا رکھی ہے۔ ہم نے وہ فائل حاصل کرلی۔ مقبول چوہدری اور اکرم الٰہی بے مصرف ہو چکے تھے لہٰذا انہیں ٹھکانے لگا دیا گیا۔ اکرام الٰہی کی مرتب کردہ فائل سے ہمیں بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں۔ ان میں ایک نام مراد ظریف کا تھا جو اندرون سندھ ایک این جی او چلا رہا تھا۔ فائل سے ظاہر اس کی اہمیت کے پیش نظر میں نے اسے مقبول چوہدری کے حوالے سے بلانا چاہا مگر وہ قابو میں نہیں آیا۔ سلطان شاہ اس کی تلاش میں حیدر آباد گیا اور بدقسمتی سے مراد ظریف کے شکنجے میں پھنس گیا۔ سلطان شاہ کو چھڑانے کے لیے ہم نے پہلے مراد ظریف کو حیدر آباد سے گرفتار کیا اور پھر ایک مختصر معرکے کے بعد سلطان شاہ کو میرپور خاص سے بازیاب کرالیا گیا۔ مراد ظریف نے ہماری تحویل میں خودکشی کرنے سے پہلے تفتیش کے دوران میں انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے ملاتے میں مسیح تربیت کا کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارتی علاقے سرحا باد کی طرف چلا گیا ہے۔ آئی بی کے حلال کا خیال تھا کہ ان کی سرکوبی کے لیے ہمیں سرحد پار جانا چاہیے۔ میں نے اس پر کوئی رائے نہیں دی۔ اکرام الٰہی کی فائل میں مندرج دیگر افراد بھی اپنے اپنے انجام کو پہنچ رہے۔ ہمیں ذرا سا سکون میسر آیا تھا کہ اسی شب نامعلوم مجرموں کی ایک پارٹی نے ہماری رہائش گاہ تک رسائی حاصل کی۔ انہوں نے ایک کھڑکی کی گرل کاٹ لی تھی۔ میں نے کھڑکی کاپٹ سرکانے والے شخص کی کھوپڑی کا نشانہ لیا اور فائر کردیا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

فائر کرتے ہی میں خود حیرت سے اُچھل پڑا۔ بیک وقت دو گولیاں چلنے کے دھماکے ہوئے تھے۔ دونوں کا نشانہ شاید ایک ہی تھا کیونکہ فائروں کے جواب میں اکھڑی ہوئی کھڑکی سے باہر ایک بھیانک چیخ سنائی دی تھی۔ اس ناگہانی چیخ میں اس بلا کا درد نہاں تھا کہ اس کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ گولیاں کھانے کے بعد زندہ رہا ہوگا۔

زخمی کا وجود زمین پر گرنے کی دھمک بہت واضح تھی۔ اس کے ساتھ ہی باہر سے مزید کچھ آہٹیں سنائی دیں اور اکھڑتی ہوئی کھڑکی کے پس منظر میں نظر آنے والے تینوں چہرے یک لخت معدوم ہوگئے۔

مجھے حیرت تھی کہ میرے شکار پر دوسری گولی کس نے چلائی تھی مگر میں نے کن انکھیوں سے یہ دیکھ لیا تھا کہ دوسرا فائر میری داہنی جانب سے کیا گیا تھا اور دونوں ہی گولیاں نشانے پر لگی تھیں۔

"کون ہے؟" جلے ہوئے بارود سے بھرتی ہوئی خاموش فضا کے تسلسل میں' میں نے اضطراری لہجے میں للکارا "جواب دو ورنہ بے دریغ گولی مار دوں گا۔"

"احتیاط سے مارنا۔" اندھیرے میں سلطان شاہ کی دبی دبی آواز ابھری "میں شاید تم سے پہلے یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا مگر سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان کا کیا کروں۔"

سلطان شاہ کی آواز سنتے ہی میرا دل شیر ہوگیا "تم یہیں رکو' میں اسی اکھڑی ہوئی کھڑکی سے باہر دیکھتا ہوں۔ پتا نہیں یہ کون لوگ ہیں اور یہاں کیا لینے آئے ہیں۔"

رات کے گہرے سکوت میں میری وہ آواز اتنی بلند تھی کہ شاید باہر بھی سن لی گئی اور جونہی میں کھڑکی کے نزدیک پہنچا' باہر سے کلاشنکوف کا ایک فائر ہوا۔ اگر میں فوراً ہی قالین پر نہ گر گیا ہوتا تو بوکھلاہٹ کے عالم میں چلائی ہوئی وہ گولی میرے بدن کے کسی بھی نازک حصے کو چاٹ سکتی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

میں چند ثانیوں تک یوں ہی قالین پر سانس روکے پڑا رہا۔ اس دوران میں مجھے باہر سے ایسی آوازیں آرہی تھیں جیسے وہ لوگ اپنے زخمی یا مردہ ساتھی کو وہاں سے اٹھالے جانے کی کوششیں کررہے ہوں۔

اس وقت تک میں ان کے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کرپایا تھا۔ ہم نے بظاہر اپنے تمام دشمنوں کو زیر کرلیا تھا اور چمن علی پر بلڈ پریشر کا جان لیوا دورہ پڑنے کے بعد میدان بالکل ہی خالی رہ گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ تینوں کون تھے اور کس نیت سے ہمارے گھر میں گھسنے کی کوشش کررہے تھے۔

یہ بات تسلی بخش تھی کہ ہم نے بروقت مداخلت کرکے ان کی کوشش ناکام بنادی تھی مگر پھر بھی ان میں سے کسی نہ کسی کا ہاتھ آنا بہت ضروری تھا کہ ان کی اصلیت اور ارادوں کے بارے میں کچھ معلوم ہوسکے۔

لمحہ بھر کے لیے میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ شاید وہ تینوں پیشہ ور چور یا اُچکے رہے ہوں اور اندھیرے میں اپنی قسمت آزمانے کے لیے ہمارے گھر کا رخ کر بیٹھے ہوں مگر وہ خیال زیادہ جان دار نہیں تھا۔ کسی پیشگی منصوبے کے بغیر، اندھیری راتوں میں گلیوں میں پھرنے والے چور اور اُچکے پولیس کی کڑی باز پُرس کے خوف سے ایسا کوئی ہتھیار ساتھ لے کر نہیں نکلتے جس سے ان کے مذموم عزائم کی نشان دہی ہوسکے۔ جب کہ ہمارے گھر میں آنے والے آہنی گرل تک اکھاڑنے کے لوازم سے لیس تھے۔

"کیا ہوا... یہاں کیا ہورہا ہے؟" میرے کانوں میں غزالہ کی سرسراتی ہوئی آواز آئی۔ فائرنگ کے شور نے اس کی نیند خراب کردی تھی مگر ویرا اس وقت بھی گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔

"جہاں ہو، وہیں رکی ہو۔" میں نے قالین چھوڑے بغیر کہا "کچھ لوگ احاطے میں گھس آئے ہیں۔"

"یہ گرل بھی شاید انہوں نے ہی اکھاڑی ہے!" غزالہ کی آواز سے تشویش مترشح تھی۔

میں نے اس کی خود کلامی کا کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھے سلطان شاہ کی فکر لاحق ہوگئی تھی۔ کافی دیر سے اس کی آواز نہیں سنائی دی تھی۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا تو وہ اپنی جگہ پر نہیں تھا۔

پھر اسی لمحے احاطے سے اس کی للکارتی ہوئی آواز سنائی دی "اپنے اپنے ہتھیار پھینک کر ہاتھ اوپر اٹھالو ورنہ بدن چھلنی کردوں گا۔ تم دونوں میرے نشانے پر ہو۔"

وہ غالباً میری لاعلمی میں داخلی دروازہ کھول کر گھر سے باہر نکل گیا تھا۔ میں نے پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑی اور اکھڑی ہوئی گرل میں سے ہوتا ہوا مکان کی بغلی گلی میں کود گیا۔

اس طرف مکان اور احاطے کی دیوار کے درمیان مختصر سی پختہ گلی تھی جو مکان کے آخری سرے تک چلی گئی تھی۔ وہاں احاطے کی دیوار کی جڑ میں پھول دار پودے لگے ہوئے تھے جن کے درمیان بہت سے خود رو پودے بھی اُگ آئے تھے۔ میرے اندازے کے عین مطابق وہ تین ہی تھے۔ انہوں نے اپنے زخمی ساتھی کو فرش پر کافی دور تک گھسیٹ لے جانے کے بعد کندھے پر لاد لیا تھا اور فرار کی تیاری کررہے تھے کہ سلطان شاہ نے اس گلیارے کے ایک سرے پر پہنچ کر ان کے فرار کی راہ مسدود کردی۔

اس لمبے راستے کے ایک سرے پر سلطان شاہ موجود تھا، دوسرے سرے پر ہمارے تینوں مجرم تھے اور میں درمیان میں تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ تینوں سلطان شاہ کی للکار پر اپنی جگہ پر رُک ضرور گئے تھے مگر ان میں سے کوئی بھی اس کی ہدایت پر عمل کرنے کے موڈ میں نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ اس وقت محض فطری ہچکچاہٹ میں مبتلا تھے اور اپنے عزائم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے سرعت سے کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

میں انہیں کسی بھی قیمت پر کوئی موقع فراہم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بظاہر وہ تینوں مسلح تھے لیکن زخمی ہونے والا عملی طور پر ناکارہ ہوکر رہ چکا تھا۔ دوسرے نے اسے اپنے کندھے پر لاد لیا تھا اس وجہ سے وہ اپنی کلاشنکوف سے کوئی مؤثر مدد نہیں لے سکتا تھا۔ ان تینوں میں.... سے اس وقت صرف وہی شخص زیادہ خطرناک تھا جو آزادی کے ساتھ اپنے ہتھیار کے استعمال پر قادر تھا۔ کلاشنکوف اس کے دونوں ہاتھوں میں دبی ہوئی تھی مگر اس کی نال کا رخ زمین کی طرف تھا۔

وہ سلطان شاہ کے پستول کی رینج سے باہر تھا اسی لیے تذبذب میں تھا مگر میں اس کے قریب نمودار ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی تیسرے فرد نے اپنی کلاشنکوف سیدھی کرنے کی کوشش کی تھی مگر میں نے اسے کوئی مہلت دیے بغیر فوراً ہی اس کے داہنے بازو پر گولی چلادی۔ اس کا ردِعمل ریوالور سے نکلی ہوئی گولی کی رفتار سے زیادہ تیز نہیں تھا۔ گولی کھاتے ہی کلاشنکوف اس کے ہاتھ سے نکل گئی اور میں نے پوری قوت سے اس کی طرف دوڑ لگادی۔

وہ صورتِ حال ان لوگوں کے لیے ہولناک تھی۔ اپنے ساتھی کا حشر دیکھتے ہی، دوسرے نے اپنے کندھے پر لدے

Downloaded from https://paksociety.com

ہوئے تیسرے بے حس و حرکت شخص کو پھرتی سے نیچے گرا دیا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اس کی کلاشنکوف کا مضبوط اسٹریپ زخمی یا مردہ شخص کی ٹانگ میں پھنس گیا۔

وہ بلند آہنگ غراہٹوں کے ساتھ، پھنسا ہوا اسٹریپ نکالنے کی کوششیں کرنے لگا۔ اسے یہ ہوش نہ آسکا کہ وہ اپنے پھنسے ہوئے ہتھیار کو بھول کر زمین پر پڑی ہوئی کلاشنکوف سنبھال لے۔

اس کے کامیاب ہونے سے پہلے میں اس پر جا پڑا۔ میں نے اپنے ریوالور کی نال تھام کر پوری قوت سے اس کے دہانے پر آہنی دستے کی ضرب لگائی اور اس کا منہ لہولہان ہوگیا۔ اس کے ہونٹ وغیرہ پھٹنے کے ساتھ اس کے کئی دانت بھی ٹوٹ کر شاید حلق میں جا پھنسے تھے کیونکہ اسے کھانسی کا بھیانک پھندا لگ گیا۔

فوری طور پر اس کے سنبھلنے کی کوئی امید نہیں تھی، اسے اوسان باختہ کرکے میں زخمی بازو والے کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ سب کچھ بھول بھال کر دیوار پر چڑھنے کی کوشش کررہا تھا۔ میں نے پشت سے اس کی ٹانگوں کے درمیان ہاتھ ڈالا اور بہت بے رحمی کے ساتھ اسے نیچے گھسیٹ لیا۔

اس کے حلق سے برآمد ہونے والی پہلی چیخ میری وحشیانہ گرفت کا نتیجہ تھی، اس کے بعد وہ چیختا ہی چلا گیا۔ اس کا چہرہ اور پورا بدن کھردری دیوار سے رگڑ کھاتا ہوا نیچے آیا تھا اور وہ اوندھے منہ کیاری میں ڈھیر ہوگیا۔

اسی اثنا میں سلطان شاہ بھی میرے پاس آپہنچا تھا۔ غزالہ میری تقلید میں، اکھڑی ہوئی کھڑکی کے راستے باہر نکل آئی تھی۔ اپنے سروں پر یکایک تین نفوس کو سوار دیکھ کر نامعلوم افراد کے ہاتھ پیر پھول چکے تھے۔

میں نے ان دونوں پر کچھ تشدد کرکے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی تھی لیکن سلطان شاہ کے دل میں غبار بھرا ہوا تھا۔ اس نے ان دونوں پر باری باری مکوں اور لاتوں کی برسات کردی۔

"یہ تینوں کون ہیں اور یہاں کیا کررہے تھے؟" غزالہ نے الجھی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"ابھی تو ان کی خاطر تواضع کی جارہی ہے۔ بازپرس کی نوبت آئے گی تو یہ کچھ اُگلیں گے ... یہ ہمارے ساتھ پنگ پانگ کھیلنے نہیں آئے تھے، ڈرائنگ روم کی کھڑکی کے راستے اندر داخل ہونے کا ارادہ رکھتے تھے۔"

"الّو کے پٹھے!" سلطان شاہ کا تھپڑ کھا کر اپنے قدموں کے قریب گرنے والے کی پسلیوں پر ٹھوکر مار کر میں نے حقارت سے کہا "تم لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ گھروں میں کھڑکیوں سے نہیں، دروازوں سے داخل ہوا جاتا ہے۔"

"رحم ... خدا کے لیے ہم پر رحم کرو۔ ہمیں بہت مار پڑ چکی ہے۔" وہی شخص ہانپتے ہوئے کراہا۔

مجھے حیرت تھی کہ اتنی رات گئے ہمارے گھر کی حدود میں کم از کم چار فائر ہو چکے تھے مگر قرب و جوار سے کہیں بھی کسی نے کوئی آواز بلند نہیں کی تھی، یہ بات ناممکن تھی کہ فائرنگ کے دھماکے علاقے کے مکینوں نے نہ سنے ہوں۔ بہت سے لوگ یقیناً جاگ اٹھے تھے اور فکرمندی مگر خاموشی کے ساتھ اپنے اپنے گھروں میں محصور تھے۔

اس معزز اور تعلیم یافتہ آبادی میں سے کوئی بھی اپنی جان کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار تھا، نہ کسی خونی واردات کا عینی شاہد بن کر طویل عدالتی کارروائیوں میں اپنا وقت برباد کرنے کے لیے تیار تھا۔

وہ ہمارے معاشرے کی نچلی سطح کی دو انتہائی برائیاں تھیں جن کی وجہ سے ہر قسم کے جرائم پوری آزادی سے پھل پھول رہے تھے۔ سب سے پہلے لوگ پولیس والوں کے غیر دوستانہ بلکہ درشت رویّے سے ڈرتے تھے کیونکہ قانون کے نفاذ کی بنیادی ذمّے داری ان ہی کی تھی۔ وہ اگر چاہتے تو خفا ہو کر کسی بھی شریف شہری پر کوئی سنگین فردِ جرم عائد کرکے فوری طور پر اسے پسِ زندان پہنچا سکتے تھے۔ یہ اور بات کہ ایسے شریف شہری اپنی بے گناہی ثابت کرکے یا کہیں کوئی مک مکا کرکے جلد ہی سلاخوں سے باہر آجاتے مگر ان کے ان دنوں کا کون ذمے دار ٹھہرایا جاتا جو وہ قید میں گزارتے۔

شہریوں کے ساتھ پولیس والوں کے عام سلوک کے بعد دوسرا مرحلہ سست قانونی کارروائی کا تھا۔ عدالتی عملے کی کمی اور کام کے بے تحاشا دباؤ کی وجہ سے سماعت کا مرحلہ ہی بہت دیر سے شروع ہوتا تھا اور پھر یوں بھی ہوتا تھا کہ دونوں فریقوں کے وکیل مل جل کر، اپنی کسی سہولت کے لیے خود ہی تاریخ بڑھوا لیتے۔ یوں اذیت کے دن کچھ اور طول پکڑ جاتے تھے۔

سلطان شاہ نے اپنا پستول غزالہ کو تھما کر دونوں زخمی قیدیوں کی نگرانی پر مامور کردیا اور خود تیسرے کا جائزہ لینے لگا۔

"یہ مرچکا ہے۔" اسے ہلانے جلانے اور اچھی طرح دیکھنے کے بعد سلطان شاہ نے اعلان کیا "ایک گولی گردن میں اور دوسری شاید سینے میں لگی ہے۔"

"اسے یہیں پڑا رہنے دو۔ بقیہ دونوں کو اندر لے چلو

Downloaded from https://paksociety.com

تاکہ ان سے کچھ مذاکرات ہو سکیں۔" میں نے کہا۔ اسی وقت میرے کانوں میں دھماکا دور سے ابھرنے والے پولیس سائرن کی آواز آئی جو دھیرے دھیرے... دھیرے واضح ہوتی جارہی تھی۔

وہ تینوں کلاشنکوف بردار سے مسلح تھے۔ میں نے ان کے ہتھیار سمیٹے اور چند مزید ہاتھ کھانے کے بعد دونوں زخمی سلطان شاہ کے اشارے پر بیاگر چل دیے۔ غزالہ سب سے آگے' ان کی رہنمائی کررہی تھی۔

رات کے سناٹے میں پولیس کے سائرن کی آواز نمایاں ہوچلی تھی۔ میرے ذہن بھن میں پہلا خیال یہی آیا کہ بظاہر سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں خاموش اور محصور بیٹھے ہوئے تھے۔ مگر ان ہی میں سے کسی نے خوف اور اضطراب کے عالم میں گم نام فون کال سے کے ذریعے پولیس کو علاقے میں فائرنگ کی اطلاع دے دی تھی۔ وہ!

"پولیس شاید ہماری طرف آرہی ہے!" سلطان شاہ نے اپنی رفتار دھیمی کرکے میرے کان میں سرگوشی کی۔

"آنے دو۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ محاذ ٹھنڈا ہوجانے کے بعد یہ کسی کو اندازہ بھی نہیں ہوسکے گا کہ فائرنگ ہمارے گھر میں نہیں ہوئی ہوگی۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

وہ دونوں خاصی بری طرح زخمی ہوئے تھے۔ ان کے چہرے لہولہان تھے مگر غنیمت تھا کہ ان کے جسم کے کسی حصے سے خون نہیں بہہ رہا تھا۔ میرے ایما پر انہیں ڈرائنگ روم سے باہر ہی لابی کے فرش پر بٹھادیا گیا۔

"اب بتاؤ کہ تم کون ہو' تمہیں کس نے یہاں بھیجا ہے اور تمہیں کس کی تلاش تھی؟" میں نے ان کے سامنے کرسی سنبھال کر درشت لہجے میں بیک وقت کئی سوال کرڈالے۔

"ہمیں کسی نے یہاں نہیں بھیجا' ہم خود آئے ہیں۔" تھوڑی سی ردوقدح کے بعد ایک نے زبان کھولی۔

"یہاں تمہارا باپ رہتا ہے جو کھڑکی توڑ کر اندر گھس رہے تھے؟" سلطان شاہ کو غصہ آگیا۔

وہ سہم گیا "ہم گاڑی کے پیچھے کراچی آئے تھے۔ گاڑی گھر میں کھڑی کردی گئی تو ہم جائزہ لے کر چلے گئے۔"

میرے ذہن میں فوراً ہی روشنی کا ایک کوندا سا لپکا' اپنی کارروائیوں کے سلسلے میں ہم ابتدا سے آخر تک بہت محتاط رہے تھے مگر ہم نے اس گاڑی کو نظرانداز کردیا تھا جو ہیر آباد میں سلطان شاہ سے چھینی گئی تھی۔ سلطان شاہ کے اغوا کے بعد وہ کار لاوارث چھوڑ دی گئی تھی جہاں سے پولیس نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا اور پھر اول خان نے اپنے اژدر سوخ کی بنا پر وہ گاڑی واپس کراچی منگوالی تھی۔ ہماری وہ گاڑی اس وقت بھی پورچ میں موجود تھی۔

"تم کس گاڑی کی بات کررہے ہو؟" سلطان شاہ کچھ نہ سمجھنے کے باعث اس پر غرا رہا تھا۔

"وہی گاڑی جو باہر کھڑی ہے۔ تمہیں بے ہوش کرنے کے بعد ہم نے گاڑی لاوارث چھوڑی تھی۔"

"خوب!" سلطان شاہ کی ٹانگ چل گئی "تو مجھے اغوا کرنے والے تم تھے اور میرے آزاد ہوجانے کے بعد بھی میری گاڑی کی نگرانی کررہے تھے!"

سوسالہ فلم ڈائریکٹری

نیا ایڈیشن سرورق کی تبدیلی اور لائف ٹائم کیلنڈر کے ساتھ آگیا۔ اس فلم ڈائریکٹری کو نایاب کتابوں میں شمار کیا گیا ہے۔

قیمت 250 روپے' ڈاک خرچ 25 روپے

لکشمی چوک

جناب یاسین گوریجہ نے فلمی دُنیا کے اُن رازوں پر سے پردہ اٹھایا ہے جس کی ہمت کوئی نہ کرسکا۔ زبردست واقعات اور بے لباس شب وروز کی قلم کاری۔

قیمت 125 روپے ڈاک خرچ 20 روپے

نگار گولڈن جوبلی نمبر دوہزار سالہ جشن

لاجواب شہ پارہ پوری پاکستانی فلمی دنیا کا چپہ چپہ تحریر میں محفوظ کیا ہے۔ سدا بہار شاہکار جس کے پاس نگار گولڈن جوبلی نمبر نہیں اس کا فلمی دنیا سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہوسکتا۔ ایک تاریخی دستاویز

صفحات 466 سائز ڈبل۔ قیمت 300 روپے ڈاک خرچ 50 روپے

قیمت بذریعہ منی آرڈر روانہ کریں وی پی نہیں بھیجا جاتا

روپ پبلشرز آسن مل اوجھا روڈ کراچی

فون: 2628939-2624097

Downloaded from https://paksociety.com

"میں اپنی نہیں، ہم سب کی بات کر رہا تھا۔" وہ کراہتے ہوئے بولا "ہم بہت سے آدمی ہیں جو مراد ظریف کے لیے کام کرتے ہیں۔ تم یقین کرو کہ تمہیں اٹھانے والوں میں ہم تینوں میں سے کوئی بھی نہیں تھا۔"

"گاڑی کی نگرانی کے لیے مراد ظریف نے تمہیں کب حکم دیا تھا؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر پوچھا۔

میرے سوال نے اسے پریشان کر دیا۔ وہ چند ثانیوں تک خاموش رہ کر تھوک نگلنے کی کوشش کرتا رہا پھر دھیمی آواز میں بولا "وہ مراد ظریف نہیں، کوئی اور تھا.... مراد کا کہیں کوئی پتا نہیں ہے...."

"مراد کا پتا نہیں ہے، تمہیں ہدایت دینے والا کوئی اور ہے اور تم سب مراد کے لیے کام کرتے ہو۔" سلطان شاہ نے اس کی کھوپڑی پر مکا رسید کر کے تیز لہجے میں پوچھا "جال پھینک کے بجائے ہر بات کا سیدھا سیدھا جواب دو۔ مجھ سے یہ بکواس نہیں چلے گی۔"

"گوپال چند کی اوطاق سے کوئی مراد سائیں کو اٹھا لے گیا" پٹنے والے سے پہلے اس کے کم عمر ساتھی نے بولنا شروع کر دیا "سب کو اس کی تلاش ہے۔ ہمیں کرشن کمار نے اس کام پر لگایا تھا۔"

اس کے جواب کے آخری حصے پر میں چونک پڑا "کیا تم کرشن کمار کو اچھی طرح پہچانتے ہو؟"

اس نے پورے اعتماد سے اثبات میں جواب دیا تو مجھے پوچھنا پڑ گیا "اس نے بذاتِ خود تم کو کام بتایا تھا؟"

"ہاں سائیں!" اس نے اپنا مجروح ہاتھ سینے پر رکھ کر پورے یقین سے کہا "مراد سائیں کے لیے ہم سب سے زیادہ وہی غمگین ہے۔ ہمیں تو تمہارے گھر میں نقب لگا کر جائزہ لینا تھا اور لوٹ جانا تھا آگے کا کام اس نے نہیں بتایا تھا۔"

"وہ حیدر آباد میں تمہارا انتظار کر رہا ہوگا؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"کچھ پتا نہیں وہ کہاں آجائے۔ اس نے ہمیں حیدر آباد میں صحرا کے دفتر میں کام بتایا تھا۔ اب وہ جہاں چاہے گا، ہمارے پاس آجائے گا۔ اسی لیے ہم سب اسے چھلاوا کہتے ہیں۔ اس کے بارے میں کسی کو کچھ پتا نہیں ہوتا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی گہرے کنوئیں کی تہ سے بول رہا ہوں۔ ایک طرف جلال کی فراہم کی ہوئی یہ اطلاع تھی کہ کرشن کمار حالات مخدوش ہوتے ہی کھوکھراپار سے اونٹ کے ذریعے فرار ہو چکا تھا جبکہ نیا قیدی کرشن کمار کی حیدر آباد میں موجودگی کی کہانی سنا رہا تھا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ ایک ہی آدمی بیک وقت دو دور افتادہ مقامات پر موجود ہو۔

"تم نے کبھی کرشن کو دیکھا بھی ہے یا محض سنی سنائی اڑا رہے ہو؟" سچ اگلوانے کے لیے میں نے اس کا مضحکہ اڑایا "ہمارے سامنے ذرا بھی جھوٹ بولا تو ہیں پہنچا دیے جاؤ گے جہاں تمہارا تیسرا ساتھی پہلے ہی پہنچا ہوا ہے۔"

"سائیں، قسم لے لو جو ذرا بھی جھوٹ بولا ہو۔ وہ لمبے قد والا خوب صورت اور گورا چٹا آدمی ہے۔ اس سے آنکھ ملانا بہت مشکل کام ہے۔ پلکیں جھپکائے بغیر جب اپنی چمکیلی آنکھیں کسی کے چہرے پر گاڑتا ہے تو اس کا دم پھولنے لگتا ہے۔"

اس نے کرشن کمار کی صحیح تصویر کشی کی تھی۔ میں تذبذب میں پڑ گیا۔

اس دوران میں پولیس کی کوئی گشتی گاڑی تیز سائرن بجاتی ہوئی ہمارے گھر کے قریب سے گزری، کانوں کے پردے تک ہل کر رہ گئے۔ گاڑی آگے چلی گئی مگر میرے کانوں میں وہ گونج بسی رہی۔ کچھ دور جانے کے بعد سائرن بند کر دیا گیا۔

"تم گاڑی کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آئے، تمہیں نقب لگا کر اندر کا جائزہ لینا تھا اور پھر واپس لوٹ جانا تھا۔ یہ جو ایک لاش باہر پڑی ہوئی ہے، اس کا کیا کرتے؟" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد میں نے پوچھا۔

"اتنے سویرے شہروں کے لوگ گہری نیند سوتے ہیں۔ ہمیں اندیشہ بھی نہیں تھا کہ کوئی اٹھ گیا تو ایسا ہو جائے گا۔ کیا وہ واقعی مر چکا ہے؟" میں نے اس کے بشرے اور لب و لہجے سے اندازہ لگایا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔

"وہ مر چکا ہے اور میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم دونوں کا کیا کیا جائے!" میں نے غصے سے کہا۔

اس وقت تک ویرا بھی بیدار ہو کر ہم لوگوں میں ہونے والی تھی اور سرگوشیوں میں دوسروں سے معلومات حاصل کرنے کی کوششیں کر رہی تھی۔ وہ خود حیران تھی کہ اتنی گھن گرج کے باوجود اس کی نیند کیسے برقرار رہی۔

"باہر پولیس موبائل آچکی ہے۔ انہیں پولیس کے حوالے کر دو...." ویرا نے پہلی بار زبان کھولی۔

"خدا کے لیے ایسا نہ کرنا۔" دونوں قیدیوں نے یک زبان ہو کر ویرا کی بات کاٹ دی "تم ہمارے ساتھ جو سلوک چاہو کر لو مگر ہمیں پولیس کے حوالے نہ کرنا۔"

"ابے! تو نے ہمیں سمجھا کیا ہے۔" سلطان شاہ نے ادھیڑ عمر شخص کی گردن پر ہاتھ رسید کر کے کہا "ہم تیرے

Downloaded from https://paksociety.com

ساتھ کیا کریں گے؟ پولیس لاک اَپ میں جائے گا تو تیری ہر آرزو خود بخود پوری ہو جائے گی۔"

"نہیں، نہیں... یہ نہ کرنا۔" دونوں ہاتھ جوڑ کر وہ رو دینے والی آواز میں بولا پھر اچانک ہی سلطان شاہ کے قدموں میں سجدے میں گر گیا "تم نے ہمارے ایک آدمی کو مار ڈالا' ہمیں لہولہان کر دیا مگر یہ سب ہماری غلطی کی سزائیں ہیں۔ ہم نے تم سے ذرا شکایت نہیں کی مگر پولیس کا نام نہ لو۔ وہ ہمارے پیٹ چاک کر کے سب کچھ اگلوا لیں گے۔"

"وہی سب ہم بھی اگلوانا چاہ رہے ہیں۔ بولتے چلے جاؤ ورنہ ہم پولیس کو بلاتے ہیں۔"

وہ دھمکی کارگر رہی اور اس نے فوراً ہی بولنا شروع کر دیا۔ اس کے انکشافات ہم میں سے کسی کے لیے بھی دلچسپ نہیں تھے۔ وہ اندرون سندھ آباد بھیل قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ قبیلے والوں کے کچے جھونپڑوں اور گھروں میں مسلسل چھوٹی موٹی چوریاں کرنے اور بار بار تادیب کے باوجود باز نہ آنے پر انہیں قبیلہ بدر کر دیا گیا تھا۔

ابتدا میں وہ چار گہرے دوست تھے جو ہاتھ لگ جانے والے ہر نشے سے شغل کرنے کے عادی تھے۔ جب تک وہ بھیلوں میں رہے' ان کی رسائی بھنگ' چرس' گانجے اور زیادہ سے زیادہ تاڑی تک رہی۔ قبیلہ چھوڑنے کے بعد شراب اور پھر ہیروئن نے انہیں اپنے سحر میں لے لیا۔ کسی کو کہیں ایک آدھ روز کی مزدوری مل گئی تو مل گئی ورنہ پھر وہی بیکاری۔ اس بیکاری میں پیٹ بھی زیادہ غذا مانگتا تھا اور نشے کی طلب تو اپنی جگہ رہتی ہی رہتی تھی۔

انہوں نے میرپور خاص میں چوری کی پہلی واردات کا منصوبہ بنایا۔ انہوں نے اپنی دانست میں بہت اچھی اور مشہور اسامی تاڑی تھی۔ وہ نجمے سے ذرا پہلے اونچی دیواریں پھلانگ کر خاموشی سے گھر میں اترے۔ کام کی جگہوں کا جائزہ لے کر بھاری مالیت کے زیورات کے ساتھ نقدی بھی سمیٹی اور اسے ایک رومال میں باندھ کر روانگی کے لیے تیار ہو گئے۔

وہ ان کے لیے نحوست کی گھڑی تھی۔ عین اسی وقت صاحب خانہ کو پیشاب کی حاجت ہوئی اور اس نے گہری نیند کو خیرباد کہہ کر اچانک ہی بستر چھوڑ دیا۔

وہ کرشن کمار تھا۔ ان چاروں کو اپنے بند مکان میں پا کر وہ بہت چراغ پا ہوا۔ اس وقت تک وہ چاروں کرشن کمار سے بہت زیادہ مرعوب نہیں ہوئے تھے۔ چاہتے تو چاروں مل کر آسانی سے اسے زیر کر سکتے تھے مگر وہ نیچی ذات کے گبرو جوان تھے۔ ان کے بازوؤں میں قوت کی بجلیاں بھری ہوئی تھیں مگر ان کے دل حوصلے سے بالکل خالی تھے۔

ویسے بھی چور تھے' ڈکیت نہیں تھے۔ کرشن کمار نے ان کی جامہ تلاشی لی اور انہیں ایک کمرے میں بند کر کے پیشاب کرنے چل دیا۔ واپسی پر وہ ان چاروں کی سرپرستی کا فیصلہ کر چکا تھا۔

اس نے اپنا مال واپس لے کے انہیں چوریاں جاری رکھنے کی کھلی چھوٹ دے دی تھی مگر سختی سے یہ ہدایت کر دی تھی کہ مال ہاتھ آئے یا نہ آئے' کبھی کسی کا خون نہ بہانا۔

اس وقت کرشن کمار نے زیادہ کل پرزے نہیں نکالے تھے۔ وہ چاروں اس کی ہدایت پلّے سے باندھ کر منہ اندھیرے وہاں سے نکل آئے۔ راستے میں انہوں نے گلی میں سوئے ہوئے ایک لالہ جی کے بدن اور دھوتی کے درمیان لاتعلقی دیکھی تو خاموشی سے دھوتی اٹھا کر آگے کھسک گئے۔ انہیں معلوم تھا کہ اور کچھ ہو یا نہ ہو' بنیے اپنی انٹی میں ہر وقت ایک معقول رقم ضرور رکھتے ہیں۔

یہی ہوا۔ انٹی کی تہوں میں دو سو چالیس روپے موجود تھے۔ دھوتی نالے میں پھینک کر انہوں نے آدھی رقم آپس میں بانٹی اور بقیہ آدھی رقم دن چڑھے کرشن کمار کو پہنچا دی۔

یہ ان کا اصول تھا کہ اپنی ہر چوری کا آدھا مال پوری ایمانداری سے کرشن کمار کو دیتے تھے۔ وہ بڑا آدمی ہو گیا تو وہی حصہ مولا داد اور پھر مراد ظریف کو دیا جانے لگا۔

وہ چاروں اپنے فن میں اتنے طاق تھے کہ تھوڑے ہی دنوں میں میرپور خاص کے ہر مال دار گھرانے میں کئی کئی چوریاں ہو گئیں مگر چور ہاتھ نہ آ سکے۔ پھر شہر کے ساہوکاروں نے ان بدمعاش چوروں کو پکڑنے کے لیے سر جوڑ کر مشورے کرنے شروع کیے تو انہیں دھیان آیا کہ ان کی ضروریات پوری کرنے کے لیے میرپور خاص چھوٹا شہر تھا۔

وہ چاروں حیدر آباد آ گئے۔ انہیں وہ ہدایت کرشن کمار نے ہی دی تھی۔

ان چاروں بھیلوں نے حیدر آباد دیکھا تو حیرت سے ان کے دیدے پھیل گئے۔ مضبوط اور پرانے گھر خالی خالی نظر آتے تھے۔ بنگلوں میں رہنے کے شوقین لوگوں نے گھروں کو بہت چھوٹا اور غیر محفوظ بنا لیا تھا۔ حیدر آباد میں ان کا حصہ دار مراد ظریف تھا۔ وہ بہت برا وقت گزار رہا تھا۔

ان چاروں سے اسے جو رقم ملتی' اس سے وہ اپنے صحرا نامی دفتر کا خرچ پورا کرتا' اپنے لیے تھوڑی سی رقم بچا لیتا اور باقی حصہ کرشن کمار کو بھجوا دیتا۔

Downloaded from https://paksociety.com

وقت کے ساتھ ان چاروں کے حوصلے بھی بڑھتے چلے گئے۔ انہوں نے خون کی کوئی بوند بہائے بغیر کراچی میں بھی چوری کی کئی بڑی وارداتیں کیں اور ایسی ہی ایک واردات میں اپنے چوتھے ساتھی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوگئے۔ اس کا اصل اور پیدائشی نام بدلو بھیل تھا۔

کراچی میں چوری کی ایک واردات میں اس نے ایک نو عمر اور خوب رو لڑکی کو اپنے ٹھنڈے کمرے میں بے پروائی سے سوتے دیکھا اور اس پر وہیں فریفتہ ہوگیا۔ اس نے سوتی ہوئی لڑکی کو نہیں چھیڑا مگر اپنے ساتھیوں کے لاکھ سمجھانے کے باوجود اس کا گھر بھی نہیں چھوڑا۔

بدلو بھیل کی آنکھوں پر اس لڑکی کے حسن و جمال نے پردے ڈال دیے تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ رات بھر اسی ٹھنڈے کمرے میں کھڑا حسن کی اس دیوی کو دیکھتا رہے گا اور جب وہ بھرپور انگڑائی لے کر گہری نیند سے جاگے گی تو وہ اس کے قدموں میں سر رکھ کر اس سے بس اتنی اجازت مانگے گا کہ وہ حسن کی دیوی اسے ہر وقت اپنے قریب رہنے دے اور بدلو بھیل دور دور سے اس کو دیکھ کر سیراب ہوتا رہے۔

وہ احمقانہ خواہش تھی۔ تینوں نے زبردستی اسے کمرے سے باہر لا کر سمجھانے کی کوشش کی لیکن بدلو بھیل کی عقل پر پردے پڑے ہوئے تھے یا پھر اس کا برا وقت قریب ہی آگیا تھا۔

وہ تینوں اسے وہیں چھوڑ کر' چوری کے مال سمیت گھر سے نکلے اور اُجالا پھیلنے کے بعد حیدر آباد جانے والی بس میں بیٹھ گئے۔ بدلو بھیل کے لیے ان تینوں کے دل اداس تھے۔

وہ تینوں بلکہ چاروں ان پڑھ تھے۔ مراد ظریف اخباروں میں چھپنے والی' ان کے کارناموں کی خبریں مزے لے لے کر سناتا تھا۔ کئی دن ہوگئے مگر ان کی نئی واردات کے بارے میں کوئی خبر نہیں چھپی۔

یہ بات سب سمجھ رہے تھے کہ بدلو بھیل کی بے عقلی کی وجہ سے لڑکی کے گھر والوں کو اچھی طرح اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ان کے گھر میں بدلو کے ساتھیوں نے چوری کی ہے۔ اگر وہ معاملہ پولیس تک لے جاتے تو مجرموں کی نشان دہی ہونے کے ساتھ یہ بات بھی کھل جاتی کہ بدلو بھیل چوری کے لیے ان کے گھر میں گھسا اور پھر دل ہار گیا۔

چوری کی خبر کہیں چھپی' نہ بدلو بھیل کی کوئی خیر خبر ملی۔ سب کا اندازہ تھا کہ لڑکی کے بڑوں نے بدلو بھیل کو زمین میں پاٹ دیا ہوگا یا پھر بھاری پتھر سے باندھ کر گہرے سمندر میں غرق کردیا ہوگا۔ اس جیسے بے وقوف اور جذباتی آدمی کا انجام کچھ اسی قسم کا ہو سکتا تھا۔

ان تینوں کو ڈر تھا کہ وہ ایک مرتبہ پولیس کے ہاتھ لگ گئے تو وہ ان سے اگلی پچھلی ساری وارداتوں کے احوال اُگلوالیں گے اور ان کے بچنے کی ہر راہ مسدود ہوجائے گی۔

بات بڑھتے بڑھتے بھیل قبیلے کے سربراہ تک پہنچتی تو ان تینوں کے ساتھ بدلو بھیل کا نام بھی سامنے آتا اور وہ شریف گھرانا انگشت نمائی کا نشانہ بن جاتا جس نے اپنی عزت کی خاطر چوری کا بھاری نقصان خاموشی سے سہہ لیا تھا اور ساتھ ہی بدلو بھیل کو بھی کہیں غائب کردیا تھا۔

علاقے میں فائرنگ ہوئی تھی مگر اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ شاید اسی بنا پر پولیس پارٹی نے اپنی گاڑی چھوڑ کر علاقے کا پیدل گشت شروع کردیا تھا کیونکہ سناٹے میں ہوا کے دوش پر بہت سے افراد کے زور زور سے بولنے کی گھٹتی بڑھتی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ شاید پولیس والوں کی آمد سے حوصلہ پاکر محلے والے بھی اپنے گھروں سے باہر نکل آئے تھے۔

"ہمیں تمہاری اس کہانی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" میں نے چھوٹے بڑے وقفوں کے درمیان اس کی پوری بات سن کر کہا "اگر تمہیں پولیس والوں کا اتنا ہی خوف ہے تو پھر کرشن کمار کے ٹھکانے کے بارے میں بتاؤ۔"

"رام قسم! میں نے جو بتایا ہے' اس سے ذرا بھی زیادہ جانتا ہوں تو میں اندھا اور کوڑھی ہوجاؤں۔"

"یہ ماننے والی بات نہیں ہے کہ وہ چھلاوا ہے۔" میں نے اس کی بات سختی سے مسترد کردی "اس کا تم سے واسطہ ہے۔ مراد ظریف کے ذریعے تم اسے اپنی چوریوں کا حصہ بھجواتے ہو۔ وہ دس بار تم سے ملتا ہے تو ایک مرتبہ تمہیں بھی کہیں نہ کہیں بلاتا ہوگا۔ مجھے اس ٹھکانے کا نشان اور پتا چاہیے۔"

"ہمیں اس کے میرپور خاص والے گھر کا پتا ہے جہاں ہم نے پہلی ناکام چوری کی تھی۔" اس نے گھگیاتے ہوئے جواب دیا "جب سے حالات پلٹے ہیں' اس نے وہاں رہنا بلکہ ادھر آنا بھی چھوڑ دیا ہے۔"

"تم کن حالات کی بات کررہے ہو؟ کون سے حالات پلٹے ہیں؟" میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"پہلے مراد ظریف بھی ہماری طرح کنگلا تھا۔ بھوکا رہتا تھا یا پھر ہماری چوریوں کے مال پر عیش مستی کرتا تھا... دس بارہ مہینے سے اس کے حالات بدلے ہیں۔ سب کے پاس پیسا آرہا ہے۔ ہمیں آخری چوری کیے شاید چھ ماہ سے زیادہ دن

Downloaded from https://paksociety.com

ہوگئے ہیں۔ وہ ہم سے دوسرے مختلف کام لے رہا ہے۔ پہلے وہ چوری کے مال میں ہمارا ساجھے دار تھا۔ اب مفت میں ہمیں روپیا' شراب اور ہیروئن دیتا ہے۔" بولتے بولتے اچانک اس کی ذہنی رو بہک گئی اور اس نے رونا شروع کردیا۔

"جب تک ہم چوریاں کرتے تھے' ہم نے کبھی خون کا ایک قطرہ تک نہیں بہایا۔ خالی ہتھیار بس سیٹھوں اور ساہوکاروں کو ڈرانے کے لیے ہمارے ساتھ ہوتے تھے۔" وہ روتے روتے کہہ رہا تھا "اب چوریاں چھوڑ چکے ہیں تو آج ہم بس دو ہی رہ گئے۔ ساہو بھیل کو تم نے مار دیا اور باہر پولیس گھوم رہی ہے۔"

"خاموش!" سلطان شاہ نے اس کے رخسار پر بے تکلفی سے تھپڑ جڑ دیا کیونکہ اس کے چہرے کے زخموں سے رسنے والا خون پپڑیوں کی شکل میں خشک ہوچکا تھا "بیوہ عورتوں کی طرح رونے اور بین کرنے کی ضرورت نہیں۔"

ان دونوں سے جو کچھ معلوم ہوسکتا تھا وہ معلوم کیا جاچکا تھا۔ کرشن کمار حالات سے خوف زدہ ہو کر راجستھان کی طرف فرار نہیں ہوا تھا' لوگوں کو دکھانے کے لیے اونٹ پر سوار ہو کر مونا باؤ کی طرف روانہ ہوا اور بھارتی علاقے میں کچھ اندر تک جانے کے بعد کسی اور خفیہ راستے سے پاکستان میں لوٹ آیا۔

میری دانست میں جلال جیسے ذمے دار اہلکار کی فراہم کی ہوئی اطلاع غلط ہو سکتی تھی' نہ ان دونوں بھیلوں کے ذاتی تجربے کو جھٹلایا جاسکتا تھا۔ میری ذہنی رو ایک مرتبہ پھر کرشن کمار کی طرف بھٹک گئی اور میں نے باری باری ان دونوں کو گھورتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا "تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ کرشن کمار تم سے کہاں ملا تھا۔"

"پتا نہیں تم ہماری بات کا یقین کیوں نہیں کرتے۔ وہ کسی ایک جگہ نہیں ملتا۔ کہیں بھی پہنچ جاتا ہے یا اچانک کسی کو کہیں بلوا لیتا ہے۔ تمہیں کوئی بھی اس کے پتے ٹھکانے کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکے گا۔"

"میں ہمیشہ کی نہیں' آخری ملاقات کی بات کر رہا ہوں۔" میں نے جھلا کر کہا "تمہیں گاڑی کے پیچھے کراچی آنے کی ہدایت اس نے کہاں اور کیسے دی تھی؟"

"اوہ!" وہ تشویش سے ایک گہرا سانس لے کر بولا "سب مراد ظریف کی فکر میں صحرا کے دفتر میں بیٹھے تھے کہ وہ اچانک ہیر آباد آنکلا۔ اس نے ہمیں سب سے الگ' وہیں تھڑے پر بٹھا کر پورا کام سمجھایا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ ہیر آباد میں صحرا کے دفتر آتا رہتا ہے؟" میں نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"وہ کبھی کبھی وہاں آتا ضرور ہے مگر اس کے آنے جانے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔"

اسی وقت ڈور بیل بجی۔ میں نے بہت تیزی سے سوچا۔ عورتوں کا دروازے پر جانا مناسب نہیں تھا' سلطان شاہ کے چہرے پر اُن ضربات کے نشان باقی تھے جو اسے گوپال چند کے مکان اور پھر حیدر آباد میں لگائی گئی تھیں۔ میں ان تینوں کو وہیں روک کر تیزی سے دروازے کی طرف چل دیا۔

"میرے دروازے تک پہنچنے سے پہلے دوبارہ گھنٹی بج اٹھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے آنے والا عجلت میں ہو یا اس قدر جاہ پرست ہو کہ اسے اپنے کسی حکم کی تعمیل میں ذرا سی بھی تاخیر برداشت نہ ہو۔

گھر کا مقفل دروازہ کھول کر میں نے پھاٹک کی کھڑکی کھولی تو ایک ادھیڑ عمر اے ایس آئی چار مسلح اور باوردی سپاہیوں کے ساتھ میرے روبہ رو موجود تھا۔

"آپ سو رہے تھے؟" اس نے میرے سراپا پر ناقدانہ نظریں ڈالتے ہوئے ہلکے سے طنز سے پوچھا۔

"سو رہا ہوتا تو مجھے دروازے پر بلانے کے لیے آپ کو شاید دس گھنٹیاں بجانی پڑتیں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد لہجے میں کہا "میں دوسری ہی گھنٹی پر حاضر ہوگیا۔"

"آپ کے ساتھ اس گھر میں اور لوگ بھی رہتے ہوں گے۔ کیا ان میں سے کسی نے فائرنگ کی آواز سنی ہے؟"

"دراصل فائرنگ کی آوازیں ہی ہماری نیند میں خلل انداز ہوئی تھیں۔ کیا کہیں کوئی واردات ہوئی ہے؟" میں نے انجان بن کر اسی سے سوال کر ڈالا "آج کل تو ہر وقت کہیں نہ کہیں' کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہے۔"

"ہم بیس منٹ سے اس علاقے میں جھک مار رہے ہیں۔" اے ایس آئی کا لہجہ تلخ ہوگیا "فائرنگ اور چیخوں کی آوازیں بہت سے لوگوں نے سنی ہیں لیکن یہ پتا نہیں چل رہا کہ فائرنگ کہاں ہوئی تھی۔"

"آوازیں قریب کی معلوم ہو رہی تھیں۔" اس کے خاموش ہوتے ہی میں نے لقمہ دیا۔

"پولیس کے آنے کے بعد ہر گھر اور فلیٹ سے کوئی نہ کوئی مرد باہر آچکا ہے مگر آپ ابھی تک اندر چھپے ہوئے ہیں۔ کیا میں اس کی وجہ جان سکتا ہوں؟" پولیس افسر گفتگو کو غیر ضروری طول دے رہا تھا۔ محلے داروں کی بھیڑ بھی دھیرے

Downloaded from https://paksociety.com

دھیرے کھسک کر اس کے پیچھے جمع ہو رہی تھی تاکہ مذاکرات براہِ راست سنے جاسکیں۔

"باہر مسلح غنڈے دندناتے پھر رہے ہوں تو گھر کی چار دیواری ہی زیادہ اچھی لگتی ہے۔"

"آپ نے ہماری موبائل کا سائرن سنا ہوگا۔ پولیس آتی ہے تو بڑے بڑے مجرم اور دہشت گرد دُم دبا کر بھاگ جاتے ہیں۔" اس نے اپنے پیچھے لگے ہوئے مجمع کی طرف اشارہ کرکے کہا "یہ سب شریف اور معزز شہری پولیس پر اعتماد کرتے ہیں اسی لیے ہمیں دیکھ کر اپنے اپنے گھروں سے نکل آئے ہیں۔"

"میں نے آپ کو دیکھ لیا ہے۔ اب میں بھی باہر آجاؤں گا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"آپ کی گاڑی اندر کھڑی ہوئی ہے پھر دھول میں اٹی ہوئی یہ کار کس کی ہے؟"

اس کے اشارے پر میں نے چونک کر پہلی بار اس کار کو دیکھا جو ہمارے احاطے کی دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔ اس کی نمبر پلیٹ حیدر آباد کی تھی اور یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ گاڑی طویل کچے پکے راستوں پر دھول اڑاتی وہاں تک پہنچی ہو۔

میں سٹپٹا گیا "رات تک یہ گاڑی یہاں نہیں تھی۔ پتا نہیں کب کھڑی کی گئی ہے۔"

ایک سپاہی نے مستعدی اور فرض شناسی کا مظاہرہ کیا۔ لپک کر گاڑی کے بونٹ پر ہاتھ رکھا اور وہیں سے اعلان کردیا "سر! بونٹ گرم ہے۔ گاڑی تھوڑی دیر پہلے تک چلتی رہی ہے۔"

"اس مشتبہ کار کے بارے میں آپ کا کیا جواب ہے؟" اے ایس آئی نے تلخی سے پوچھا۔

"پتا نہیں یہ کار کون یہاں چھوڑ گیا۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ جواب دیا "ویسے بھی میں اپنی چار دیواری سے باہر موجود کسی چیز کے بارے میں جواب دہ نہیں ہوں۔ میں گھر میں ہوتا ہوں۔ باہر لوگ نہ جانے.... کیا کیا کرتے پھرتے ہیں۔"

اے ایس آئی کی آنکھوں میں عجیب سی چمک عود کر آئی "اور سنا ہے کہ آپ علاقے میں نئے کرائے دار ہیں۔ پاس پڑوس والوں سے آپ کا کوئی میل جول نہیں ہے۔"

مجھے اپنا دل ڈوبتا سا محسوس ہوا۔ میں نے خود پر قابو رکھتے ہوئے کہا "اتفاق سے دونوں باتیں درست ہیں۔"

"آپ نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا۔ مجھے ظاہر کتنے ہیں۔ میرا نام میری وردی کی جیب پر آویزاں ہے۔"

"اظہر خان!" اس بار میں نے بے خوفی سے کہہ ڈالا۔ ظاہر بات بڑھانے پر تُلا ہوا تھا۔ اسے آسانی سے ٹالنا کسی بھی طرح ممکن نظر نہیں آرہا تھا۔

"اظہر صاحب! میں آپ کی اجازت سے گھر کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔" اس نے اچانک ہی وہ غیر متوقع ارادہ ظاہر کیا اور میری اجازت کا انتظار کیے بغیر قدم آگے بڑھا دیا۔

میں اس کی راہ میں حائل تھا۔ میں نے پردے کے حوالے سے احتجاج کرنا چاہا تو اس نے سختی سے مجھے ایک طرف دھکیل دیا۔ اس کا داہنا ہاتھ ہولسٹر میں لگے ہوئے سروس آٹومیٹک کے دستے پر جم چکا تھا۔

آثار اچھے نہیں تھے۔ میں نے بڑبڑاتے ہوئے راستہ چھوڑ دیا۔ طاہر کے پیچھے چاروں مسلح سپاہی بھی اندر آگئے۔ چوتھے سپاہی نے اندر پہنچتے ہی ذیلی کھڑکی بولٹ کی اور رائفل ہاتھ میں لے کر وہیں کھڑا ہوگیا تاکہ متجسس تماشائی گھر میں داخل ہونے کی کوشش نہ کرسکیں۔ طاہر اپنے عملے کے ساتھ چند قدم آگے بڑھنے کے بعد ڈرامائی انداز میں رک گیا تھا۔

"کوئی بات رہ گئی ہو تو اب بھی بتا دو۔" اس نے میری طرف جھک کر دھیمی اور دھمکی آمیز آواز میں کہا۔ وہ اچانک

ہیپاٹائٹس سی اور بی
کے مریضوں کی زندگی بچ سکتی ہے
ہماری تیار کردہ
ANTI HEPATITIS VIRUS
SAFETY HEPATITIS VIRUS دیسی دوا
نہ صرف ہیپاٹائٹس سی اور بی کے جان لیوا وائرس کو خون سے مکمل طور پر خارج کر دیتی ہے بلکہ قوت مدافعت کو اتنا زیادہ طاقتور کر دیتی ہے کہ ہیپاٹائٹس دوبارہ کبھی نہیں ہوتا مکمل کورس 3 ماہ کا ہے۔ کم از کم ایک ماہ دوا استعمال کرنے کے بعد اپنی پسند کی لیبارٹری سے ٹیسٹ رپورٹ کرائیں۔
BBB
یونانی طبیب بشیر بھٹی بھیروی
کوہاٹی بازار راولپنڈی پاکستان
یونان کلینک فون 051-532085

Downloaded from https://paksociety.com

آپ سے تم پر آگیا تھا "ایک دفعہ ہم اندر چلے گئے تو تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔"

"کیا اندر جانے سے رکنے کے لیے تمہاری کوئی شرط ہے؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"قانون کے قدم اٹھتے ہیں تو پھر بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ انہیں دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ یہ قدم اپنا کام پورا کر کے ہی رکتے ہیں۔" اس نے سخت مگر نپی تلی آواز میں کہا "جو کچھ تم اپنی زبان سے بتا دو گے وہ تمہارے حق میں جائے گا۔ تم نے کچھ چھپایا اور ہم نے اس کا پتا چلا لیا تو یہ تمہارے حق میں بہت برا ہو گا۔"

اس پولیس پارٹی کی مداخلت کی وجہ سے میرے سر پر ایک بوجھ سوار تھا۔ وہ اندر گھسنے پر تلا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اندر ایک لاش اور دو زخمی قیدیوں کو دیکھنے کے بعد طاہر ہم لوگوں کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کرے گا۔ اپنی دردی کی وجہ سے اسے اتنے اختیارات حاصل تھے' عراق سے تریاق کی آمد تک وہ ہمارے خلاف اپنے دل کی ہر بھڑاس نکال سکتا تھا۔

میں نے ایک گہرا سانس لیا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے پورچ کے ایک الگ تھلگ حصے کی طرف لے گیا۔ اس نے میرے بدلے ہوئے تخاطب پر کسی ناگواری کا اظہار کیا تھا نہ اس بے تکلفی کا برا منایا۔ کسی اہم انکشاف کی جائز امید میں وہ خاموشی سے میرے ساتھ ہو لیا۔

"اپنے حساب سے تم نے صحیح دروازے پر دستک دی ہے مگر ہم بھی تمہاری طرح سرکاری آدمی ہیں۔" سپاہیوں سے چند قدم دور آجانے کے بعد میں نے دھیمی آواز میں کہا۔

"ہر سرکاری آدمی کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی چھوٹ نہیں ہوتی۔" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سختی سے کہا "ایسا ہو جائے تو ہر سرکاری مویشی خانے کا منشی شہر میں گولیاں برساتا پھرے۔"

"تم نے اسپیشل ٹاسک فورس کا نام سنا ہو گا۔ ہمارا تعلق اسی فورس سے ہے۔"

"یہ تو کوئی نیا نام معلوم ہوتا ہے۔" وہ دھیرے سے ... ہڑبڑایا "یہ کون سی فورس ہے؟"

"بس فیڈرل فورس سمجھ لو!" میں نے اس کے ردِ عمل سے حوصلہ پا کر کہا۔

وہ فوراً ہی شیر ہو گیا "سمجھ لو کا مطلب ہے کہ اصل میں ایسا نہیں ہے۔ معاملہ گڑبڑ ہے... چکر دینے کے بجائے یہ بتاؤ کہ یہاں کیا واردات ہوئی ہے۔ موقع پر استعمال ہونے والے ہتھیار کہاں ہیں؟"

میری واپسی میں لمبی تاخیر سے پریشان ہو کر اسی وقت سلطان شاہ وہاں آ پہنچا۔ اسے دیکھتے ہی طاہر بھڑک اٹھا "اوئے۔ اندر کتنے آدمی چھپے ہوئے ہیں؟ تم بھی صورت سے مجرم لگتے ہو۔"

"حوالدار صاحب؟ یہ مجرم نہیں' میرا ساتھی ہے۔ مجرم میں ابھی دکھاتا ہوں۔" اسے یہ جواب دے کر میں سلطان شاہ سے مخاطب ہو گیا "تم باہر کیوں آ گئے؟ مجرم لڑکیوں پر حملہ کر دیں گے۔ تم اندر ہی رکو اور اول خان کو بلا لو۔ میں حوالدار صاحب کو لاش دکھا کر ابھی اندر آتا ہوں۔ ہمارے آنے تک تم وہاں سے نہ ہلنا۔"

شاید وہ میری ان ہدایات پر اعتراض کرتا اور سلطان شاہ کو اندر واپس نہ جانے دیتا مگر میری زبان سے مجرموں کے ساتھ لاش کا ذکر سن کر وہ سب کچھ بھول گیا "لاش... لاش کہاں ہے؟"

میں اسے اپنے ساتھ لے کر اس بغلی راستے کی طرف ہو لیا جس پر ساہو بھیل کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ تین سپاہی ہمارے پیچھے تھے' چوتھا مستعدی سے بندھا ٹک پر کھڑا ہوا تھا۔

وہ پولیس افسران تھے اور ان کا دن رات ہر قسم کے مجرموں سے لے کر لاشوں تک سے واسطہ پڑتا رہتا تھا پھر بھی وہ ساہو بھیل کی لاش دیکھ کر چونکے بغیر نہ رہ سکے۔

پلی ہوئی مونچھوں اور درشت چہرے والے ساہو بھیل کے گہرے گندمی چہرے پر موت کی بے رونقی کا راج تھا۔ اس کے چہرے سے لپٹی ہوئی چادر گر کر اس کے سینے اور بغلوں میں پھنسی ہوئی تھی۔ کپڑوں سے چادر تک' ہر چیز کا رنگ گہرا تھا اس لیے کہیں بھی خون کا کوئی واضح داغ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"یہ کیسے مرا؟" چند ثانیوں تک لاش کا جائزہ لینے کے بعد اے ایس آئی طاہر نے روایتی لہجے میں پوچھا۔

میرا جی چاہا کہ کہہ دوں کہ گولیاں لگیں اور مر گیا مگر میں نے وہ ارادہ ملتوی کر دیا۔ اس وقت اسے زیادہ چڑانا نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا۔ ایک سپاہی پُر تشویش انداز میں کھڑکی کے فریم سے اکھڑی ہوئی آہنی گرل کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں نے طاہر کو ابتدا سے آخر تک کے واقعات بلا کسی کم و کاست کے سنا دیے۔

"تم اسے جانتے ہو؟ کوئی پرانی دشمنی تھی تمہاری اور اس کی؟" طاہر نے پوچھا۔

"یہ اکیلا نہیں ہے۔ اندر اس کے دو زخمی ساتھی بھی موجود ہیں۔" میں نے وضاحت سے بتایا "ان تینوں کے چہرے ہمارے لیے اجنبی ہیں مگر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ان کا

Downloaded from https://paksociety.com

تعلق ایس ٹی ایف کے دشمنوں سے ہے۔"

"ایس ٹی ایف؟ وہی اسپیشل ٹاسک فورس؟" اس نے قدرے حیرت سے سوال کیا۔

"ہاں!" میں نے نیچے لہجے میں کہا "اس کے بارے میں یوں اونچی آواز میں بات نہ کرو۔ ہم رازداری کی وجہ سے آس پاس رہنے والوں سے ملنے جلنے سے گریز کرتے ہیں۔"

وہ چاروں ہمارے ساتھ اندر پہنچے تو وہاں دونوں قیدیوں کا نام و نشان نہیں تھا۔ ان تینوں نے قیدیوں کی داد و فریاد سے متاثر ہو کر انہیں ویرا کے کمرے کے باتھ روم میں پہنچا دیا تھا۔ میرے اشارے پر پولیس والے ہی انہیں کالروں سے پکڑ کر وہاں سے لائی میں گھسیٹ لائے۔

طاہر اے ایس آئی تھا۔ اس نے چند منٹ میں اندازہ لگالیا کہ وہ کیس اس کی سطح کا نہیں تھا۔ اس نے ہمارے فون پر اپنے تھانے کو رپورٹ دی۔ گفتگو ختم کرنے کے بعد اس نے بتایا کہ ایس ایچ او علاقے کے ڈی ایس پی کے ساتھ وہاں آرہا تھا۔

حالات پوری طرح قابو میں تھے۔ پولیس والوں کی وردیاں دیکھتے ہی دونوں قیدیوں کا خون خشک ہو گیا تھا۔ وہ یوں خاموش اور سہمے ہوئے فرش پر اکڑوں بیٹھے تھے جیسے طاہر انہیں کسی بھی لمحے سزائے موت سنانے والا ہو۔

پولیس کی نفری کے ہمارے گھر میں آجانے کی وجہ سے باہر جمع ہونے والے محلے داروں میں سنسنی پھیل گئی تھی۔ ہر شخص نے اپنے طور پر صحیح اندازہ لگالیا تھا کہ پولیس کو گوہر مقصود ہاتھ آگیا تھا اور فائرنگ کا مرکز ہمارا ہی گھر تھا۔ ان قیاس آرائیوں کے نتیجے میں باہر بلند آہنگ تبادلۂ خیال کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جو چہ میگوئیوں کی ایک ہیجان آمیز صورت تھی۔

مجھے فکر تھی کہ ہمارے دروازے پر جمع ہونے والی وہ بھیڑ ہمارے لیے سود مند نہیں تھی۔ ہم ایک مرتبہ محلے داروں کے شکوک و شبہات کی زد میں آجاتے تو ہمارا وہاں رہنا محال ہو سکتا تھا۔

طاہر میرے اس اندیشے سے متفق تھا۔ اس نے تینوں سپاہیوں کو باہر بھیج دیا۔ لوگوں کو رخصت کرنے کے لیے ان کے پاس یہ جواز کافی تھا کہ ہماری دیوار کے ساتھ ایک مشتبہ کار کھڑی ہوئی پائی گئی تھی اس لیے پولیس پارٹی ہمارے گھر میں بیٹھ کر اپنا کام آگے بڑھانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ غیر ضروری بھیڑ بھاڑ ان کے کام میں حارج ہو رہی تھی۔

سپاہیوں کی روانگی کے بعد طاہر میرے ساتھ ڈرائنگ روم میں آبیٹھا۔ لاش اور قیدیوں کو دیکھ لینے کے بعد اس کا رویہ دوستانہ ہو گیا تھا۔

شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ پولیس والوں کو ایسے پکے پکائے کیس شاذ و نادر ہی ملتے ہیں۔ معمولی سے معمولی کیس میں بھی انہیں مجرم تک پہنچنے میں دانتوں پسینہ آجاتا ہے۔ وہاں حالات یہ تھے کہ بہ یک وقت تین مجرم اس کے منتظر تھے۔ اس کے اعلیٰ افسران اس واقعے کا کتنا ہی کریڈٹ لے لیتے۔ اس کی سرخروئی پر اثر انداز نہیں ہو سکتے تھے۔

ڈی ایس پی اور ایس ایچ او کی آمد کے فوراً بعد اول خان بھی وہاں آن پہنچا۔ اس نے سلطان شاہ کا پیغام ملنے کے بعد شاید روانگی میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کی تھی۔ اس طرح ہم بار بار واقعات دہرانے سے بچ گئے۔

ایس ایچ او اپنی وردی میں تھا جب کہ ڈی ایس پی سادہ لباس میں آیا تھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے گہری نیند سے بیدار کر کے پورے واقعے سے آگاہ کیا گیا تھا' رسمی تعارف ہوتے ہی اول خان ڈی ایس پی کو الگ لے گیا۔ ان دونوں میں بس چند ثانیوں تک بات ہوئی۔ واپسی پر ڈی ایس پی کا رویہ مودبانہ تھا۔

میں نے طاہر کو جو کہانی سنائی تھی' اس نے وہی اپنے

عیسائی ڈاکٹر کا حیرت انگیز کمال

پاکستان بننے سے پہلے دہلی میں ایک عیسائی ڈاکٹر نے میرے مطب کے چند کامیاب نسخوں کو اپنے مریضوں پر آزما کر انکا کامیاب علاج کیا۔ تو وہ میرا اور بھی گہرا دوست بن گیا پھر وہ ریٹائر ہو کر انگلستان چلا گیا۔ یہ دوستی پھر خط و کتابت کی صورت میں جاری رہی وہ میرے بہت سے نسخے تو اپنے ساتھ لے گیا لیکن اپنی دواؤں کی ہوا تک نہ لگنے دی۔ آخر انتقال سے ایک سال قبل ڈاکٹر ولیم نے اپنا ایک مشہور نسخہ مجھے تفصیل سے لکھ کر بھیج دیا۔ جو کہ کمزور نوجوانوں کو ہمت کم دنوں میں قابل فخر صحت کا مالک بنا دیتی تھیں میں نے خاص بیماریوں کا نسخہ پاتے ہی فوراً دوائیں تیار کر کے اپنے مطب میں آنے والے بالکل گئے گذرے کمزور نوجوانوں کو استعمال کرائیں خدا نے میرے مریضوں کو مکمل شفاء عطا فرمائی اور ساتھ ہی میرے مطب کو ایسی شہرت بخشی جیسی ولیم کو اپنے ملک میں حاصل تھی۔ اس نسخہ کے استعمال کے فوراً بعد ہی ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسے سدا نوجوانی کا راز پالیا ہو۔ مایوس سریض نہ ہوں یہ اشتہار نہیں بلکہ حقیقت ہے اگر خدانخواستہ آپ بھی کسی ایسی ہی شکایت میں مبتلا ہوں تو آج ہی ایک خط اپنی مکمل کیفیت لکھ کر جوابی لفافے کے ہمراہ روزانہ کر دیں آپکو یہ نسخہ فوراً روانہ کر دیا جائیگا۔

حکیم اینڈ سنز پوسٹ بکس 2159 کراچی 74600 پاکستان

Downloaded from https://paksociety.com

افسرانِ بالا کے سامنے دہرادی۔

"معاملہ ذرا سنگین ہے۔" ایس ایچ او نے اپنے ڈی ایس پی کی طرف دیکھ کر خوشامدانہ لہجے میں کہا "معاملہ صرف قیدیوں کا نہیں ہے۔ یہاں ایک مقتول بھی واردات میں ملوث ہے۔"

"کوئی دقت ہے تو آپ لوگ اس معاملے کو بھول کر واپس چلے جائیں۔" اول خان کو ایس ایچ او کی مداخلت ناگوار گزری اور اس نے بے رخی سے کہہ دیا "ہم لوگ یہ معاملہ اپنے طور پر سنبھال لیں گے۔"

ڈی ایس پی نے اپنے ماتحت کو غصیلی نظروں سے گھورا پھر جلدی سے اول خان سے گویا ہوا "نہیں سر' آپ کوئی فکر ہی نہ کریں.... ہم اس قصے میں سے آپ کے آدمیوں کا نام نکال کر کچھ اور ڈال دیں گے... اور بس!"

وہ پولیس کے دو افسران کی دو مختلف آرا تھیں۔ میں نے دلچسپی لیتے ہوئے ڈی ایس پی سے پوچھا "ان تینوں کے بارے میں آپ کیا کریں گے؟ یہ تو یہیں پکڑے اور مارے گئے ہیں۔"

"سب ہو جاتا ہے۔" اس نے بے پروائی سے کہا "ہماری گشتی گاڑی کے عملے نے ایک مشتبہ کار کو روکا۔ وہ لوگ رکنے کے بجائے فائرنگ کرتے ہوئے بھاگنے لگے' مقابلہ ہوا' ایک مارا گیا' دو پکڑے گئے۔"

"شاندار!" میری زبان سے بے ساختہ نکلا "یہ کہانی بالکل بے داغ رہے گی۔"

"ہاں جی!" ایس ایچ او بولے بغیر نہ رہ سکا "ان کی گاڑی پر دور سے دس پانچ گولیاں مار دیں گے۔ کوئی چیلنج نہیں کر سکے گا کہ پولیس مقابلہ نہیں ہوا تھا۔"

ان دونوں کے بیان میں بھی اس گھر کا کوئی ذکر نہیں آنا چاہیے۔" میں نے کہا۔

"اس کی گنجائش ہی نہیں ہے۔" ایس ایچ او نے فیصلہ صادر کر دیا "زیادہ ضرورت پڑی تو ان میں سے ایک کو وعدہ معاف گواہ بنالیں گے۔ آپ کو فکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ بس یہ پتا چل جائے کہ ان تینوں کی لائن کیا ہے۔"

"تینوں بھیل ہیں اور پیدائشی چور ہیں۔" میں نے بتایا "اپنا پرانا پیشہ چھوڑ کر دوسرے دھندے میں ہاتھ ڈالا اور پھنس گئے۔ ان کو سزا دلانے کے لیے ان کی چوریوں کا ریکارڈ ہی کافی ہوگا۔ ان کی مار میرپور خاص سے کراچی تک رہی ہے۔"

"بس بس...!" ڈی ایس پی اس اطلاع پر خوش ہو گیا "اتنا ہی کافی ہے۔ وہ چور ہیں اور اس علاقے میں چوری کی نیت سے گھوم رہے تھے کہ ہماری پارٹی سے ٹکراؤ ہو گیا۔"

"سر جی! چوری کے بجائے ڈکیتی بہتر رہے گی۔ تینوں مسلح بھی تھے۔" ایس ایچ او نے ٹانگ اڑائی۔

اس معاملے کی ابتدا بہت پریشان کن انداز میں ہوئی تھی لیکن اول خان اور ڈی ایس پی کے مختصر سے مذاکرات کے بعد سب کچھ یوں سمٹ گیا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ مجھے خوشی ہوئی کہ پولیس کے محکمے میں ایس ٹی ایف کی ساکھ اور دھاک قابلِ رشک تھی۔ نام و نمود سے دور رہ کر اپنی زمین اور قوم کے لیے شب و روز کام کرنے والوں کی بھرپور رفاقت کی وجہ سے ہمیں بھی اہم مواقع پر ایسے فائدے حاصل ہوتے رہے تھے جو کسی دوسری صورت میں گمان میں بھی نہیں آسکتے تھے۔

پولیس والوں کی کوششوں کی وجہ سے ہمارے دروازے کے سامنے لگی ہوئی بھیڑ چھٹ چکی تھی مگر پھر بھی تھوڑے تھوڑے فاصلے پر لوگوں کی متعدد ٹکڑیاں موجود تھیں جو شاید اس ڈرامے کا اختتام جاننے کے لیے مضطرب تھیں۔

ڈی ایس پی اور ایس ایچ او کی گاڑی کے علاوہ مجرموں کی گاڑی بھی موجود تھی۔ اس کے علاوہ موبائل کے پچھلے حصے میں بھی کافی گنجائش تھی۔ ساہو بھیل کی لاش سمیت وہ پورا کارواں ایک ساتھ ہی وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اول خان کے ایما پر ڈی ایس پی نے اپنے عملے میں سے ایک سپاہی کو ہمارے گھر پر چھوڑ دیا تھا تاکہ پرسشِ احوال کے لیے آنے والے بعد میں ہمیں تنگ نہ کر سکیں۔

اس وقت تک ہم میں سے کسی کو اول خان سے تخلیے میں بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ لاش اور قیدیوں کے ساتھ پولیس پارٹی کی روانگی کے بعد جوں ہی موقع ملا' اول خان نے سوالات کا سلسلہ شروع کر دیا۔

"سب باتیں بے کار ہیں۔ اس وقت اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ کرشن کمار پاکستان میں موجود ہے اور اسی نے ان تینوں کو ہماری کار کے پیچھے حیدر آباد سے یہاں بھیجا تھا۔" میں نے اس کے سوالات سن کر کہا۔

"اوہو۔ تو یہ لوگ تمہاری کار کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آئے تھے؟" اول خان کے لیے وہ انکشاف حیران کن ثابت ہوا "کرشن کمار نے بہت دور کی بات سوچی۔ ہم نے اس خطرے کو نظر انداز کر دیا تھا۔"

"اگر مجھے شبہ ہوتا کہ وہ گاڑی کے ذریعے ہم تک پہنچنے کی کوشش کریں گے تو میں یقیناً گاڑی کو بھول جانے کا مشورہ دیتی۔" ویرا نے ہلکی سی پھریری لے کر اپنے بال سمیٹتے ہوئے کہا۔

"تم سے ہمیشہ ایسے ہی احمقانہ مشوروں کی توقع کی جاسکتی ہے۔ عقل سے تمہیں بیر ہو گیا ہے۔" سلطان شاہ بولا۔

Downloaded from https://paksociety.com

ویرا نے پھاڑ کھانے والے انداز میں اسے گھورا اور پوچھا "کیا گاڑی ہم سب کی جانوں سے قیمتی ہے؟"

"اور میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا کرشن کمار سے ہم سب اسی قدر دہشت زدہ ہیں؟" سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"کم از کم مجھے اس سے کوئی پریشانی نہیں ہے۔ تمہارے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔"

"پھر گاڑی کو بھول جانے کا مشورہ دینے کی کیا تُک تھی؟" سلطان شاہ نے تلخی سے پوچھا۔

"ذرا ڈرائنگ روم کی گرل دیکھو۔ وہ اندر گھسنے میں تقریباً کامیاب ہوگئے تھے اور ہم چاروں دنیا ومافیہا سے بے خبر اپنے کمروں میں گہری نیند سو رہے تھے۔ یہ گولی ہمارے کان پر سے گزری ہے۔"

"عورتیں سو رہی تھیں بلکہ تم تو آخر تک سو رہی تھیں' مرد جاگ رہے تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ہم دونوں میں سے پہلے کون بیدار ہوا مگر گرل اکھڑنے سے پہلے ہم دونوں فائر کرنے کے لیے تیار تھے۔"

"گاڑی ایک نعمت ثابت ہوئی ہے۔ اس کی وجہ سے یہ تینوں یہاں تک نہ پہنچتے تو ہمیں معلوم ہی نہ ہوپاتا کہ کرشن کمار اب بھی حیدر آباد میں دندناتا پھر رہا ہے۔" میں نے پوری نیک نیتی سے کہا۔

"اسی وقت قریب کی کسی مسجد سے فجر کی اذان شروع ہوئی اور ہم چاروں خاموش ہوگئے۔

"مجھے شبہ ہے کہ وہ حیدر آباد سے کراچی آچکا ہے۔" غزالہ نے اذان ختم ہونے کے بعد زبان کھولی "ان دونوں نے بتایا تھا کہ انہیں ہمارے گھر میں کسی غیر ضروری کشت وخون کی ہدایت نہیں دی گئی تھی۔ انہیں اندر کا جائزہ لے کر خاموشی سے واپس لوٹ جانا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ فائرنگ کے وقت وہ آس پاس ہی منڈلا رہا ہو۔"

"مگر کیوں؟" میں نے ویرا سے پوچھا "اسے ایسا کون سا کام تھا جو وہ اپنے آدمیوں کے سپرد نہیں کرسکتا تھا۔"

غزالہ کے پاس میرے اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ کرشن کمار ہم لوگوں سے کسی غیر ضروری چھیڑ چھاڑ میں ملوث ہونا نہیں چاہتا تھا۔ اسے صرف اور صرف مراد ظریف کی تلاش تھی۔ شاید اسے شبہ تھا کہ اس کا قریبی ساتھی ہم لوگوں کی تحویل میں تھا اور وہ اپنی کسی کارروائی کے ذریعے اسے رہائی دلوا سکتا تھا۔

جہاں تک اپنے قبیلے سے نکالے ہوئے بھیلوں کا تعلق تھا' وہ چوری اور نقب زنی کے فن میں یکتا تھے۔ ان کی اسی صلاحیت کی وجہ سے کرشن کمار نے انہیں ہمارے گھر کا جائزہ لینے پر مامور کیا تھا۔ ان میں اس سے زیادہ کوئی صلاحیت نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ساہو بھیل کی موت کے بعد تیزی سے فرار کی راہ اختیار کرنے کے بجائے' وہ اس کی لاش اٹھالے جانے کے چکر میں مارے گئے اور اپنے پچھلے گناہوں کا حساب چکانے کے لیے پولیس کی تحویل میں جاچکے تھے۔

مراد ظریف نے کرشن کمار کی جو تصویر کشی کی تھی' اس کے مطابق وہ شہروں سے دور' ویرانوں اور صحرا میں رہنے کا عادی تھا۔ شہری الجھنوں اور بکھیڑوں سے وہ دور بھاگتا تھا اسی لیے اس نے تھرپارکر کو اپنا مسکن بنایا ہوا تھا اور اپنی کوئی این جی او بنانے کے بجائے مراد ظریف کی غیر سرکاری تنظیم' صحرا سے استفادہ کررہا تھا۔

وہ کہانی کا ایک رخ تھا۔ اس کا دوسرا رخ اپنی جزئیات میں پہلے رخ سے بہت مختلف تھا مگر پھر بھی آئی بی کے جلال نے اس بات کی تصدیق کی تھی کہ کرشن کمار شہروں کا رخ نہیں کرتا۔ سندھ کے اندرونی اور سرحدی علاقوں میں رہ کر اپنا سارا کام چلاتا ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد مودی

جذبۂ خدمت کے ساتھ

شاید آپ کو معلوم ہو کہ آپ کے جانے پہچانے قلم کار محمود احمد مودی ایک کوالیفائیڈ ہومیو پیتھک ڈاکٹر بھی ہیں۔ سولہ سال سے وہ ہر طرح کے امراض کا ہومیو پیتھک علاج کررہے ہیں۔ کسی بھی مرض کے علاج کے سلسلے میں رجوع کریں۔

کلینک کے اوقات

شام 5 بجے سے رات 10 بجے تک

جمعہ تعطیل

مزید معلومات کے لئے صرف صبح 10 سے دوپہر 1 بجے تک فون نمبر: 5058064 پر رابطہ کرسکتے ہیں۔

کلینک کا پتا

ہومیوڈاکٹر محمود احمد مودی D.H.M.S(R.H.M.P)

1-H-6 پی ای سی ایچ ایس۔ کراچی

(نرسری اسٹاپ۔ نزد نظام ملک شاپ۔ پلازا میریم بینک والی گلی)

Downloaded from https://paksociety.com

دو مختلف ذرائع سے ملنے والی اس یکساں خبر کے برعکس بھیلوں نے بتایا تھا کہ کرشن کمار پچھلے روز حیدر آباد میں موجود تھا اور ہم سب کی رائے تھی کہ ہمارے گھر پر ہونے والی کارروائی کے وقت وہ کراچی میں بلکہ ہمارے گھر کے آس پاس موجود تھا۔ مراد سے اس کی گہری مفاہمت اور ہم آہنگی تھی۔ وہ اپنے لگے بندھے اصولوں سے انحراف کرکے اسے رہا کرانے کے لیے کراچی آگیا تھا۔

وہ مراد کے عبرتناک انجام سے بالکل بے خبر تھا۔ ہم اس کے رابطے یا ٹھکانے سے بالکل بے خبر تھے۔ اس کا کوئی بھی سراغ مل جاتا تو ہم مراد کے نام کو چارہ بنا کر اسے اپنے چنگل میں لے سکتے تھے۔

کرشن کمار سابقہ بھارتی کمانڈو تھا جو ان دنوں را کے لیے کام کررہا تھا۔ اس حوالے سے میرے ذہن میں کراچی میں واقع بھارتی قونصل خانے کے افسر میجر بخشی کا نام ابھرا مگر میں نے اسے خود ہی مسترد کردیا۔ ان دنوں بہت کچھ ہوتا رہا تھا۔ انگریزی محاورے کے مطابق پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا تھا۔ صحرا اور فریڈم انٹرنیشنل کے چکر میں امریکی قونصل خانے کے جان اسمتھ تک کا نام سامنے آیا تھا لیکن ان تمام سرگرمیوں میں میجر بخشی کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

وہ ان لوگوں کی کوئی نئی حکمتِ عملی بھی ہوسکتی تھی۔ اپنے سفارتی عملے کو ہر محاذ آرائی سے الگ تھلگ رکھ کر وہ را اور سی آئی اے کے تعاون سے علاقے میں کوئی بھیانک کارروائی کرگزرنا چاہتے تھے۔ اس شبے کی تصدیق اس بات سے ہوتی تھی کہ کراچی میں مامور جان اسمتھ وسیع ایشیائی خطے میں سی آئی اے کی سرگرمیوں کا روحِ رواں تھا اور اس نے مراد ظریف سے ملاقات کی تھی۔

باہر کی فضا میں طیور چہچہانے لگے تھے' اجالا بھی تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ اول خان کی بروقت مداخلت کی وجہ سے ہمارے سروں سے ایک سنگین خطرہ ٹل چکا تھا۔ جس کے بعد سب ہی نیند کا خمار محسوس کررہے تھے۔ اول خان سوچ بچار کے لیے بہت سا مواد لے کر ہم سے رخصت ہوگیا۔

ہمارے ڈرائنگ روم کی کھڑکی کی گرل توڑی نہیں گئی تھی بلکہ لمبی آہنی سلاخ کے ذریعے اکھاڑ کر موڑی گئی تھی۔ میں نے سلطان شاہ کے ساتھ مل کر گرل کو جیسے تیسے واپس اس کی جگہ پھنسایا اور پھر ہم اپنے اپنے کمروں کی طرف چل دیے۔

○☆○

ہماری اگلی صبح دیر سے ہوئی اور میں ناشتے کے بعد' ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت' سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر شہر کی ایک لمبی سیر کے لیے نکل گیا۔ ویرا اور غزالہ کو بہت تجسس تھا کہ میں سلطان شاہ کو ساتھ لے کر کس مہم پر جارہا تھا مگر اس بارے میں خود میرا ذہن بھی صاف نہیں تھا۔ جو کچھ تھا' ایک خیال یا منصوبے کی صورت میں ذہن میں محفوظ تھا۔ اس کے روبہ عمل آنے کا انحصار صرف اور صرف حالات پر تھا۔ میں روانگی سے پہلے ان دونوں کو کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

گھر سے نکلنے سے پہلے ویرا نے اصرار کیا تھا کہ میں اسلام آباد میں جلال نے فون پر رابطہ کروں اور اسے بتاؤں کہ کرشن کمار تھرپارکر سے موناباؤ کی طرف فرار نہیں ہوا تھا بلکہ بالکل مخالف سمت میں حیدر آباد یا کراچی میں بیٹھا ہوا تھا اور میں نے اس مشورے کو رد کردیا۔

جلال اپنے پیشے سے مخلص' ایک جفاکش اور ذہین افسر تھا۔ میری دانست میں' اسے وہ سب بتانا شائستگی کے خلاف ہوتا۔ ہر ذمے دار افسر کی طرح اسے بھی جابہ جا اپنے ماتحتوں کی فراہم کی ہوئی معلومات پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ ان میں سے کسی ایک کی کوتاہی پر جلال کو شرمندہ کرنا موزوں نہیں تھا۔

گھر سے نکلتے ہوئے سلطان شاہ خاموش تھا لیکن گاڑی ٹریفک کے دھارے میں شامل ہونے پر وہ خاموش نہ رہ سکا "ان دونوں کو تم گھر چھوڑ آئے ہو مگر میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مجھے کچھ تو بتادو کہ تمہارا کیا پروگرام ہے تاکہ میں بھی کچھ ذہنی تیاری کرسکوں۔ ایسا نہ ہو کہ میں اپنی بے خبری کے باعث' عین وقت پر تمہارا کوئی بنتا ہوا کام بگاڑ دوں۔"

میں بے اختیار مسکرا دیا۔ اس نے اپنے سوال کے لیے بہت معقول اور مضبوط جواز تلاش کیا تھا۔

"کرشن کمار کو ہماری اس گاڑی کا نمبر معلوم ہے۔ اگر وہ کراچی میں ہے تو اس نے یقیناً ہمارے گھر اور اس کا ریر ضرور نگاہ رکھی ہوگی۔" میں نے دھیان سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے کہنا شروع کیا "اگر وہ ہمارے بارے میں بہت زیادہ سنجیدہ ہے تو ہوسکتا ہے کہ اس وقت وہ ہمارے پیچھے آنے والی کسی گاڑی میں موجود ہو۔ ہمارے ساتھ دور دور سے آنکھ مچولی کھیل کر اسے کچھ حاصل نہ ہوسکے گا۔ وہ کہیں نہ کہیں ہمارا راستہ کاٹنے کی کوشش کرے گا۔"

"اس امید پر تم شہر کی سڑکیں ناپنے نکلے ہو؟" اس نے میری بات کاٹ کر پوچھا۔

"ہوسکتا ہے کہ اس سے براہِ راست ہمارا کوئی ٹکراؤ نہ ہو۔" میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا "اس کا اصل ہدف ہم

Downloaded from https://paksociety.com

نہیں ہیں۔ وہ مراد کی رہائی کا خواہاں ہے۔ میں یہ امید ضرور کررہا ہوں کہ وہ ہماری نظروں میں آجائے گا۔"

"امکان ہے مگر ضروری نہیں کہ ایسا ہی ہو۔ اسے اپنے ان آدمیوں کا انجام معلوم ہوچکا ہوگا جنہیں اس نے صبح سویرے ہمارے گھر میں گھسنے کے لیے بھیجا تھا۔ اس کے بعد وہ جلد بازی سے کام نہیں لے گا۔"

"دانستہ کوئی غلطی نہیں کرتا۔ غلطی اسی وقت ہوتی ہے جب آدمی ہوشیاری سے کام لینے کی کوشش کرتا ہے مگر کوئی نہ کوئی پہلو اس کی نظروں میں آنے سے رہ جاتا ہے اور کچھ نہیں تو ہم شہر کی سیر کرکے لوٹ جائیں گے۔"

"تم کل ہی غزالہ کے ساتھ شہر کی سیر کرچکے ہو۔" اس نے شریر لہجے میں کہا "اس سے پہلے نیا کو کلفٹن لے گئے تھے۔ آج ویرا کو علم ہوگا کہ تم نے مجھے شہر کی سیر کرائی ہے تو وہ تمہاری جان کے لیے عذاب بن جائے گی۔"

"ویرا!" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "وہ واقعی ایک عجیب لڑکی ہے۔ دوسروں کو ہر وقت اپنے ردِعمل سے متحیر کردینے کی بے پناہ صلاحیت رکھتی ہے۔ اس کے بارے میں پہلے سے کچھ کہنا ناممکن ہے۔"

"مگر یہ بات طے ہے کہ وہ تمہیں بہت زیادہ پسند کرتی ہے۔" سلطان شاہ کا لہجہ معنی خیز ہوگیا۔

"یہی بات تمہارے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے۔" میں نے اس موضوع کو جلدی سے ٹالتے ہوئے کہا "کبھی کبھی تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اسے تمہارے لیے ہی اتارا گیا ہے۔"

سلطان شاہ ہنسنے لگا "وہ دل پھینک لڑکی ہے جس کی طرف متوجہ ہوجائے' اسے طرح طرح کی خوش فہمیوں اور بدگمانیوں میں مبتلا کردیتی ہے۔ میں اسے لگام نہ دوں تو وہ کسی بھی وقت تمہارے اور غزالہ کے درمیان فساد کھڑا کرسکتی ہے۔"

میں نے جیل روڈ کے چوراہے سے گاڑی بائیں طرف' شہید ملت روڈ پر گھمالی۔ میں نے سلطان شاہ کے جواب میں دانستہ کچھ نہیں کہا کیونکہ ہماری گفتگو یکایک ہی نازک ذاتی حدود کو چھونے لگی تھی۔

"کراچی بہت بڑا شہر ہے۔" کچھ دیر کے سکوت کے بعد سلطان شاہ بولا "یہاں کسی کو اتنی آسانی سے تلاش کرنا ممکن نہیں ہے۔ تم اپنے ذہن میں کتنی دیر کا پروگرام لے کر گھر سے نکلے ہو؟"

"سارا دن اپنا ہے۔ اکتا جائیں گے تو واپس چل دیں گے۔ میرے ذہن میں ایک خیال جاگزیں ہے۔ اسے ہماری بلکہ ہمارے ذریعے مراد کی تلاش ہے اور ہم اس کی تلاش میں ہیں۔ جب دو فریق ایک دوسرے کی تلاش میں ہوں تو بڑے بڑے شہروں کی وسعتیں بھی حیرت ناک حد تک سکڑ جاتی ہیں۔ مجھے تو اس وقت بھی پیچھے والی سبز کار مشتبہ معلوم ہورہی ہے۔"

ہم شہید ملت روڈ سے شارع فیصل پر مڑے تھے کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

میرا خیال تھا کہ وہ ویرا ہوگی مگر دوسری طرف جلال بول رہا تھا۔

رسمی علیک سلیک اور مزاج پرسی کے بعد وہ فوراً ہی کرشن کمار کی طرف آگیا "میں نے پرسوں شام تمہیں بتایا تھا کہ وہ یہاں سے نکل کر موناباؤ کی طرف جاچکا ہے مگر وہ اس کا فراڈ تھا۔ گھوم پھر کر وہ کسی چور راستے سے دوبارہ پاکستان آگیا ہے۔"

جلال کی زبان سے وہ خبر سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سینے پر سے کوئی بھاری بوجھ ہٹ گیا ہو۔ اسے کوئی غلط فہمی ہوسکتی تھی مگر وہ دشمن کی طرف سے غافل یا بے خبر نہیں تھا۔ پچھلی شام کے برعکس اس کے لب ولہجے میں اعتماد جھلک رہا تھا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اس کے ذہن کی دھند بالکل صاف ہوچکی ہو۔

"یہ ایک اچھی خبر ہے کہ وہ ہماری سرحد میں لوٹ آیا ہے۔ ہم زیادہ آزادی سے اس کا مقابلہ کرسکیں گے۔" میں نے اسے یہ باور کرانے کی کوشش نہیں کی کہ وہ خبر پہلے سے میرے علم میں تھی۔ "اس وقت وہ کہاں ہے؟"

"نچلے عملے نے غلطی سے اس کے معاملے کو روٹین میں لیا۔" وہ بتارہا تھا "اس رویّے کی وجہ سے خبروں کی ترسیل میں کچھ دیر ہوگئی۔ پرسوں شام جب میں تمہیں اس کے سرحد پار فرار ہونے کی خبر دے رہا تھا' وہ حیدر آباد میں آچکا تھا۔ اس بے پروائی پر دو آدمی معطل کردیے گئے ہیں اور میرا پورا اسٹاف ہائی الرٹ پر ہے۔"

"کل اس نے حیدر آباد میں تین آدمی ہماری گاڑی کی نگرانی پر مامور کیے تھے۔" میں نے روا روی میں بات کھول دی "رات گئے اول خان کا ایک آدمی حیدر آباد سے گاڑی ہمارے گھر لایا تو وہ تینوں پیچھے پیچھے یہاں آگئے....."

"اوہ.... نو!" موبائل فون پر جلال کی آواز تحیر زدہ تھی "کیا واقعات اتنی تیزی سے آگے بڑھے ہیں؟"

"رات وہ ہمارا گھر دیکھ کر واپس لوٹ گئے۔ آج فجر سے

Downloaded from https://paksociety.com

پہلے ان کی مہمان داری کرنی پڑی۔ دو حوالات میں ہیں' تیسرا بھیل مردہ خانے میں ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" میں نے چند فقروں میں پوری کہانی بیان کر دی۔

"کل شام وہ ہیر آباد میں صحرا کے دفتر پر دیکھا گیا تھا۔ اس کے بعد سے وہ پھر غائب ہے۔ مجھے شبہ تھا کہ اس نے کراچی کا رخ کیا ہوگا۔ میرے آدمی پورے شہر میں اس کی بُو سونگھتے پھر رہے ہیں۔"

"میں بھی اس کی بدبو سونگھنے کے لیے اپنی گاڑی لے کر سڑکوں پر نکلا ہوا ہوں..."

"ویری گڈ!" جلال نے پرجوش لہجے میں میری بات کاٹ دی "میرا ایک اپریٹس تمہارے پاس ہوگا۔ اس پر تم ہارٹی کے پاس ورڈ کے ذریعے میرے آدمیوں سے براہِ راست رابطہ کر سکو گے۔ وہ تمہیں اپنی رپورٹ دیتے رہیں گے۔"

"وہ اپریٹس گھر پر ہے۔ اب واپسی پر ہی تمہارے کسی آدمی سے بات ہو سکے گی۔"

"ہر آدمی سے نہیں' تم صرف کے ون سے بات کرو گے۔ وہ آپریشن کے کے ہنٹ کا سربراہ ہے۔"

اس نے کرشن کمار کی تلاش کو کے کے ہنٹ کا نام دیا تھا۔ میں نے اس بارے میں کوئی سوال کیے بغیر کہا "مجھے کراچی میں اس کے کسی رابطے کی تلاش ہے۔ وہ شہروں میں اپنی شناخت سے خوف زدہ رہتا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ ہوٹل کے بجائے اپنے کسی دوست یا ہمدرد کے پاس رہ رہا ہوگا۔"

"کراچی میں اس کے دو ہی قریب ترین دوست یا ہمدرد ہو سکتے ہیں اور وہ دونوں جہنم واصل ہو چکے ہیں۔"

"کن دونوں کی بات کر رہے ہو؟" میں نے چونک کر پوچھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ کہاں پہنچا ہوا تھا۔

"ٹنڈو یاگو کا زمین دار قادر خان اور کراچی کا بینک افسر چمن علی۔ ایک کو تم نے مار دیا۔ بلڈ پریشر کی زیادتی سے دوسرے کے دماغ کی شریان پھٹ گئی۔ اب وہ کراچی میں کس کے پاس جائے گا؟"

چمن علی کے بارے میں اس کا تبصرہ سن کر میں حیران رہ گیا۔ جلال سے میری آخری گفتگو دو دن پہلے ہوئی تھی۔ میں نے اسے قادر خان کے قتل کے بارے میں بتا دیا تھا۔ پچھلے دن کے اسلام آباد کے اخبارات نے شاید اس خبر کو اہمیت نہ دی ہو مگر کراچی میں وہ خبر شائع ہوئی تھی اور اس کی اشاعت کے بعد ہی چمن علی پر بلڈ پریشر کا حملہ ہوا تھا۔ وہ خبر اخباروں میں آئی تھی نہ اس وقت تک میری اور جلال کی بات ہوئی تھی۔ میں حیران تھا کہ اسے وہ خبر کہاں سے مل گئی۔

"موبائل نمبر ملانے سے پہلے میں نے تمہارے گھر فون کیا تھا؟" میرے استفسار پر اس نے بتایا "میری ویرا سے بات ہوئی۔ بہت خوش آواز اور خوش گفتار لڑکی ہے۔ چمن علی کے انجام کے بارے میں اسی نے بتایا ہے۔"

"دیکھا جائے تو اکرام الٰہی اور مقبول چوہدری بھی اس کے ہمدردوں میں سے تھے۔ سب ہی ایک ایک کر کے اٹھ چکے ہیں۔ اب پوری کھیپ میں سے صرف جان امتھ رہ گیا ہے..."

"اس کو ہاتھ بھی نہ لگانا۔" میری بات پوری ہونے سے پہلے جلال بول پڑا "آج کل دونوں فریق اس اعلیٰ سطحی مفاہمت پر پوری طرح عمل کر رہے ہیں جو یوب رافیل والے معاملے کے بعد ہوئی تھی۔ ہم نے ان کے کسی آدمی کو چھیڑا تو وہ پوری طاقت سے ہمارے خلاف سرد جنگ کا محاذ کھول دیں گے اور انہیں اس ہزیمت کا داغ دھونے کا موقع مل جائے گا جو امریکی صدر کی مداخلت کی وجہ سے لگا تھا۔" وہ اس بارے میں وہی کچھ کہہ رہا تھا جو اول خان مجھے پہلے بتا چکا تھا۔

"ہاتھ تو گیا' میں اسے پیر تک نہیں لگاؤں گا۔ وہ خود بھی اپنی ساکھ بچانے کے لیے کرشن کمار کو اپنے قریب نہیں آنے دے گا۔ پتا نہیں' اس نے کس مجبوری کے تحت مراد کو چند منٹ کا وقت دے دیا تھا!"

"مگر یہ دیکھ لو کہ اس کی ہمدردی میں اب تک کسی طرف سے کوئی آواز نہیں اٹھائی گئی۔" یہ کہہ کر اس نے اچانک ہی پٹڑی بدل لی "ویرا وسیع رابطوں اور ذرائع کی مالک ہے۔ ان سرگرمیوں کے بارے میں وہ کیا کہتی ہے؟"

میں دل ہی دل میں جلال کی جمال پرستی پر ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ ویرا ذرا سی دیر کی گفتگو میں اسے رجھانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ میں نے کسی طنز کے بغیر سنجیدگی سے کہا "اب تک اس نے کھل کر ہمارا ساتھ دینا شروع کیا ہے' اس کے سارے رابطے اور ذرائع ختم ہو کر رہ گئے ہیں۔ اب وہ ہم سے زیادہ بے خبر اور بے بس ہے۔"

"کچھ بھی ہو مگر بہت ذہین لڑکی ہے۔" جلال اپنی رو میں اس کی تعریف پر مصر تھا۔

"اس میں بے شمار خوبیاں ہیں مگر ایک بہت بڑی خامی ہے۔ پہلے وہ مردوں کو لبھا کر اپنی طرف متوجہ کرتی ہے پھر انہیں چڑا کر محظوظ ہوتی ہے۔ میں پسند نہیں کروں گا کہ تم اس کے ایسے کسی توہین آمیز رویّے کا شکار بنو۔"

میرے دو ٹوک مشورے پر وہ سٹپٹا گیا جیسے اس کی کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔ "میں اب اسے منہ بھی نہیں لگاؤں گا۔

Downloaded from https://paksociety.com

تم نے یہ اندازہ تو لگالیا ہوگا کہ ایسی خرافات میرے مزاج میں شامل ہیں' نہ میرے پاس اتنا وقت ہے۔"

مختصر سے عرصے میں میرے اور اس کے درمیان کافی بے تکلفی ہوگئی تھی لیکن وہ حدود اتنی وسیع نہیں ہوئی تھیں کہ ہم ایسی ذاتی سرگرمیوں کے بارے میں کھل کر بات کرسکیں۔ وہ بہرحال ایک اعلیٰ اور ذمے دار سرکاری اہل کار تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ میں اسے آخری مشورہ دے کر اپنی حد سے قدرے متجاوز ہوگیا تھا۔ اس کا ازالہ کرنے کے لیے میں نے جلدی سے کہا "میں اپنے الفاظ پر معذرت خواہ ہوں۔ اب یہ بتاؤ کہ کرشن کمار کے حوالے سے تمہارے ذہن میں کس کا نام آتا ہے؟"

ایک پرانا اور دوراز کار حوالہ ہے۔ موہن اینڈ موہن پرائیویٹ لیمٹڈ۔ یہ ولایتی شراب کے انڈینٹر اور امپورٹر ہیں۔ پابندی کے بعد سفارتی عملے اور غیر مسلموں کے لیے شراب درآمد کرتے ہیں۔ اس کے مینجنگ ڈائریکٹر بلکہ پوری فیملی کا تعلق میرپور خاص سے ہے۔ یہ لوگ شروع سے کراچی میں کاروبار کرتے ہیں مگر میرپور خاص میں اپنے آبائی گھر بھی جاتے رہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان کا کرشن کمار سے کوئی نہ کوئی رابطہ ہو۔" جلال نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد جواب دیا۔

"میرپور خاص کے باحیثیت لوگوں سے یقیناً اس کے قریبی مراسم ہوں گے۔" جلال کے جواب نے میرا دل خوش کردیا "موہن فیملی ہندو معلوم ہوتی ہے۔ اس مذہبی رشتے سے وہ لوگ کرشن کمار سے کافی قریب ہوں گے۔"

ڈرگ روڈ ریلوے اسٹیشن کے سامنے سے میں نے گاڑی بائیں طرف موڑلی۔

"یہ ایک مفروضہ ہے جو غلط بھی ہوسکتا ہے۔" جلال کی طرف سے محتاط جواب آیا "سول سروس میں بہت سے ہندو اعلیٰ عہدوں پر پوری ذمے داری سے کام کررہے ہیں۔"

میں نے اس نکتے پر جلال سے بحث نہیں کی مگر میں جانتا تھا کہ سرحد کے دونوں طرف بہت سے کاموں میں مصلحتیں کار فرما ہوتی تھیں۔ اقلیتی کوٹے' مذہبی رواداری' انسانی مساوات اور ایسے ہی دلکش دعوؤں میں رنگ بھرنے کے لیے ہر مذہب کے لوگوں کو آگے بڑھنے کے یکساں مواقع دستیاب تھے لیکن حقیقی ضروریات کے پیش نظر یہ ترقیاں ایک خاص مقام پر آکر غیر تحریری پابندیوں کے شکنجے میں جکڑ جاتی تھیں۔ اسی طرح پاکستان میں رہنے والے ہندو اپنی مجبوریوں کے تحت پاکستان کے گن گاتے تھے مگر ان کے دل ان ہی لوگوں کے ساتھ دھڑکتے تھے جو مٹی پر کھینچی ہوئی لکیروں کو مٹا کر ہمیشہ سے اکھنڈ بھارت کے خواب دیکھتے چلے آرہے تھے۔

جلال کے اس فون کا مقصد یہ بتانا تھا کہ کرشن کمار بھارت کے بجائے حیدر آباد یا کراچی میں موجود تھا جب کہ مجھے اس کی تلاش کے لیے موہن گھرانے کا نام مل گیا تھا۔

"اب تم بے فکر رہنا۔ وہ اس بار بھاگ کر سرحد پار نہیں جاسکے گا۔" جلال کہہ رہا تھا۔

"تم خود بتاچکے ہو کہ لمبی اور دشوار گزار سرحد کی نگرانی بہت مشکل کام ہے۔"

"مگر اب یہ مشکل کام بھی کرلیا گیا ہے۔ سرچ لائٹس اور واچ ٹاورز کے ذریعے سرحد سیل کردی گئی ہے۔ بس افسوس اس بات کا ہے کہ ان تیاریوں کی وجہ سے غداروں کو ہوشیار ہونے کا موقع مل گیا۔ ان میں سے کوئی نیا چھور کے تربیتی کیمپ کی طرف نہیں آیا۔ یوں ڈیڑھ دو سو سرکش لڑکوں کو سبق سکھانے کا موقع ہاتھ سے نکل گیا۔"

"کچھ روز بے سروسامان پھرنے کے بعد انہیں خود ہی عقل آجائے گی۔ اب دعا کرو کہ کرشن کمار سے بچ کر نہ نکل سکے۔ اس پر ہم اب تک خاصا وقت صرف کرچکے ہیں۔"

"اس پر تم نے اب اصل کام شروع کیا ہے۔ اس سے پہلے تم سلطان شاہ کی بازیابی کے لیے کام کررہے تھے جس میں تمہیں مکمل سرخروئی حاصل ہوئی ہے۔ اب اس کا کیا حال ہے؟"

"بہتر ہے۔ وہ میرے ساتھ ہی موجود ہے۔" میں نے کن انکھیوں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اسے میرا سلام کہہ دینا۔ کوئی خاص واقعہ رونما ہو تو مجھے فوراً اطلاع دینا۔"

"خدا کا شکر ہے۔" میرے کان سے فون ہٹتے ہی سلطان شاہ دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا "میں تو سمجھ رہا تھا کہ اب یہ مذاکرات رات تک اسی طرح چلتے رہیں گے۔"

"جلال تھا' تمہیں سلام کہہ رہا تھا۔" میں نے ہنس کر موبائل فون اس کی گود میں ڈال دیا۔

"صرف سلام کہنے میں اس نے اتنا وقت لے لیا تو پوری بات کہنے میں تو کئی دن گزر جاتے۔"

"زیادہ نہ بولو اور کچھ دیر کے لیے مجھے سوچنے دو۔ جلال نے کرشن کمار تک رسائی کی ایک نئی راہ سجھائی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم اس کی تلاش میں بلاوجہ ہی اپنا وقت برباد کرتے پھر رہے ہیں۔ وہ یہاں ہر ایک سے سینگ لڑانے کے لیے نہیں آیا جو بلاوجہ ہمارے سامنے آنے کا خطرہ

Downloaded from https://paksociety.com

مول لے گا۔"

"اسے مراد کی تلاش ہے۔ وہ کوئی منتر پڑھ کر اسے دریافت نہیں کر سکتا۔" میں نے تحمل سے کہا "اس مقصد کے حصول کے لیے اسے کہیں نہ کہیں سامنے آنا ہی پڑے گا اور ہم اس موقع کی تلاش میں ہیں۔"

"سوال یہ ہے کہ ہمیں اس کی تلاش کیوں ہے؟ مراد اس کا ایک مضبوط حلیف تھا۔ وہ دونوں مل کر ایک سازش پروان چڑھا رہے تھے۔ تم نے مراد کی خودکشی کی خبر بلاوجہ ہی دبائی ہوئی ہے۔ خبر جاری کردو۔ کرشن کمار مایوس ہو کر خود ہی غائب ہو جائے گا۔ ہمیں اس کی تلاش میں دھکے نہیں کھانے پڑیں گے۔"

"یہ وہی غلطی ہے جو ویرا کر رہی تھی۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا "ہماری کار کی وجہ سے تین افراد ہمارے گھر پر چڑھ آئے اور ہمیں معلوم ہو گیا کہ کرشن کمار کراچی یا حیدر آباد میں ہے جب تک اسے مراد کی زندگی کی آس ہے' وہ یہیں منڈلاتا رہے گا اور ہم اسے گھیر کر مار دیں گے۔ وہ ہمارا دشمن ہے۔ ہم اسے نکلنے کا موقع نہیں دینا چاہتے اس لیے مراد کی خودکشی کی خبر کا پوشیدہ رہنا ضروری ہے۔"

"آخر تم اسے مار کر کیا حاصل کر لو گے۔" سلطان شاہ پر اس وقت قنوطیت طاری ہو چلی تھی "انڈین سیکرٹ سروس والے اس کی جگہ کسی اور کو یہاں بھیج دیں گے۔"

"اس طرح سوچو گے تو پھر اوبرائن ڈی ہنٹ' اکرام الٰہی اور مقبول چوہدری سے بھڑنے میں بھی کوئی فائدہ نہیں تھا۔"

"ان کی بات مختلف تھی۔ انہوں نے ایک مقام بنا لیا تھا' بہت کچھ کر چکے تھے۔ وہ اب اپنی اپنی ذات میں ایک ادارہ تھے۔ کرشن کمار کیا ہے؟ ایک بھگوڑا جاسوس جو پکڑے جانے کے ڈر سے شہروں سے دور رہتا ہے۔"

"یہ سب پروپیگنڈا ہے تاکہ تم جیسے عجلت پسند لوگ اسے نظر انداز کرتے رہیں۔ مصروف اور تعلیم یافتہ شہری آبادی سے اسے کوئی سروکار ہی نہیں ہے۔ دیہی آبادی اس کا اصل نشانہ ہے اور وہ وہاں بہت کچھ کام کرتا رہا ہے۔ وہ لوگ اسے صحرا کا بادشاہ اور تھر کا مسیحا کہتے ہیں۔ وہ اپنے مقاصد کو لے کر تیزی سے آگے جا رہا ہے۔"

"تم سے بحث میں جیتنا ممکن نہیں۔" سلطان شاہ نے خلاف توقع جلد ہی ہتھیار ڈال دیے "یہ بتاؤ کہ تمہاری مشتبہ سبز گاڑی اب کہاں ہے؟"

"وہ تو چند منٹ بعد ہی کہیں اور مڑ گئی تھی۔" میں نے مسکرا کر کہا اور سلطان شاہ سلگ اٹھا۔

ہم راشد منہاس روڈ سے ہو کر دوبارہ یونیورسٹی روڈ پر آئے اور اس بار سیدھے صدر کی طرف نکلتے چلے گئے۔ ہم چاہتے تو حسن اسکوائر پر اپنے گھر کی طرف بھی جا سکتے تھے مگر میرے ذہن پر اس وقت آوارہ گردی کی دھن طاری تھی۔ میں نے سلطان شاہ کے احتجاج کی بھی پروا نہیں کی اور گھر والے موڑ کو چھوڑ کر آگے نکل گیا۔

بارہ بجے کے بعد موبائل فون پر اول خان کی کال آئی "اس نے بتایا کہ ہمارے گھر پر حملہ آور ہونے والے بھلوں کے زیر استعمال کار موہن اینڈ موہن پرائیویٹ لمیٹڈ کے نام پر رجسٹرڈ تھی۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟" میں نے بے ساختہ سوال کیا "یہ فرم تو کراچی میں ہے۔ اس کے نام پر حیدر آباد میں گاڑی کا رجسٹریشن کیسے ہو گیا؟ اس پر حیدر آباد کی نمبر پلیٹ تھی۔"

"مجھے پتا نہیں کہ یہ کیا چکر ہے۔ میری خصوصی درخواست پر پولیس کے محکمے نے بہت تیزی سے چھان بین کی ہے۔ نمبر پلیٹ سے لے کر گاڑی کے انجن اور چیسز نمبر تک ہر چیز اصلی ہے۔ تم کہہ رہے ہو تو معلوم کروں گا۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ دو پرائیویٹ لمیٹڈ فرموں کا نام ایک ہی ہو۔"

"ہو سکتا ہے کہ حیدر آباد میں ان کا کوئی ذیلی دفتر ہو۔ اس ادارے کے مالکان کا تعلق میرپور خاص سے ہے۔ اس بارے میں جتنی زیادہ معلومات حاصل ہو سکیں' بہتر رہے گا۔"

"یہ نام تمہیں کہاں سے معلوم ہوا؟" اول خان کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"تھوڑی دیر پہلے جلال نے اپنی یادداشت کے سہارے بتایا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس علاقے میں رہنے والے... باحیثیت ہندوؤں میں کرشن کمار کو خاصی اہمیت حاصل ہو گی۔ اب مجھے اپنا یہ شبہ درست ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔"

"تم شہر میں کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو؟"

"بس' اب بھٹکنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس وقت میں گارڈن روڈ پر ہوں۔ اگلے سگنل سے گاڑی گھر کی طرف گھما رہا ہوں۔ چاہو تو تم بھی وہیں آ جاؤ۔ ہمیں موہن اینڈ موہن کو فوری طور پر دیکھنا پڑے گا۔"

میں نے فون بند کر دیا۔ اگلا سگنل سبز تھا۔ میں نے گاڑی بائیں طرف گھما لی۔

"اب تمہیں اندازہ ہوا کہ تمہاری یہ ساری بھاگ دوڑ بے سود تھی۔" سلطان شاہ کو طنز کرنے کا موقع مل گیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"حرکت میں برکت ہے۔ میرے لیے گھر میں ٹک کر بیٹھے رہنا مشکل ہو رہا تھا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "اب مجھے خیال آرہا ہے کہ کرشن کمار کے جنون میں، میں نے اپنے گھر کو فراموش کر دیا تھا۔ اسے ہماری گاڑی کے نمبر وغیرہ کے ساتھ گھر کا پتا بھی معلوم ہے۔"

"اب بات اتنی دور تک نہ لے جاؤ۔" سلطان شاہ نے اضطرار کے عالم میں میری بات کاٹ دی "آج صبح سویرے ہی اس کے تین آدمیوں نے ہمارے گھر پر منہ کی کھائی ہے۔ وہ اتنی جلدی دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔ سرکاری وردی کا خوف برا ہوتا ہے۔ ہمارے دروازے پر ایک مسلح سپاہی بھی پہرے پر مامور ہے۔"

"ویرا نے اسے واپس تھانے بھیج دیا ہوگا۔ اسے سپاہی کی بے چارگی پر رحم آرہا تھا۔"

"پھر تو ہم نے واقعی اپنے گھر کو نظر انداز کر دیا۔" سلطان شاہ نے اپنی نشست میں بے چینی سے پہلو بدل کر کہا "وہ دونوں عورتیں ہیں۔ ایک مرد کو گھر پر ضرور رہنا چاہیے تھا۔" اس نے موبائل فون اٹھا کر بٹن دبانے شروع کر دیے۔

میرے اعصاب پر یکایک ایک بے نام سی بے چینی طاری ہونے لگی تھی۔ سلطان شاہ نے نمبر مکمل کر کے جوں ہی کال کا بٹن دبایا۔ میں نے اس کے ہاتھ سے موبائل چھین کر اپنے کان سے لگا لیا۔

پہلی، دوسری اور پھر تیسری گھنٹی بھی بجتی چلی گئی لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ میرے ہاتھوں اور پیروں میں شدید اینٹھن ہونے لگی۔ ستاروں کی چال بدل گئی تھی۔ حالات صحیح رخ پر چلتے چلتے شاید اچانک بگڑ گئے تھے۔

چوتھی گھنٹی شروع ہوتے ہی ریسیور اٹھا لیا گیا اور میرے کانوں میں کسی کے تیز سانسوں کی آواز آئی۔

"کیا بات ہے ویرا؟ وہاں کیا ہو رہا ہے؟" میں نے سانسوں کے زیر و بم کو پہچان کر سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے اول خان۔ میں کچھ دیر کے لیے باہر جا رہی ہوں۔ واپس آکر فون کروں گی۔"

"غزالہ کہاں ہے؟" میری آواز یک بہ یک بہت کمزور ہو گئی۔ دوسری طرف سے کوئی جواب دیے بغیر فون بند کر دیا گیا۔

ہم میلوں دور تھے اور گھر پر کوئی بھیانک کھیل شروع ہو چکا تھا۔ کرشن کمار نے کار کو بھول کر اپنی ساری توجہ ہمارے گھر پر مرکوز کر دی تھی۔

ویسے تو ویرا کی آواز ہی بہت کچھ بتا رہی تھی لیکن میری

پسند ناپسند

"حمیدہ کو بھی وہی فلمیں پسند تھیں جو مجھے پسند تھیں۔ اسے بھی وہی کھانے اچھے لگتے تھے جو مجھے اچھے لگتے تھے۔ اسے بھی وہی گانے اچھے لگتے تھے جو مجھے اچھے لگتے تھے۔ اسے بھی وہی کتابیں پسند تھیں جو مجھے پسند تھیں۔"

"پھر تم نے اس سے شادی کیوں نہیں کی؟"

"ہم ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے تھے۔"

آواز سن لینے کے باوجود مجھے اول خان کہہ کر اس نے یہ جتا دیا تھا کہ اپنی ساری تیزی اور طراری کے باوجود وہ اس وقت حالات کے چنگل میں قطعی بے بس ہو چکی تھی۔

میرا ستا ہوا چہرہ دیکھ کر سلطان شاہ کو کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ وہ میرے ہاتھ سے فون لے کر مشینی انداز میں اول خان کا نمبر ملانے میں مصروف ہو گیا۔ اس کا نمبر مصروف تھا۔

اس بار بھی وہ غلطی میری ہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے میں نے خود ہی اسے ایک کام بتایا تھا۔

سلطان شاہ نے بس چند ثانیوں کے توقف کے بعد نمبر ملا لیا۔ اس بار سلسلہ مل گیا۔

"گھر پر کوئی زبردست گڑبڑ ہوئی ہے۔ خود پہنچو اور تھانے کو بھی فون کر دو۔ وہاں صرف دونوں عورتیں ہیں۔" اس نے اپنا پیغام مکمل کرتے ہی رابطہ منقطع کر دیا تاکہ اول خان فوری طور پر کوئی اقدام اٹھا سکے۔

ٹریفک کی بھیڑ میں میں نے اپنی گاڑی کی رفتار یک لخت تیز کر دی۔ اس وقت مجھے ایک ایک لمحہ گراں گزر رہا تھا۔

"گھر کا نمبر ملاؤ!" میں نے غصے اور بے بسی سے اپنے جبڑے بھینچ کر سلطان شاہ کو ہدایت دی۔

"بے سود ہے ۔۔۔ اب کوئی فون نہیں اٹھائے گا۔" وہ مایوسانہ لہجے میں بولا۔

"ملاؤ!" میں درندگی سے غرایا "گھنٹیاں بجنے دو۔ وہ دونوں مر گئیں تو کوئی نہ کوئی سب سے پہلے وہاں پہنچ کر فون اٹھا لے گا۔"

سلطان شاہ سہم کر فوراً ہی نمبر ملانے میں مصروف ہو گیا۔ دوسری طرف گھنٹیاں بجتی رہیں لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔

UHY2000 Published 2237
Downloaded from https://paksociety.com

اس وقت تک میں ایک سرخ سگنل کی خلاف ورزی کرکے آگے نکل چکا تھا۔

"چھ گھنٹیوں کے بعد لائن ڈراپ ہوگئی۔" سلطان شاہ نے منہ لٹکا کے مجھے اطلاع دی۔

"دوبارہ ملاؤ۔" میں دبی دبی ہذیانی آواز میں تقریباً چیخ پڑا "جب تک وہاں سے کوئی جواب نہ ملے' بار بار نمبر ملاتے رہو۔ ہم سے پہلے کوئی نہ کوئی وہاں ضرور پہنچے گا۔"

سلطان شاہ موبائل فون کان سے لگائے گھنٹیاں سنتا رہا اور میں کہیں بھی نہ رکنے کا عزم کرکے تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتا رہا۔ میں نے راستے میں ... دو سرخ سگنل توڑے۔ متعدد مقامات پر خطرناک حادثوں سے بال بال بچا اور اسی طرح ہم نمائش کے چوراہے تک پہنچ گئے۔ دوسری طرف مسلسل گھنٹیاں بج رہی تھیں مگر کوئی جواب نہیں تھا۔

میری آنکھیں جل رہی تھیں' دل پتھر ہوگیا تھا۔ گھر سے فون کا کوئی جواب نہ ملنے کا مطلب تھا کہ وہاں کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ سب کچھ خاک ہوچکا تھا۔ میرے دل کی گہرائیوں میں بہت شدت سے آرزو امڈی کہ کاش ویرا اور غزالہ اغوا نہ ہوئی ہوں' انہوں نے اپنی چار دیواری میں لڑتے ہوئے عزت کی موت کو گلے لگالیا ہو۔

شاہراہ قائدین اور پھر مزار قائد کے عقب سے ہوتے ہوئے ہم سبزی منڈی کے پھیلے ہوئے اور پر ہجوم ٹریفک تک پہنچ گئے۔ میں نے گاڑی کی ایمرجنسی لائٹس آن کردی تھیں' ایک ہاتھ ہارن پر تھا' داہنا پیر بہت بے دردی سے بریک اور ایکسیلیٹر پیڈل کے درمیان حرکت کررہا تھا۔ سلطان شاہ میرے برابر والی نشست پر کسی مفلوج مجسمے کی طرح ساکت بیٹھا ٹیلی فون کی گھنٹیاں سنے جارہا تھا۔

میرا خون کھولنے لگا۔ سب نہ جانے کہاں مرگئے تھے' اول خان کہاں رہ گیا تھا۔ ہم آدھے شہر کی مسافت طے کرکے گھر کے قریب پہنچنے والے تھے لیکن اول خان اسٹیشن فور سے ایک سیدھی سڑک طے کرکے ہمارے گھر تک نہیں پہنچ سکا تھا۔

ہمیں راستہ ملتا رہا' گاڑی کی رفتار اور وحشیانہ ہارن سے دوسرے ڈرائیور بوکھلا کر راہ دیتے رہے۔ ہم حسن اسکوائر تک پہنچ گئے لیکن سلطان شاہ کے لبوں میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ اس کے کان میں گونجنے والی گھنٹیوں کی آواز میرے کانوں تک بھی پہنچنے لگی تھی۔ میں نے سخت بددلی اور مایوسی کے عالم میں حسن اسکوائر سے گاڑی داہنی طرف موڑلی۔

اپنی گلی میں گھستے ہی میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ہمارے گھر کے سامنے اول خان کی گاڑی اور ایک پولیس جیپ موجود تھی مگر سلطان شاہ کے موبائل فون پر ہر جواب مفقود تھا۔

وہ منظر دیکھتے ہی سلطان شاہ نے موبائل بند کردیا۔ گاڑی نے سڑک پر دھول اڑاتے ہوئے آخری جست لگائی اور میں نے اپنے دروازے کے سامنے پوری قوت سے بریک لگا کر اپنی نشست چھوڑ دی۔ گیئر میں ہونے کی وجہ سے گاڑی کا انجن ایک جھٹکا لے کر خود بخود بند ہوگیا اور میں پھاٹک پر کھڑے ہوئے سپاہی کو دھکیلتا ہوا اندر دوڑتا چلا گیا۔

اندر لابی میں مجھے صرف تین نفوس نظر آئے۔ اے ایس آئی طاہر ایک باوردی سپاہی کے ساتھ تھا اور اول خان اکیلا تھا۔ ان تینوں کے لٹکے ہوئے افسردہ چہرے دیکھ کر میرا دل ڈوبنے لگا۔ اول خان نے شاید میرے چہرے سے میری کیفیات کو بھانپ لیا اور ہاتھ ہلا کر ویرا کے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

قدم مڑنے سے پہلے میری گردن گھوم گئی اور پھر میری جلتی ہوئی آنکھوں کے گوشے تشکر کے جذبے سے بے اختیار نم ناک ہوتے چلے گئے۔ اندر وہ دونوں موجود تھیں۔ غزالہ مسہری پر آنکھیں بند کیے بے حس و حرکت لیٹی ہوئی تھی۔ ویرا اس کے سرہانے افسردگی سے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ میں دوڑتا ہوا اندر داخل ہوا اور میں نے بیک وقت ان دونوں کو اپنے داہنے اور بائیں بازو میں سمیٹ لیا۔

غزالہ بے ہوش تھی۔ وہ میری اس والہانہ وارفتگی کا کوئی جواب دینے سے قاصر تھی مگر ویرا پھوٹ کر رو پڑی "ڈینی... ! وہ حرام زادہ سفید نیولا یہاں گھس آیا تھا۔" اس نے ہچکیوں کے درمیان بتایا۔

وہ دونوں میری نگاہوں کے سامنے اور بالکل محفوظ تھیں۔ مجھے لمحہ بھر میں اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں رہی تھی کہ وہاں کون آیا تھا۔ وہ جو بھی تھا' یہ بڑی بات تھی کہ بے نیل مرام واپس لوٹا تھا۔

میں نے غزالہ کے چہرے اور پیشانی پر بوسوں کی بھرمار کردی۔ میں اپنی واپسی کے سفر میں جس ہولناک کرب سے گزرا تھا' اس کے بعد میں جو کچھ دیکھ رہا تھا' اس پر یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ جذباتی ابال کچھ ٹھنڈا ہوا تو میں نے خاموشی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ سلطان شاہ ہماری طرف پشت کیے دروازے سے باہر کھڑا تھا۔

میں رومال سے اپنی آنکھیں خشک کرتا ہوا کمرے سے باہر آیا تو لابی میں اول خان اکیلا کھڑا تھا۔ اس نے میرے

Downloaded from https://paksociety.com

لیے اپنے بازو کھول دیے اور میں اس کی کشادہ چھاتی سے لپٹ کر ایک بار پھر پھٹ پڑا۔

وہ میرا دوست ہونے کے ساتھ ساتھ میرا غمگسار اور ہمدرد بھی تھا۔ ہر آڑے وقت میں مجھ سے آگے سینہ سپر ہونے کے لیے تیار رہتا تھا۔ ہم دونوں دیر تک ایک دوسرے سے یوں ہی لپٹے رہے۔ میری آنکھوں میں دہکتی ہوئی آگ آنسوؤں کی شبنم میں ڈھل کر دھیرے دھیرے سرد ہوتی رہی۔ اول خان مربیانہ انداز میں میری پیٹھ پر تھپکیاں دیتا رہا۔

اس سے الگ ہونے کے بعد میں بولنے کے قابل ہوا تو سب سے پہلے میں نے شکوہ ہی کیا "تم یہاں آگئے تھے تو تم نے میرے فون کا جواب کیوں نہیں دیا۔ میں یہاں کے بارے میں سوچ سوچ کر پاگل ہوا جارہا تھا۔"

"فون!" اس نے حیرت سے دہرایا "غلط نمبر ملا ہوگا۔ یہاں کوئی گھنٹی نہیں بجی۔ میں اپنے موبائل پر کوشش کررہا تھا تو تمہارا فون مسلسل مصروف تھا۔ شاید تم نے غلطی سے کوئی غلط بٹن دبادیا تھا۔"

میں فوراً لابی میں رکھے ہوئے فون کی طرف بڑھا جہاں سے سب لائنیں آپس میں جڑی ہوئی تھیں۔ ریسیور اٹھایا تو وہ بالکل بے جان تھا۔ پیچھے جھانکا تو کسی نے سارے تار نوچ کر الگ پھینکے ہوئے تھے۔ پوری بات فوراً ہی واضح ہوگئی۔ سلطان شاہ کو گھر کے فون پر گھنٹیاں بجتی سنائی دے رہی تھیں جبکہ وہاں تار الگ تھے۔ ہمارا فون واقعی مسلسل مصروف تھا اس وجہ سے اول خان ہم سے بات کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ ہر رابطہ مفقود ہونے کی وجہ سے میں خود ہی اپنے خیالوں کے آسیب بنا کر ان کے ہیولوں سے وحشت میں مبتلا ہوتا رہا جبکہ اول خان نے نہ کوئی کوتاہی کی تھی، نہ پولیس والوں نے بے پروائی سے کام لیا تھا۔

"طاہر اور اس کے ساتھی کہاں ہیں؟" پولیس کا خیال آتے ہی میں نے بے ساختہ پوچھا۔

"میں نے شکریہ کے ساتھ اسے رخصت کردیا۔ میرے اور اس کے پہنچنے سے پہلے یہاں میدان صاف ہوچکا تھا۔"

"یہاں ہوا کیا تھا؟ ویرا کس سفید نیولے کا ذکر کررہی ہے؟" میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"تفصیل کا مجھے خود علم نہیں، مجھے اس نے بتایا کہ کرشن کمار کسی گداگر کے ساتھ گھر میں گھس آیا تھا۔"

"کرشن کمار!" میں نے دانت پیس کر دہرایا "تجھ پر اب میرا بھاری قرض واجب ہوچکا ہے۔"

سلطان شاہ بھی عورتوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر ہمارے ساتھ آملا تھا۔ اس نے بتایا "وہ ویرا کو پہچان گیا تھا اور غزالہ کو بے ہوش کرکے ویرا کو لے جانے ہی والا تھا کہ ویرا کا داؤ چل گیا۔"

"اور کیا بتا رہی ہے وہ؟" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"ابھی اتنا ہی بتایا ہے۔ سنبھلے گی تو کچھ اور بھی بتائے گی۔ کرشن کمار توحد سے زیادہ مکار اور دیدہ دلیر ثابت ہوا ہے۔" سلطان شاہ بولا "ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ چند گھنٹوں بعد ایسا کوئی خطرناک وار کرگزرے گا۔"

"یہ انسانی نفسیات ہے۔ اس نے ہماری اسی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔" اول خان نے کہا۔

"گاڑی کھلی ہوئی ہے۔ چابی بھی اگنیشن میں ہے۔ اسے لاک کرآؤ۔" خیال آنے پر میں نے سلطان شاہ کو ہدایت دی اور وہ باہر چلا گیا۔

میں خود کو ابتدائی صدمے سے سنبھال چکا تھا۔ دوبارہ ویرا کی خواب گاہ میں گیا تو اس سے پتا چلا کہ غزالہ کو کنپٹی پر ضرب لگا کر بے ہوش کیا گیا تھا۔ اسے کوئی اور چوٹ نہیں آئی تھی۔ ایسی صورت میں غزالہ کے سرہانے بیٹھنا بے سود تھا۔ ضرب کے اعصابی اثرات ختم ہونے سے پہلے اس کا ہوش میں آنا ممکن نہیں تھا۔ اس کے لیے آرام اور وقفہ ضروری تھا۔

میں ویرا کو سمجھا بجھا کر اس کے کمرے سے ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ کھلی فضا میں ہمارے ساتھ بیٹھ کر وہ زیادہ آسانی سے اپنی ذہنی پراگندگی پر قابو پاسکتی تھی۔ اس کی کہانی سننے کے لیے اس کا جلد از جلد معمول پر آنا ضروری تھا۔

ویرا ڈرائنگ روم میں آئی اور آتے ہی شکستہ لہجے میں بولنے لگی "اف میرے خدا.....! وہ ایک ڈراؤنا خواب تھا۔ وہ دونوں بہت سفاک نظر آرہے تھے اور انہوں نے ماؤزر کی نال غزالہ کی کنپٹی سے لگائی ہوئی تھی۔ انہیں دیکھ کر میں سناٹے میں آگئی تھی۔ وہ میری زندگی کا بدترین تجربہ تھا جسے میں زندگی بھر نہیں بھول سکتی۔"

"اپنے چڑھے ہوئے سانس درست کرو۔" میں نے نرم لہجے میں اسے تسلی دی "وہ برا وقت تھا گزر چکا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم دونوں صحیح و سلامت ہو۔ تمہارے اوسان درست ہوں گے تو تمہاری کہانی بھی سن لیں گے۔"

سلطان شاہ کو موقع کی نزاکت اور وقت کی اہمیت کا احساس تھا۔ وہ ویرا کی باتیں سننے کے بجائے از خود ٹیلی فون کے تار جوڑنے چلا گیا تھا۔ چند منٹ بعد اس نے واپس آکر

Downloaded from https://paksociety.com

اسپیکر فون آن کیا تو اس کی ڈائل ٹون بحال ہو چکی تھی۔ ٹیلی فون کی طرف توجہ مبذول ہوتے ہی اول خان کو پولیس ہیڈ آفس کا وہ آدمی یاد آگیا جسے اس نے موہن اینڈ موہن کے حیدر آباد آفس کے بارے میں معلومات کے حصول کے لیے کہا ہوا تھا۔

اس نے اسے مطلع کیا کہ وہ اپنے دفتر کے بجائے ہمارے فون نمبر پر موجود تھا لہٰذا اس سے وہیں رابطہ کیا جائے۔ دوسری طرف سے اسے بتایا گیا کہ کام شروع کیا جا چکا تھا اور کسی بھی لمحے معلومات ملنے والی تھیں۔

حالات بدترین نہج پر جاتے جاتے یکایک سنبھل گئے تھے۔ میں نے ذہنی یکسوئی کے لیے سگریٹ سلگالی۔ ویرا اعصاب زدہ ہو رہی تھی اور رہ رہ کر اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔ اس کی فرمائش پر میں نے اس کے لیے بھی ایک سگریٹ سلگا دی۔ اس نے کسی اناڑی سگریٹ نوش کی طرح پے در پے چند گہرے کش لے کر سارا زہریلا دھواں اپنے پھیپھڑوں میں جذب کرلیا۔ میں نے دانستہ اپنی توجہ اس کی طرف سے ہٹالی۔

ڈرائنگ روم میں ہم چار نفوس موجود تھے اور چاروں ہی خاموش تھے۔ وہ خاموشی خاصی مہیب اور غیر فطری محسوس ہو رہی تھی۔ وہ سکوت اول خان نے توڑا۔ وہ ہم سے ہمارے گھر سے نکلنے کا سبب پوچھ رہا تھا۔

وہ بے سود آوارہ گردی میری ذہنی اپج کا نتیجہ تھی اس لیے میں خاموش رہا۔ سلطان شاہ' اول خان کو پورے انہماک سے اس مہم جوئی کے رموز و نکات سمجھانے میں مصروف ہو گیا۔

اسے کھلی چھوٹ دینے کے لیے میں ڈرائنگ روم سے اٹھ کر لابی میں آگیا۔ جلال اپنے مقاصد کے تحت ہمارے مسائل میں جتنی گہری دلچسپی لے رہا تھا' اس کا تقاضا تھا کہ اسے بھی تازہ ترین حالات سے آگاہ کردیا جائے۔ میں نے لابی سے اس کے دفتر کا نمبر ملایا تو دوسری طرف وہ خود موجود تھا۔

ہماری طرح اس کے لیے بھی یہ خبر ناقابل یقین تھی کہ اپنے تین آدمیوں سے ہاتھ دھونے کے محض چند گھنٹوں بعد کرشن کمار نے کسی زہریلے ناگ کی طرح اچانک پلٹ کر دوسرا وار کر ڈالا تھا۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ اس بار بھی اس کا وار خالی گیا تھا۔ جلال مجھ سے اس واقعے کی تفصیلات جاننا چاہ رہا تھا لیکن اس وقت تک میں خود بے خبر تھا۔ اسے سنانے کے لیے میرے پاس کوئی تفصیل نہیں تھی۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھ سے بات کرنے کے بعد تمہیں مزید کچھ کرنے کا موقع نہیں مل سکا اور تم ہنگامی حالات میں گھر واپس لوٹ آئے!" ریسیور پر اس کی پر اشتیاق آواز ابھری۔

"مجبوری تھی۔ گھر سے رابطہ ختم ہو جانے کی وجہ سے میرے ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔ ویسے بھی ویرا سے ادھوری بات ہونے کے بعد میں ذہنی طور پر کچھ سوچنے یا سمجھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ گھر پر میری زیادہ ضرورت تھی۔"

"وہ اب تک ہمیں پیچھے دھکیلتا چلا آرہا ہے۔" اس نے خود کو بھی ہمارے ساتھ شمار کرتے ہوئے پر خلوص لہجے میں کہا "اب اس کی گردن نہ توڑی گئی تو وہ واقعی کوئی نقصان پہنچا بیٹھے گا۔"

وہ تھوڑا سا مبالغہ کر رہا تھا۔ میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "اس نے سلطان شاہ کو اغوا کیا اور ہم اسے صاف نکال لائے۔ اس کی دوسری کوشش سراسر ناکام ثابت ہوئی ہے۔ اس دوران میں وہ اپنے کتنے ہی آدمیوں سے محروم ہو چکا ہے۔"

"اس کے لیے کام کرتے ہوئے جو لوگ مارے یا پکڑے گئے' اسے ان سے ذرا بھی ہمدردی یا دلچسپی نہیں ہوگی۔ ایسے خود غرض لوگ اندر سے بہت سفّاک ہوتے ہیں۔ وہ بھارتی ہے اور اس کے مذموم مقاصد کے لیے اپنی گردنیں کٹوانے والے سارے احمق مقامی تھے۔ وہ جانی نقصان کی پروا کیے بغیر سودے بازی کی بہتر پوزیشن میں آنا چاہتا ہے۔ ویرا کو اپنے قبضے میں لینے کے بعد وہ مراد کی واپسی کے لیے مطالبہ کر سکتا تھا۔ وہ اپنے مقصد میں ناکام رہا ہے اس لیے اس کی طرف سے جلد ہی کوئی تیسری کوشش بھی ہو سکتی ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر بار ہی اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے۔ ہمیں حقائق کی دنیا میں رہ کر کچھ سوچنا ہوگا۔"

"اس کے بارے میں سوچتے سوچتے میرا دماغ دکھنے لگا ہے۔" میں نے اس کی باتیں غور سے سننے کے بعد کہا "ابھی تک وہ ایک سایہ ہے سائے کو کون پکڑ سکتا ہے؟ تم بتاؤ کہ میں کیا کروں۔"

"اپنی توجہ موہن اینڈ موہن پر مرکوز کرو۔ میرے آدمی سے رابطہ کرو۔ میرا دل کہتا ہے کہ کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔"

میرے ذہن سے جیسے یکایک برف پگھل گئی۔ میں نے چونک کر کہا "ان کا نام دوسری طرف سے بھی سامنے آیا ہے۔"

اس اطلاع پر جلال کی آواز پرجوش ہو گئی۔ میں نے اسے اول خان کی ابتدائی رپورٹ سے آگاہ کیا اور اس کا

Downloaded from https://paksociety.com

ذہن فوری طور پر ایک نئے امکان کی طرف مبذول ہوگیا "اگر حیدر آباد جیسے چھوٹے شہر میں ان کا کوئی دفتر ہے تو اسلام آباد میں بھی ہونا چاہیے۔ حیدر آباد میں گنتی کے غیر ملکی ہوں گے۔ یہاں شہر کی چوتھائی سے کچھ کم آبادی ان پر مشتمل ہے۔"

"ان کے خلاف پہلا ثبوت سامنے آچکا ہے۔ تم اسلام آباد میں ان پر دھاوا بولو۔ ہم کراچی میں انہیں گھیرتے ہیں۔ ان کے کرشن کمار سے گہرے مراسم ہیں جب ہی ان کی گاڑی بھیلوں نے استعمال کی تھی۔"

"وہ کرشن کے ہمدرد اور ذات کے شاید بنیے ہیں۔ ان سے اسلام آباد میں چھیڑ چھاڑ میں پہل کی گئی تو وہ ہوشیار ہوجائیں گے۔ پہلے انہیں کراچی میں ہی گھیرو۔ تمہارا سگنل ملے گا تو ہم یہاں انہیں پیس ڈالیں گے۔"

"تمہیں اب احساس ہو رہا ہوگا کہ ہندو پاکستان کے لیے کیا سوچ رکھتے ہیں۔" میں نے اسے اس کی کہی ہوئی بات یاد دلائی "یہاں کی زمین سے اگنے والے اناج پر پلنے والے بھیل اور بنیے، سب کرشن کمار کے ساتھی ہیں۔"

"یہ زندگی کی وہ تلخ حقیقتیں ہیں جن سے ٹکرا کر ہر اچھے سے اچھا نظریہ پاش پاش ہوجاتا ہے۔ میں جس منصب پر فائز ہوں، وہاں بیٹھ کر کوئی متعصبانہ بات سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"تم نہ سوچو لیکن دوسروں کو سوچنے سے نہ روکو۔ ہر ایک کو اپنے طور پر سوچنے کی مکمل آزادی ہے۔"

ہلکی سی ہنسی کے بعد اس کی آواز آئی "سوچتے رہو لیکن میرے آدمی سے رابطے میں رہو۔ تم نے مجھے ویرا کے مزاج کے بارے میں آگاہ کرکے اس سے تھوڑا سا بد دل کردیا ہے پھر بھی میری نیک خواہشات اس تک پہنچا دینا۔ وہ ایک بہت بڑے سانحے سے بال بال بچی ہے۔ ایسے معاملات میں عورت کی حیثیت بہت نازک ہوجاتی ہے۔"

میں اس سے گفتگو ختم کرکے واپس ڈرائنگ روم میں پہنچا تو ویرا ایک گلاس سے شفاف سیال کا چھوٹا سا گھونٹ لے رہی تھی۔ فضا میں رچتی ہوئی مانوس بو سے میں نے اندازہ لگالیا کہ اپنے اعصاب کو سہارا دینے کے لیے وہ جن کا گلاس بنا لائی تھی۔ اس وقت اسے الکحل کی شدید ضرورت تھی۔

میں نے ان لوگوں کو اپنی اور جلال کی گفتگو سے آگاہ کیا۔ اس دوران میں ویرا جن اور ٹانک واٹر پر مشتمل گلاس کی بڑی مقدار اپنے معدے میں منتقل کرچکی تھی۔ میری بات مکمل ہوتے ہی اس نے اپنی کہانی چھیڑ دی۔

○☆○

اس وقت تقریباً ساڑھے بارہ بجے کا عمل رہا ہوگا۔ ڈور بیل بجی تو ویرا باتھ روم میں تھی۔

ہمارے چلے جانے کے بعد اس نے گھر کے پہرے پر مامور سپاہی کو بھرپور طریقے سے شکم سیر کرانے کے بعد واپس تھانے بھیج دیا تھا اور گھنٹی کا جواب دینے کے لیے گھر میں غزالہ کے سوا کوئی نہیں تھا۔ وہ فکر مند ہوگئی۔

ہم لوگ اس گھر میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کررہے تھے۔ ہمارے ملاقاتیوں کی فہرست اول خان سے شروع ہوکر اسی کے نام پر ختم ہوجاتی تھی اور وہ عام طور پر فون کرکے ہی ہمارے گھر آتا تھا۔ ویرا کو توقع تھی کہ آنے والا وہ نہیں ہوگا۔ وہ عجلت میں باتھ روم سے نکلی اور کمرے سے باہر آئی تو یہ دیکھ کر اس کے فرشتے کوچ کرگئے کہ غزالہ دو آدمیوں کے ساتھ پورچ سے گھر میں داخل ہورہی تھی۔ اس کی آنکھیں دہشت سے پھٹی ہوئی تھیں اور چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔

غزالہ کے ساتھ آنے والوں میں سے ایک شخص گداگروں جیسے میلے اور خستہ لباس میں تھا۔ اس کے بکھرے ہوئے بالوں اور مدقوق چہرے پر عجیب سی پھٹکار برس رہی تھی۔ دوسرا شخص چھریرے بدن کا مالک اور دراز قامت تھا۔ اپنی خوش روئی اور گوری رنگت کے باوجود وہ مردانہ وجاہت اور کشش سے محروم تھا مگر اس کی چمکتی ہوئی تیز نگاہوں میں سفاکی تیر رہی تھی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ماؤزر موجود تھا۔ جس کی نال غزالہ کی کنپٹی سے لگی ہوئی تھی۔

ویرا نے حلیے اور شکل وشباہت کی بنا پر اس خوش لباس شخص کو پہلی نظر میں پہچان لیا۔ وہ کرشن کمار کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ ویرا کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ صبح سویرے ساہو بھیل کی موت اور دو آدمیوں کی گرفتاری کے بعد وہ یوں دندناتا ہوا ہمارے گھر میں گھس آئے گا۔ وہ راہ داری میں اپنی جگہ جم کر رہ گئی۔

دوسری طرف کرشن نے بھی پہلی نظر میں ویرا کو پہچان لیا اور اس پر نگاہ پڑتے ہی تحیر زدہ آواز میں بولا "اوہ! ویرا لائیڈ! مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم یوں بونس میں ہاتھ آجاؤ گی۔ تم پر مقرر کیا ہوا بیس لاکھ ڈالر کا انعام میری زندگی بدل دے گا۔"

ویرا کو غزالہ کی صلاحیتوں کا اندازہ تھا۔ غزالہ کو اپنے دفاع کا ذرا بھی موقع ملا ہوتا تو وہ ان دونوں کو خاصا زچ کرسکتی تھی۔ صاف نظر آرہا تھا کہ اسے دھوکے سے بے بس کیا گیا

Downloaded from https://paksociety.com

تھا۔ پھاٹک کی کھڑکی کھلتے ہی کرشن اسے گن پوائنٹ پر لے کر اندر آگیا تھا۔ وہ دونوں غزالہ کے ساتھ دھیرے دھیرے آگے بڑھتے رہے اور ویرا الٹے قدموں پیچھے سرکتی رہی۔

اس کا ذہن مفلوک الحال گداگر میں الجھا ہوا تھا۔ وہ بظاہر غیر مسلح تھا اور اپنی وضع قطع سے پیشہ ور نظر آرہا تھا۔

"خیریت چاہتے ہو تو غزالہ کو چھوڑ دو اور فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔" ویرا نے تیز سرگوشیانہ آواز میں کہا "کسی بھی لمحے ہمارے دونوں ساتھی واپس آئیں گے اور تمہارا خون پی جائیں گے!"

"تو ڈارلنگ!" کرشن کمار کے ہونٹوں پر مکارانہ مسکراہٹ پھیل گئی "نریش بھکاری کے روپ میں کئی گھنٹوں سے یہاں جھک نہیں مار رہا تھا۔ اس نے پل پل کی خبر رکھی ہے۔ وہ دونوں تیار ہو کر کسی لمبے سفر پر گئے ہیں۔ ویسے میں خود بھی عجلت میں ہوں۔ تم میرا خوب صورت انعام ہو۔ میں تمہیں لے کر جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں۔"

ویرا مارشل آرٹس میں ماہر تھی۔ پلک جھپکتے میں اپنے پیروں سے کرشن کمار کا جبڑا توڑ سکتی تھی مگر اس وقت وہ مجبور تھی۔ کرشن کمار کے ماؤزر کی نال غزالہ کی کنپٹی پر رکھی ہوئی تھی۔ وقت یا اندازے کی ذرا سی بھی غلطی ہوتی تو غزالہ چشم زدن میں اپنی زندگی سے محروم ہو سکتی تھی۔ ویرا کا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا مگر وہ کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر تھی۔

اسی لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھی اور کرشن کی پیشانی پر پُرتشویش شکنیں ابھر آئیں۔

دوسری گھنٹی بجتے ہی اس نے کسی سانپ کی طرح پھنکارتی ہوئی آواز میں کہا "مختصر ترین بات کر کے فون بند کر دو۔ تم نے کوئی غلط لفظ بولا یا کوئی اشارہ دینے کی کوشش کی تو غزالہ کی کنپٹی میں سوراخ ہو جائے گا.... تمہیں ہر حال میں میرے ساتھ جانا ہے۔"

اس دوران میں تین گھنٹیاں بج چکی تھیں۔ چوتھی گھنٹی شروع ہوتے ہی ویرا نے مجھ سے مختصر بات اور خوف سے فون بند کر دیا۔ اسے ڈر تھا کہ اس کے کسی لفظ پر مشتعل ہو کر وہ سفید نیولا غزالہ کو گولی نہ مار دے۔

ویرا کو اپنے اغوا کے بارے میں زیادہ فکر نہیں تھی۔ نریش نامی بہروپیا نہتا تھا۔ ویرا کو سارا خطرہ صرف کرشن کی طرف سے تھا۔ وہ خود کو بدترین حالات کے لیے تیار کر چکی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ غزالہ کو سفید نیولے کے چنگل سے نجات دلا کر اس کے ساتھ چل دے۔ گھر سے نکلنے کے بعد وہ کسی بھی مرحلے پر موقع پا کر اسے زیر کرنے کی کوشش کر سکتی تھی۔

"غزالہ کو چھوڑ دو!" اس نے آخر کار پھنسی پھنسی آواز میں کہا "میں تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں۔"

کرشن کمار نے ماؤزر کی نال سے ہی غزالہ کو نریش کی طرف دھکیلا۔ اس وقت وہ تینوں ویرا کے کمرے کے کھلے ہوئے دروازے کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ نریش نے اپنے آقا کا اشارہ سمجھ کر غزالہ کی کنپٹی پر ایک زوردار گھونسا رسید کیا اور وہ کراہ کر نریش کے بازو پر سے ہوتی ہوئی ویرا کے کمرے کی چوکھٹ میں جا گری۔

نریش کا مکا اس قدر پنا تلا تھا کہ گرنے کے بعد غزالہ کا جسم ساکت ہو گیا۔

کرشن کمار کی آنکھوں میں حریصانہ چمک عود کر آئی۔ وہ ویرا پر ماؤزر تانے' تیزی سے اس کے قریب پہنچا پھر اس نے بائیں ہاتھ سے ویرا کے نرم بال جکڑ کر ماؤزر کی نال اس کی پسلیوں سے لگا دی۔

وہ دراز قامت تھا۔ اس کی گرسنہ نگاہیں ویرا کے دہشت زدہ چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ اس پر جھکتے ہوئے سرگوشیانہ آواز میں بولا "تم واقعی بے حد حسین ہو.... اس قدر حسین کہ دنیا کے کسی بھی مرد کے لیے ایک خواب اور حسرت بن سکتی ہو۔"

ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ویرا کو اس سفید نیولے سے گھن آرہی تھی۔ وفور جوش میں وہ ویرا سے بہت قریب آگیا تھا۔ ویرا نے اپنی آنکھیں بند کر کے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔ وہ پوری قوت سے اسے دور دھکیل دینا چاہتی تھی مگر مجبور تھی۔ اپنی پسلیوں میں ماؤزر کی بے رحم آہنی نال کی چبھن اسے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دینے کے لیے مجبور کر رہی تھی۔

ٹیلی فون کی گھنٹی آسیبی آواز میں چیختی جا رہی تھی۔ کرشن کمار بے وقوف نہیں تھا لیکن وہ ویرا کو وہاں سے نکال لے جانے سے پہلے اس کے وجود کے لمس کو کچھ بہتر انداز میں محسوس کرنے کے شیطانی جذبے سے مغلوب ہو گیا تھا۔ اسے فون کی گھنٹی کی کرخت آواز کی مداخلت سخت ناگوار گزری۔ اس نے جھلائے ہوئے انداز میں جھک کر دیکھا' ویرا کو اپنی پسلیوں پر سے ماؤزر کی نال کا دباؤ ختم ہونے کا خوشگوار احساس ہوا تو اس نے اچانک آنکھیں کھول دیں۔

ویرا کے بال بدستور کرشن کمار کی بائیں مٹھی میں جکڑے ہوئے تھے اور وہ فون کے پیچھے جھک کر ٹیلی فون کے تار نوچنے میں مصروف تھا۔ ٹیلی فون کی گھنٹیوں کا سلسلہ

Downloaded from https://paksociety.com

موقوف ہوچکا تھا مگر کرشن کمار کی بدقسمتی کا گجر بج اٹھا تھا۔

ویرا کا داہنا گھٹنا پوری قوت سے اٹھا اور ایسی جگہ پڑا کہ کرشن کمار چیخ مار کر فرش سے کئی انچ اوپر اچھل گیا۔ اپنے جسم کے مضروب حصے کو بچانے کی ناکام غیر ارادی کوشش میں اس کے دونوں ہاتھ حرکت میں آئے جس کے نتیجے میں ماؤزر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فون کے نیچے ہوئے تاروں پر جا گرا' ویرا کے بال بھی اس کی وحشیانہ گرفت سے آزاد ہوگئے۔

مکمل آزادی میسر آتے ہی ویرا کے وجود میں بجلی سی سرایت کرگئی۔ اس نے سفید نیولے کے جبڑے پر کھڑی ہتھیلی کا زوردار وار کیا۔ وہ اچھل کر کئی فٹ دور جا گرا۔ ویرا نے اس پر جست لگائی تو وہ قالین پر لوٹ کر الگ ہوگیا۔ اس بار ویرا خود اپنے وار کا شکار ہوگئی۔ اس کی بائیں کہنی کرشن کمار کے گداز سینے کے بجائے فرشی قالین پر پڑی تھی جس کے نیچے کنکریٹ کا سخت فرش تھا۔

وہ ویرا کے لیے زندگی اور موت کا جاں گسل معرکہ تھا۔ اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں بھینچ کر بہت مشکل سے اپنی بے ساختہ چیخ ضبط کی اور اچھل کر فرشی قالین سے کھڑی ہوگئی۔

کرشن کمار بھی قالین پر ایک لمبی لوٹ لگا کر اپنے قدموں پر کھڑا ہوچکا تھا لیکن ماؤزر اس کی دسترس سے بہت دور تھا۔ ویرا اس کے اور ماؤزر کے درمیان ایک للکارتی ہوئی دیوار بنی ہوئی تھی۔

اس کے سامنے دو ہی راستے تھے۔ آگے بڑھ کر ویرا سے بھڑ جاتا یا پھر پلٹ کر کھلے ہوئے دروازے سے نکل بھاگتا۔

حالات کا رخ بگڑتا دیکھ کر نریش کے اوسان خطا ہوچکے تھے۔ وہ کہیں بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ شاید وہ پہلے ہی دروازے سے باہر فرار ہوچکا تھا۔

وہ دونوں بس چند ثانیوں تک ایک دوسرے سے کئی فٹ کے فاصلے پر کھڑے رہے۔ ویرا اسے نفرت اور حقارت سے گھور رہی تھی۔ وہ بوکھلائی ہوئی نظروں سے آس پاس ایسی کوئی چیز تلاش کررہا تھا جسے ویرا کے خلاف موثر ہتھیار کے طور پر استعمال کرسکے۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ ٹانگوں کے درمیان دیے ہوئے تھے۔ اس کے بشرے سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ سخت اذیت میں مبتلا تھا۔

اس کے قدم اکھڑ چکے تھے۔ ویرا اسے سنبھلنے کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس کی بائیں کہنی میں درد کی شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں پھر بھی اس نے اپنی جگہ چھوڑ کر پیش قدمی کی۔ اس نے اپنے بگڑے ہوئے تیوروں میں کوئی نرمی نہیں آنے دی تھی۔ اس وقت تک سفید نیولے کو اچھی طرح اندازہ ہوچکا تھا کہ ویرا کا حسین و نازک سراپا حسرتوں کے ساتھ صرف خواب میں دیکھنے کے لیے تھا۔ اس جیسے بدطینت مرد اسے چھو کر اس کے قہر اور عتاب سے نہیں بچ سکتے تھے۔

وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں پلٹ کر دروازے کی طرف بھاگا اور پھر بھاگتا ہی چلا گیا۔

ویرا گھر کے دروازے تک پہنچی تو باہر سے کسی کار کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور تیزی کے ساتھ دور ہوتی چلی گئی۔

پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ ویرا میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ باہر جاکر اسے بند کرتی' اس نے گھر کا دروازہ بند کرکے اوپر اور نیچے کے بولٹ لگائے' واپس آئی اور بے ہوش غزالہ کے سینے پر گر کر بے ساختہ رو پڑی۔

کرشن کمار کے فرار کے چند منٹ بعد پولیس پارٹی گھر کے دروازے پر موجود تھی۔

○☆○

وہ شخص جو ہر خطرے کو بالائے طاق رکھ کر بہت دیدہ دلیری سے ہمارے گھر میں گھسا تھا' ویرا کی حاضر دماغی اور حوصلہ مندی کے سبب' منہ کی کھا کر فرار ہوا تھا۔

ویرا اپنی چوٹ کی تکلیف پر غالب آچکی تھی مگر ہم تینوں نے اس کی بائیں کہنی کا جائزہ لیا۔ کہنی پر ہلکا سا ورم تھا اور ویرا وقت سے اسے ہلا پا رہی تھی۔ سب کی متفقہ رائے تھی کہ کہنی کی پیچیدہ ہڈیاں کسی توڑ پھوڑ کا شکار نہیں ہوئی تھیں۔ بے طرح ضرب آنے سے کوئی جوڑ ہل گیا تھا جو کریپ بینڈیج کے استعمال اور قدرے آرام کے بعد معمول پر آسکتا تھا۔

اس وقت غزالہ بھی ہوش میں آچکی تھی۔ اس کو بھی کنپٹی پر گہری چوٹ لگی تھی اور ہوش میں آنے کے باوجود اسے چکر آرہے تھے۔ کسی لمبے بکھیڑے میں پڑنے کے بجائے اسے مسکن دوا دے کر اپنی خواب گاہ میں دوبارہ سلا دیا گیا۔ توقع تھی کہ طویل اور گہری نیند کے بعد' چوٹ میں درد کے سوا اس کی دوسری شکایات دور ہوجائیں گی۔ اس طرح وہ پورا قصہ خود ساختہ گھریلو علاج سے نمٹ گیا تھا۔

کرشن کمار' ویرا کے ساتھ کوئی بڑی بے ہودگی کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا مگر اس کے سلوک کی وجہ سے ویرا

Downloaded from https://paksociety.com

توہین کے احساس میں مبتلا تھی اور آرام کرنے کے بجائے اس کے خلاف منصوبہ بندی میں سرگرم حصہ لینے پر مصر تھی۔ اس نے ہم تینوں کے سامنے اعتراف کیا کہ مغربی معاشرت کی عادی ہونے کی وجہ سے وہ مردوں سے آزادانہ میل جول کی عادی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں کسی مرد کے جسم یا ہاتھوں کے لمس سے اتنی کراہت محسوس نہیں کی تھی جو سفید نیولے کے ساتھ تجربے میں آئی تھی۔

اس کے جسم کا ہر حصہ سرد، لجلجا اور ایسا چپچپاہٹ آمیز تھا کہ جسم پر سمندری کچھوؤں کے رینگنے کا گھناؤنا احساس ہو رہا تھا۔ ویرا نے اپنی کھڑی ہتھیلی کا وار کرکے اس کا جبڑا توڑ ہی دیا تھا' اس کے ہاتھ توڑ کر وہ اپنا انتقام مکمل کرنا چاہتی تھی۔ سفید نیولے کی سیدھی سادی موت اس کا غصہ سرد نہیں کر سکتی تھی۔

"یہ نہ سمجھنا کہ اسے تم نے زیر کیا ہے۔" جن کے زیر اثر ویرا کا موڈ بحال ہونے کے کافی دیر بعد سلطان شاہ نے پہلی چٹکی لی "سفید نیولے کو تم سے دور رکھنے میں ہم دونوں نے پوری طرح حصہ لیا ہے۔"

"اگر تم دونوں کہیں کوئی منتر پڑھ رہے تھے تو میں ایسی خرافات کی قائل نہیں ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ کسی مرد کی موجودگی کے بغیر میں نے کامیابی سے اپنا اور غزالہ کا دفاع کرلیا۔ میں خود کو اس کے سپرد کرنے پر آمادہ نہ ہوتی تو وہ شاید غزالہ کو گولی ہی مار دیتا۔ وہ بہت سرد اور منتقم مزاج نظر آرہا تھا۔"

"دشمن ایک دوسرے کے لیے ایسے ہی ہوتے ہیں۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا "ہم منتر نہیں پڑھ رہے تھے' مسلسل گھر کا فون ملائے بیٹھے تھے ہماری بجائی جانے والی گھنٹیوں سے مشتعل ہو کر وہ ذرا سا غافل ہوا اور تمہیں موقع مل گیا۔"

"مسلسل فون ملانا بے سود تھا۔ دوسری بار چھ سات گھنٹیوں کے بعد ہی اس نے تار نوچ دیے تھے۔"

"وہ بھی میرا ہی فون تھا۔ ڈیتی کا حکم تھا کہ نمبر ملایا جائے۔ چھ گھنٹیوں کے بعد لائن ڈراپ ہوگئی تھی۔ شاید اس کی کھینچا تانی میں تاروں کے سرے شارٹ ہوئے تھے۔ ہمیں یہاں ہونے والے واقعات کا علم نہیں تھا اس لیے بعد میں مسلسل نمبر ملائے بیٹھے رہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ گھر سے دور رہ کر بھی تم دونوں نے غیر ارادی طور پر ویرا کی بہت مدد کی ہے۔" اول خان نے سلطان شاہ کی تائید کی "بار بار کوشش کرنے کے بعد میں حیران تھا کہ تم کس سے اتنی لمبی بات کر رہے ہو۔"

"وہ فون میرے لیے نجات کا پیغام ثابت ہوا تھا۔" ویرا نے کھلے دل سے اقرار کیا "تذلیل اور پھر اس کے ہاتھوں اغوا کا تصور ہی میرے لیے سوہان روح تھا پھر بھی میں ذہنی طور پر اس سانحے کے لیے تیار ہو چکی تھی۔"

"کچھوؤں کی بہار آجاتی۔" سلطان شاہ بے ساختہ بول اٹھا "ہر طرف کچھوے ہی کچھوے رینگ رہے ہوتے۔"

"ہر وقت کی شوخی اچھی نہیں ہوتی۔" میں نے سلطان شاہ کو گھور کر تنبیہہ کی "اور کچھ نہیں تو ویرا کی مجروح کہنی کا ہی خیال کرلو۔ وہ تمہیں مناسب سبق دینے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔"

"سفید نیولا!" سلطان شاہ نے ہنس کر کہا "پتا نہیں' ویرا نے اسے یہ انوکھا نام کیوں دیا ہے۔"

"تم بھی اسے دیکھو گے تو بے اختیار یہی کہہ اٹھو گے ....." ٹیلی فون بجنے لگا تھا ویرا کی بات ادھوری رہ گئی۔

اس وقت اول خان کال کا منتظر تھا۔ اس نے بٹن دبا کر اسپیکر فون ہی آن کردیا۔

دوسری طرف سے اس کا شناسا پولیس افسر بتا رہا تھا کہ موہن اینڈ موہن پرائیویٹ لمیٹڈ کے بارے میں تصدیق ہوگئی تھی۔ حیدر آباد اور اس کے مضافات میں مختلف منصوبوں پر مامور غیر ملکیوں کو شراب کی فراہمی کے لیے ان کا ایک دفتر قائم تھا جہاں کا عملہ صرف دو نفوس پر مشتمل تھا۔ منیجر اور اس کے مددگار کے سوا وہاں تیسرے آدمی کی ضرورت نہیں تھی۔

کار کا رجسٹریشن فرم کے نام پر تھا مگر وہ گاڑی باضابطہ طور پر منیجر کے استعمال میں تھی۔ منیجر کا نام ہری چند تھا۔ اگر ہری چند اپنے مالکان کی ہدایات پر عمل کر رہا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ وہ خود بھی کرشن کمار کا مددگار تھا ورنہ اس کی گاڑی حیدر آباد سے کراچی نہ لائی گئی ہوتی۔ پولیس افسر کا خیال تھا کہ ہری چند کو اعانت جرم کے الزام میں فوری طور پر حراست میں لے لیا جائے۔

"ابھی اسے چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔" میرے اشارے پر اول خان کو جلال کا مشورہ یاد آگیا۔ "اسے چھیڑا تو اصل مجرم ہوشیار ہو جائیں گے۔ ہمیں اپنے کام کی ابتدا کراچی سے کرنی ہوگی۔"

"کراچی میں ہر قسم کا تعاون ملے گا۔ فوری طور پر تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟"

"ابھی میں اپنے طور پر دیکھوں گا کہ موہن اینڈ موہن

Downloaded from https://paksociety.com

والے کیا کر رہے ہیں۔ بعد میں تمہیں کچھ بتاؤں گا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حیدر آباد میں کل کتنے غیر ملکی ہوں گے جن کے لیے انہوں نے دو افراد کو تنخواہ اور کار دے کر وہاں رکھا ہوا ہے۔ حیدر آباد میں کام کرنے والے بھی کراچی کو ترجیح دیتے ہیں۔ صبح شام کی آمد و رفت کے مقابلے میں انہیں حیدر آباد کے ہوٹلوں کی ناقص رہائشی سہولتیں زیادہ گراں گزرتی ہیں۔ یہ کوئی اور ہی چکر معلوم ہوتا ہے۔"

میرا بھی یہی خیال ہے۔ اول خان اس کی رائے سے متفق تھا۔ "ہر جرم کے لیے کسی نہ کسی آڑ کی ضرورت ہوتی ہے۔" انہوں نے اپنا دفتر کھولا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے اسے کراچی اور تھر کے درمیان محض ایک رابطے کے لیے استعمال کیا جاتا ہو۔"

"یہ چکر کیا ہے؟ گلشن اقبال سے پکڑے جانے والے دونوں بھیلوں نے اپنی بے شمار چوریوں کے ساتھ کسی کرشن کمار کا بھی ذکر کیا ہے جس نے انہیں حیدر آباد سے کراچی بھیجا تھا۔ وہ کون بندہ ہے؟"

"وہی سارے فساد کی جڑ ہے۔ ہم اس تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ ہاتھ آئے تو معلوم ہو کہ وہ کیا چاہتا ہے۔" اول خان نے گول مول سا جواب دے کر اسے ٹال دیا۔

ان دونوں کے مراسم میں بہت زیادہ گرم جوشی یا گہرائی نہیں تھی لیکن ان کے تعلقات پرانے محسوس ہوتے تھے۔ وہ مزید کچھ باتیں کرتے رہے پھر اول خان نے اس کا شکریہ ادا کر کے فون بند کر دیا۔

"اب بات ہر شک و شبے سے بالا ہو گئی۔" میں نے اول خان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "تمہارے کیا ارادے ہیں؟"

"نیپئر روڈ پر ان کا دفتر اور گودام ہے۔ وہ اس وقت بھی کھلا ہوا ہو گا۔ کچھ نفری لے کر ادھر ہی چلتے ہیں۔"

"وہاں کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ میرا خیال ہے کہ شام ہو لینے دو۔ پرائیویٹ لیمٹڈ ادارے عام طور پر فیملی بزنس کے طور پر چلائے جاتے ہیں۔ اس کے مالکان کہیں ایک ہی جگہ رہتے ہوں گے۔ شام ڈھلے وہاں کا گھیراؤ کیا جائے۔"

"تمہاری تجویز زیادہ مناسب ہے۔" ویرا نے کہا "اندھیرا ہونے کے بعد میں بھی تمہارے ساتھ چل سکوں گی۔ اندر نہیں جاؤں گی۔ باہر ہی کسی گاڑی میں بیٹھی رہوں گی۔ جب تک کہنی ٹھیک نہیں ہو جاتی۔ میں زیادہ کام نہیں کر سکتی۔"

"کم اور زیادہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم گھر پر آرام کرو گی۔" میں نے کہا "سلطان شاہ تمہارے ساتھ رہے گا۔ ابھی چند روز تک تمہیں اور غزالہ کو خاصی احتیاط اور دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔"

"میں بھی گھر پر رہوں گا؟" سلطان شاہ کا منہ لٹک گیا "اس کی کیا ضرورت ہے۔ وہ دوسری بار جس ہزیمت سے دوچار ہوا ہے' اس کے بعد تیسری مرتبہ ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔"

"ہر بات میں بحث نہیں کیا کرتے۔" اول خان نے اسے سمجھایا "جب تک ہم کرشن کمار کا قضیہ ختم نہیں کر لیتے' ہمیں محتاط رہنا ہو گا۔"

سلطان شاہ منہ پھلا کر وہاں سے اٹھ گیا۔ اسے توقع رہی ہو گی کہ ہم میں سے کوئی اسے روکنے کی کوشش کرے گا مگر سب خاموش رہے۔ ویرا کے ہونٹوں پر شوخ سی مسکراہٹ تیر رہی تھی۔ سلطان شاہ کو بے بس یا برہم دیکھ کر وہ ہمیشہ خوش نظر آتی تھی۔

موہن اینڈ موہن پرائیویٹ لیمٹڈ اور اس کے مالکان کے بارے میں تھوڑی دیر میں کافی مواد مہیا ہو چکا تھا۔

اس کمپنی کے اصل مالکان دو بھائی تھے جنہوں نے قانونی تقاضے پورے کرنے کے لیے اپنے تین بیٹوں کو فرم میں ڈائریکٹر بنایا ہوا تھا مگر ان تینوں میں سے کوئی بھی کمپنی کے معاملات میں دلچسپی نہیں لیتا تھا۔ اصل کاروبار جگدیش موہن اور روی موہن چلاتے تھے۔ تینوں لڑکے اپنے بڑوں کے کنٹرول سے دور اور آزاد رہنے کے لیے میرپور خاص کی آبائی حویلی میں رہتے تھے۔ جگدیش اور روی اولڈ کلفٹن کے علاقے میں وسیع رقبے میں بنے ہوئے موہن ہاؤس میں رہتے تھے۔ جگدیش بڑا تھا اور وہی فرم کا منیجنگ ڈائریکٹر تھا۔

ان دونوں بھائیوں سے ملاقات کے لیے ہمارا ایجنڈا بہت وسیع تھا۔ وہ کاروبار میں کیا ہیر پھیر کر رہے تھے' اس سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ہمیں ان کے ذریعے کرشن کمار اور اس کے رابطوں کا سراغ نکالنا تھا۔

شام کو سات بجے واپسی کا وعدہ کر کے اول خان چلا گیا کیونکہ اسے اپنے کچھ دفتری امور نمٹانے تھے۔

ادھر غزالہ اور ویرا کے مجروح ہو جانے کے باعث ہمارے گھر کے معمولات میں اچانک ہی تعطل آ گیا تھا۔ تین بجے سلطان شاہ احتجاج کرتا ہوا اپنے کمرے سے باہر آیا۔ بھوک کی شدت نے اس کی ناراضی کو خاموشی سے نگل لیا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

قہر درویش بر جانِ درویش کے مصداق چاروں کی شکم پری کے بندوبست کے لیے سلطان شاہ کو ہی بازار جانا پڑا۔ ہمارے آس پاس کا علاقہ ایسی ہنگامی ضروریات کے بارے میں بہت زرخیز تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں سلطان شاہ گرم گرم اور اشتہا انگیز کھانوں کے ڈبے لے کر آموجود ہوا۔ غزالہ دوا کے زیر اثر گہری نیند میں سو رہی تھی۔ اس کا حصہ الگ کرکے ہم کھانے میں مصروف ہوگئے۔

شکم سیر ہونے کے بعد سلطان شاہ قیلولے کے لیے دوبارہ اپنے کمرے میں جاگھسا' ویرا اپنے ڈرائنگ روم میں آگئی۔ اس کے معدے میں الکحل کی خاصی مقدار پر غذا اتر جانے کے بعد اس کا سرور کچھ گہرا ہوگیا تھا۔

کچھ دیر تک خاموشی سے سگریٹ نوشی میں مصروف رہنے کے بعد اس نے مجھے مخاطب کیا اور کہا "تمہیں اس سفید نیولے کے خلاف اپنے دل میں کوئی ذاتی بغض وعناد محسوس ہورہا ہے؟"

"اس سے میری کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے پھر بھی میں اس کے لہو کا پیاسا ہوں۔"

"اس نے میرے ساتھ جو دست درازی کی' اس پر تمہیں کوئی غصہ نہیں ہے؟" اس نے شکوہ کیا۔

"اگر تم نے جھوٹ نہیں بولا تو تم نے اس کے خلاف بہت کامیاب مزاحمت کی تھی۔" میں نے اسے یاد دلایا "اب اس کے دن گنے جاچکے ہیں پھر بھی وہ جب تک زندہ رہے گا' یہ نہیں بھول سکے گا کہ اپنے وقت کی ایک حسین ترین لڑکی سے تھوڑی سی چھیڑ چھاڑ کے جذبے سے مغلوب ہوکر اس نے اپنی ایک شاندار کامیابی کو بدترین ناکامی میں تبدیل کرلیا۔"

اس کے چہرے پر سرخی سی آگئی "کیا تم یہ بات پورے خلوص سے کہہ رہے ہو؟"

"اس میں کیا شبہ ہے؟" میں نے پورے اعتماد سے کہا "اگر وہ غزالہ کو بے ہوش کرنے کے بعد فوراً ہی تمہیں لے کر گھر سے روانہ ہوجاتا تو حالات ہی کچھ اور ہوتے مگر اس کی شامت آچکی تھی۔ وہ بہک گیا۔"

"اس پر لعنت بھیجو!" میرے جواب پر ویرا جھلا گئی "میں اس کے نہیں' اپنے بارے میں پوچھ رہی تھی۔"

"کیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا "تمہارا کیا ذکر ہورہا تھا؟"

"کیا تم پوری ایمان داری سے مجھے اپنے وقت کی حسین ترین لڑکی سمجھتے ہو؟" اس کا لہجہ جذباتی ہورہا تھا۔

میں سٹپٹا کر رہ گیا "دریں چہ شک... دریں چہ شک۔ تمہاری خوب صورتی سے کوئی کور چشم ہی انکار کرسکتا ہے۔"

"خوب صورتی اور اپنے وقت کی حسین ترین لڑکی میں بہت فرق ہے۔" اس نے اٹھلا کر کہا۔

"شاید تمہیں حسین ترین ہی کہنا زیادہ مناسب ہے۔ میں نے غزالہ سے شادی نہ کرلی ہوتی تو یقیناً آج تمہارا ہی اسیر ہوتا۔ تمہاری سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ میں نے تمہیں تمہاری خامیوں سمیت ہمیشہ پسند کیا ہے۔"

اس نے ایک گہرا سانس لے کر بے ساختہ اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیوں کے سرے چومے اور وہ ہاتھ فضا میں میری طرف اچھال دیا پھر رک رک کر بولی "اس سے شدید ترین نفرت کے باوجود میں سفید نیولے کی احسان مند ہوں۔"

"ہائیں... تو وہ جاتے جاتے تم پر کوئی احسان بھی کرگیا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"اس کی وجہ سے آج مجھے دو بیحد خوشیاں نصیب ہوئی ہیں۔" اس نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر کہا۔

"ایک تو یہی ہوسکتی ہے کہ میں نے تمہیں اپنے وقت کی حسین ترین دوشیزہ کا خطاب دے دیا۔ اپنی دوسری خوشی پر تم خود ہی کچھ روشنی ڈال سکتی ہو۔"

"وہ دوسری نہیں' میری پہلی خوشی تھی۔ تم نے گھر واپس آتے ہی جس والہانہ انداز میں اور اپنائیت سے مجھے اپنی بانہوں میں لیا' میرا دماغ اپنی اذیت کو بھول کر آسمانوں میں پرواز کرنے لگا تھا۔ تمہارے ساتھ ایک مدت گزارنے کے بعد مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ تم مجھے غزالہ کے ساتھ ساتھ کتنا عزیز رکھتے ہو۔"

"غزالہ کے سامنے یہ سب نہ کہہ دینا۔" میں نے بوکھلا کر اس کی بات کاٹ دی "اس وقت جو کچھ ہوا' بے ساختگی میں ہوگیا۔"

"انسان بہت دوغلا اور منافق ہے ڈیبی!" اس نے ناخنوں میں دیکھتے ہوئے کہا "محبت اور چاہت کے اظہار میں لیے دیے رہتا ہے۔ جو سوچ رہا ہوتا ہے اسے زبان پر نہیں لاتا اور جو کہہ رہا ہوتا ہے' وہ اس کے من میں نہیں ہوتا۔ یہ بے ساختگی ہوتی ہے جو اچانک اندر کے آدمی کو اور اس کی سوچ کو باہر لا کھڑا کرتی ہے۔ وہ ہوش میں آتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ بھرے بازار میں اس کے کپڑے اتر گئے ہیں۔ کم از کم تم تو ایسا نہیں کرو۔ یقین کرو کہ میں تمہیں اپنی زندگی کا عظیم ترین مرد سمجھتی ہوں۔"

"تم سب کچھ جانتی ہو اور سمجھتی ہو تو وہی سب میری

Downloaded from https://paksociety.com

زبان سے کیوں سننا چاہتی ہو؟"

"ہر عورت کا ایک پندار ہوتا ہے' مان ہوتا ہے۔ اس کی سوچ اور سمجھ اپنی جگہ ہوتی ہے لیکن کسی کے کیے ہوئے پیار اور تحسین کے چند بول اسے اپنی سوچ سے بھی بہت آگے ایک ایسی جنت میں لے جاتے ہیں جس کا تصور ہی محال ہے۔ آج میں سفید نیولے سے جس قدر برہم ہوں' اسی قدر اس کی احسان مند بھی ہوں کہ اس کی وجہ سے آج میرے ڈینی نے مجھے اپنا دل چیر کر دکھادیا۔"

میں نے پُرتشویش نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ جذبات سے مغلوب ہوتی چلی جارہی تھی۔ غزالہ بے خبر سو رہی تھی' سلطان شاہ قیلولہ فرمارہا تھا۔ میں نے فوراً ہی سوال کر ڈالا "تم بار بار اسے سفید نیولا کیوں کہہ رہی ہو؟"

وہ ہنسی پھر بولی "میں اس سوال کا جواب پہلے بھی دے چکی ہوں مگر وہ صحیح نہیں تھا۔"

"اب میں صحیح جواب سننا چاہتا ہوں۔" میں اس کی سوچ کا دھارا موڑنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

"چھوڑو' سن کر کیا کرو گے۔ بلاوجہ مجھے خفت ہوگی۔ وہ واقعی پکا نیولا ہے۔"

"میں تمہارا دوست ہی نہیں' پوپ بھی ہوں۔ میرے سامنے تم بہت سے اعترافات کرچکی ہو۔ کچھ نہیں بتاؤ گی تو میرا ذہن دور دور تک بھٹکتا رہے گا۔ ایسا روّیہ بدگمانیوں کو جنم دیتا ہے۔"

وہ کچھ سوچتے ہوئے خفّت آمیز انداز میں ہنسی اور پھر بولی "وہ جب میرا منہ چوم لینے کی کوشش میں اپنا پورا زور صرف کرکے میرے اوپر ٹوٹا پڑ رہا تھا تو ہوا میں ایسے برے برے منہ بنا رہا تھا کہ میرے ذہن میں بے ساختہ ایسے نیولے کا خیال در آیا جو کسی سانپ کا پھن پکڑنے کے لیے کوشاں ہو۔ پھر مقامی معیار سے اس کا رنگ گورا ہے اس لیے سفید نیولا میرے ذہن سے چپک کر رہ گیا ہے۔"

میں ہنسی میں اس کے ساتھ شریک ہوگیا پھر اسے مصروف رکھنے کے لیے چائے کی فرمائش کر ڈالی۔

"اب یہ سوانگ چھوڑ دو۔ شام ہورہی ہے۔ کہو تو اسکاچ کے پیگ بنالاؤں۔"

میں نے ملامت آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور کہا "میں اداکاری نہیں کررہا۔ تم کو یقین کیوں نہیں آتا کہ مجھے شراب چھوڑے ہوئے کافی دن ہوچکے ہیں۔ اب میں عمر بھر اسے ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔"

"مجھ سے بیزار ہوگئے ہو تو میں چولہا جھونکنے جارہی ہوں۔" وہ تنک کر اٹھ گئی۔

میں صوفے پر پاؤں پھیلا کر نیم دراز ہوگیا۔ آئی بی والوں کا ایریئس میرے قریب موجود تھا۔ میں نے اسے آن کیا ہوا تھا مگر جلال کے آدمی کے ون سے رابطہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ مجھے توقع تھی کہ اسے کرشن کے بارے میں کوئی خبر ملی تو وہ جلال کی ہدایت کے مطابق فوراً ہی مجھ کو مطلع کرنے کی کوشش کرے گا۔

چائے نوشی کے دوران میں مجھے خیال آیا کہ جلال نے کرشن کے سلسلے میں موہن اینڈ موہن کی نشان دہی کی تھی تو اس نے اپنے آدمیوں کو بھی ان کے ٹھکانوں پر نظر رکھنے کے لیے کہا ہوگا۔ کے ون کی خاموشی سے ظاہر ہورہا تھا کہ انہیں موہن اینڈ موہن پرائیویٹ لیمٹڈ کی نگرانی سے کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوسکا تھا۔

شام ڈھلے ہمارا ادھر جانے کا پروگرام تھا۔ میں نے سوچا کہ اس سے پہلے ایک بار کے ون کو ٹٹول لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

میں نے ہارٹی کے نام سے اس کے لیے پہلا پیغام ہی نشر کیا تھا کہ اس کی طرف سے فوراً جواب آگیا۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ اس کے آدمی اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود کرشن کا کوئی سراغ نہیں لگا سکے تھے۔

جلال نے اسے بتادیا تھا کہ کرشن نے چند گھنٹے قبل ہمارے گھر میں گھس کر ایک عورت کو اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ کے ون شرمندہ تھا کہ کرشن کے شہر میں موجود ہونے کے باوجود اس کے آدمی دشمن تک پہنچنے میں ناکام رہے تھے۔

موہن اینڈ موہن کے بارے میں اس نے کوئی ذکر کیا' نہ میں نے کوئی خاص سوال کیا۔ گفتگو کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔

"اس بار آئی بی والے کچھ سہمے معلوم ہورہے ہیں۔" ویرا نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔

"وہ سہمے نہیں ہیں۔ کرشن کمار تمہارے ہاتھوں مار کھانے کے بعد زیادہ محتاط ہوگیا ہے۔ وہ کہیں محصور ہو کر بیٹھ جائے تو ڈھونڈنے والے اسے کہاں ڈھونڈیں گے۔"

سلطان شاہ کا قیلولہ ختم ہوچکا تھا۔ وہ بھی ہمارے ساتھ چائے نوشی میں شریک ہوگیا۔ اس وقت تک غزالہ بدستور گہری نیند سو رہی تھی اور میں نے ویرا کو اسے بیدار کرنے سے روک دیا تھا۔

تقریباً چھ بجے اچانک ہی جہانگیر کا فون آگیا۔ اس سے طویل عرصے سے میرا رابطہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اس کی آواز سن کر مجھے خوشی ہوئی اور وہ بھی میری جوابی آواز سن کر چہکنے لگا "اتنے دن سے کہاں غائب ہو؟ میں کئی بار فون کرچکا ہوں۔ گھنٹیاں بجتی رہتی ہیں مگر کوئی جواب نہیں ملتا۔ تم بالکل

Downloaded from https://paksociety.com

خیریت سے ہونا؟" وہ ایک ہی سانس میں کہتا چلا گیا۔

اس سے اسپیکر فون پر بات کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ وہ کسی بھی لمحے بہک کر کوئی بونگی بات کہہ سکتا تھا۔ میں نے جلدی سے ریسیور اٹھا کر اسپیکر فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔ وہ شاید ان پچھلے دنوں کی بات کررہا تھا جب ہم مائیکرو سینٹر میں الجھے ہوئے تھے اور پھر سلطان شاہ کی تلاش میں میرپور خاص کی طرف نکل گئے تھے۔

"خیریت ہے۔ ہم ذرا دو چار دن کے لیے شہر سے باہر چلے گئے تھے۔" میں نے بات شروع کی تھی مگر اس نے درمیان ہی سے سلسلہ منقطع کردیا۔

"یہ بتاؤ کہ آج کل تمہاری ویرا بیگم کے کیا حال چال ہیں۔ تم دونوں خوب پی پلا رہے ہوگے!" اسے ہم سب سے زیادہ ویرا کی فکر تھی۔ اس کے وہی فقرے اسپیکر فون پر نشر ہوتے تو میں ویرا کے سامنے شرمندہ ہو کر رہ جاتا۔

"سب کا مطلب سب ہی ہوتا ہے۔" میں نے ویرا کا نام لیے بغیر کہا "اس وقت میں ویرا اور سلطان شاہ کے ساتھ چائے پی رہا ہوں۔" میں نے باتوں باتوں میں اسے اپنی مجبوری سے آگاہ کردیا۔

"تم چائے کب سے پینے لگے؟ تمہیں تو ہر وقت خبیثوں کی اماں جان کی طلب رہتی تھی۔"

"تم بھول رہے ہو۔ مجھے شراب چھوڑے ایک مدت ہو چکی ہے۔" میں نے کہا۔

"سلمٰی خانم کی فرمائش پر میں بھی کئی بار چھوڑ چکا ہوں۔" اس نے مجھے آگاہ کیا "اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑنا بہت مشکل کام ہے۔"

"میں یہ کام کرچکا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری چماری کا کیا حال ہے؟" میں نے طنز سے پوچھا۔

"سلمٰی کے بارے میں پوچھ رہے ہو یا بنجارن کے بارے میں؟" اس کے نزدیک سلمٰی چماری کہلانے کی مستحق تھی۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں سلمٰی کی بہت عزت کرتا ہوں۔ اسے چماری کیسے کہہ سکتا ہوں؟"

"زیادہ عزت اسے راس نہیں آتی۔" جہانگیر کی آواز تلخ ہوگئی "کئی دن سے اس کی ناز برداریاں کررہا تھا۔ آج زیادہ لاڈ میں آکر اس نے میری نئی بوتل کموڈ میں بہادی۔ میں نے بھی اس کی ایسی عزت افزائی کی ہے کہ اب کمرے میں پڑی ٹسوے بہا رہی ہوگی۔"

"تم بہت واہیات آدمی ہو۔ شریف آدمی اپنی بیویوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے۔"

"اسے بھی سمجھاؤ کہ شریف بیویاں اپنے شوہروں کی شراب نالی میں نہیں بہاتیں۔"

"تم دونوں کے یہ جھگڑے عمر بھر چلتے رہیں گے۔ اور پھر ایک روز وہ ہمیشہ کے لیے اپنے میکے جا کر بیٹھ جائے گی۔"

"بس اس کی اسی دھمکی سے ڈر لگتا ہے۔ وہ جاتی ہے تو مہینوں سے پہلے واپس نہیں آتی۔"

"اس سے بیزار ہو تو اس کے بھاگ جانے سے کیوں ڈرتے ہو؟ اچھا ہے کہ ایک ہی دفعہ پاپ کٹ جائے۔"

"وہ چلی جائے گی تو پھر میں دھوتس کس پر جماؤں گا۔ میں نے اس سے اپنی خدمت کرانے کے لیے شادی کی تھی' میکے میں اس کے بھائیوں کے پاس چھوڑنے کے لیے نہیں۔ اب تو انہوں نے میرے بیٹے پر بھی قبضہ کرلیا ہے۔"

"بیٹے کو حفاظت کے خیال سے تم نے خود ہی ان کے پاس بھیجا تھا۔ اب انہیں الزام نہ دو۔"

"اس وقت وہ چھوٹا تھا۔ بے وقت کی کائیں کائیں سے پریشان کرتا رہتا تھا۔ اسے بھیج کر میں مہینوں کے بعد سکھ کی نیند سویا تھا مگر اب وہ بڑا ہو چکا ہے۔ اسے ہمارے پاس لوٹ آنا چاہیے۔"

"واہ بیٹا! وہ کیا تمہارے غلام تھے جو تمہارے شیر خوار کو پالتے رہتے۔ تم بہت خود غرض آدمی ہو۔"

"میں تو پہلے سے ایسا ہی تھا۔" اس نے ڈھٹائی سے جواب دیا "انہیں دیکھ بھال کر شادی کرنی چاہیے تھی۔"

"تم نے ابھی تک اپنی چماری یا بنجارن کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"چھوڑو یار' وہ سالی بھی صورت حرام نکلی!" اس کی آواز سے بے کیفی مترشح تھی "یہ گھر گھریا نگر نگر پھرنے والیاں بھروسے کے قابل نہیں ہوتیں۔ ذرا دل میں جگہ بنائی اور حیلوں بہانوں سے مال اینٹھنا شروع کردیا۔ الّو کی پٹھی سے صرف بدن دبواتا تھا یا سلمٰی کی نظر بچا کر دل لگی کرلیتا تھا۔ ایک دن کھڑی ہوگئی کہ میری وجہ سے اسے پیٹ ہوگیا ہے۔"

"بعض لوگ اتنے ہی زرخیز ہوتے ہیں کہ بیوی کے پلنگ کے قریب سے گزر جائیں تو صاحب اولاد ہوجاتے ہیں۔" میں نے اپنی بے ساختہ ہنسی روک کر بیچ میں لقمہ دیا۔

"میری جان نکل گئی۔" وہ اپنی رو میں بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "وہ خطرناک قصہ سلمٰی کے کانوں تک پہنچ جاتا تو میں مر کر بھی اسے اپنی بے گناہی کا یقین نہیں دلا سکتا تھا۔ وہ ہمیشہ مجھ پر شبہ کرتی رہتی ہے۔ میں نے پانچ ہزار روپے چپکے سے حوالے کرکے بہت مشکل سے اسے آمادہ کیا کہ وہ ہمارے گھر کی نوکری چھوڑ کر کہیں اور چلی جائے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"تم نے خود ہی پیسے دے دے کر اس کو یہ راہ دکھائی ہوگی۔" میں نے رعب سے کہا۔

"یار، ذرا سی دل لگی کے لیے دو چار سو کسی کو بھاری نہیں لگتے۔ اچھا ہے کہ اسی بہانے کسی غریب کی مدد ہو جاتی ہے مگر اس کے تو تیور ہی بدل گئے تھے۔ بعد میں سلمٰی نے بتایا کہ وہ شادی شدہ تھی اور اس کا آدمی کسی کارخانے میں چوکیدار تھا۔"

سلطان شاہ اور ویرا نے فون پر ہونے والی گفتگو کا رنگ بھانپ کر پہلے ہی مجھے تخلیہ فراہم کر دیا تھا۔ میں نے بے خوفی سے کہا "دل چاہتا ہے کہ تمہاری اس حماقت پر تمہاری کھوپڑی پر دس جوتے مارے جائیں۔"

"دس کیا، مجھ جیسے بدنصیب کے لیے تو سو بھی کم ہوں گے۔" اس کی آواز میں آزردگی اتر آئی "بیوی ہر وقت لڑنے مرنے پر تلی رہتی ہے۔ نوکرانیاں اسی کی طرف دار ہوتی ہیں۔ یہ آئی تھی تو سالی پکی بلیک میلر نکلی۔"

"سلمٰی گھر میں ہے تو تم اتنی بے فکری سے بات کیسے کر رہے ہو؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"میں نے اس کے فون کا پلگ نکال دیا ہے۔ ایسے معاملوں میں بالکل گدھی ہے۔ سمجھے گی کہ فون خراب ہو گیا ہے۔"

"اب سچ سچ بتا دو کہ مجھ سے بات کرنے کے لیے تم نے اتنا اہتمام کیوں کیا ہے۔"

"اس نے میری اکلوتی بوتل نالی میں بہا کر میری شام برباد کر دی ہے۔ میں نے اسے مارا ہے۔ تم اسے سمجھاؤ کہ وہ مجھ سے صلح کر لے۔"

"شراب پیے بغیر بھی تمہاری کھوپڑی میں برف جمی ہوئی ہے۔" میں نے غصے سے کہا "اس سے مصالحت کی اتنی ہی جلدی تھی تو پھر اس پر ہاتھ کیوں اٹھایا تھا؟ وہ تمہاری بیوی ہے، میری بات کیوں سنے گی؟"

"پینے کو کچھ نہ ہو اور بیوی بھی روٹھ جائے تو زندگی بے کیف ہو جاتی ہے۔ وہ تمہیں اپنا بہت کچھ سمجھتی ہے۔ تم کوئی چکر چلاؤ گے تو وہ خود ہی میرے کمرے میں آ جائے گی۔ مجھے معلوم ہے کہ غصہ اترے گا تو وہ بھی صلح کرنے کے بہانے ڈھونڈے گی۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ میں اپنے سارے کام چھوڑ کر تمہارے گھریلو جھگڑے نمٹاتا رہوں؟" میں غرایا "میں اس وقت تمہاری طرف نہیں آ سکتا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے ایک کام سے باہر جانا ہے۔"

"ہائے میری جان! تم سے آنے کو کون کمبخت کہہ رہا ہے۔ میں بات ختم کر کے اس کا پلگ لگا دوں گا، اپنا نکال دوں گا۔ تم فون کرو گے تو وہی اٹھائے گی اور اپنے دکھڑے سنانا شروع کر دے گی۔ تمہارے دس پانچ منٹ برباد ہوں گے، میرے گھر کا ماحول سدھر جائے گا۔"

اس کے آخری فقرے میں ایسی دردناک التجا پنہاں تھی کہ میں اسے کورا جواب نہ دے سکا "تم اپنے سور پن سے باز نہ آنا۔ ہمیشہ میرے لیے مسائل پیدا کرتے رہنا۔ جو کچھ کرنا ہے، جلدی کر ڈالو۔ میں دو منٹ بعد فون کروں گا۔"

"اللہ تمہیں اس ہمدردی کا اجر دے گا۔ تمہارا بھلا ہو گا۔" اس نے ممنونیت کے جذبے میں ڈوب کر کسی پیشہ ور گداگر کی طرح دعائیں دینے کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیا اور میں نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

میرے لیے ان دونوں کی بے جوڑ شادی ابتدا ہی سے ایک معمّا بنی رہی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ ان کی گاڑی زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گی مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت سامنے آ رہی تھی کہ وہ دونوں بہ یک وقت ایک دوسرے سے برہم بھی رہتے تھے اور ایک دوسرے کے بغیر رہ بھی نہیں سکتے تھے۔

جہانگیر ہر وقت اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مارنے کی کوششیں کرتا رہتا تھا اور سلمٰی کے پوشیدہ عزائم کا میں خود شاہد تھا۔

دو منٹ گزرنے کے بعد میں نے جہانگیر کا نمبر ملایا۔ کئی گھنٹیاں بجنے کے بعد سلمٰی نے جواب دیا۔ اس کی رندھی ہوئی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کافی دیر سے رو رہی تھی۔ میری آواز سن کر وہ گلوگیر آواز میں بولی "ڈیئر! تم فوراً یہاں آؤ اور مجھے اپنے ساتھ لے جاؤ۔ میں تمہارے گھر میں باندی بن کر رہ لوں گی مگر اس شخص کے ساتھ میرا گزارہ ممکن نہیں ہے۔"

"کیوں؟ کیا آج پھر اس نے زیادہ چڑھالی ہے؟" میں نے انجان بن کر سوال کیا۔

"جب سے نئی ملازمہ گئی ہے، ہر وقت چڑچڑے رہتے ہیں۔ آج بھی بلاوجہ مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔" اپنی مظلومیت کا ذکر کرتے ہوئے سلمٰی کی آواز رندھ گئی۔ اس نے بہت صفائی سے اپنے کارنامے کا ذکر گول کر کے سارا الزام جہانگیر کے سر ڈال دیا تھا۔

"وہ اتنا پاگل نہیں ہے۔ ہاتھ اٹھانے کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور رہی ہوگی۔"

"وہ اس بات پر برہم ہیں کہ آج ان کے پاس پینے کے

Downloaded from https://paksociety.com

لیے شراب نہیں ہے۔" سلمٰی نے آدھی بات اگل دی۔ اس بار اس نے اپنی حرکت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔

"شراب اس شہر میں ایسی نایاب نہیں ہے۔ بوتل بازار سے آسکتی ہے اور پھر اسے بسیار نوشی سے روکنے کے لیے تم بھی اس کی بوتلیں چراتی رہتی ہو۔ بات بگڑ رہی تھی تو اسے اسی ذخیرے میں سے ایک آدھ بوتل دے دیتیں۔"

"تم ان کے دوست ہو' ان ہی کے حق میں بولو گے۔ میرا دل کبھی نہیں رکھو گے۔" اس نے شکوہ کیا اور کہا "اس وقت تم مجھے مجبور نہ کرو۔ میں انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر تمہارے پاس آنا چاہ رہی تھی مگر فون خراب پڑا ہوا تھا۔ ابھی تمہاری کال سے اس میں جان پڑی ہے۔"

"تم شوق سے آؤ مگر میں چاہتا ہوں کہ عزت کے ساتھ آؤ۔" میں نے نرمی سے اسے سمجھایا "تمہیں معلوم ہے کہ میں پہلے ہی چکّی کے دو پاٹوں میں پس رہا ہوں۔ غزالہ میری بیوی ہے اور ویرا ایک آزاد خیال لڑکی ہے۔ مجھے ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا ہے۔ اس گھر میں کسی تیسری عورت کی گنجائش نہیں ہے۔ غزالہ شک میں پڑ جائے گی کہ تم جہانگیر سے لڑ کر میرے پاس کیوں آئی ہو۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم مجھے پسند کرتے ہو نہ میرا آنا پسند کرتے ہو۔" اس کی آواز بجھ گئی۔

"میں تمہیں پسند کرتا ہوں' بہت پسند کرتا ہوں۔" میں نے جلدی سے کہا "مگر مجھے اپنی اور تمہاری عزت عزیز ہے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ ویرا اور غزالہ میں سے کوئی تمہیں تحقیر یا شک و شبے کی نظر سے دیکھے۔"

"میں خود بھی جانتی ہوں کہ میری عزت ان کے دم سے ہے۔" میری وضاحت پر سلمٰی کے لہجے میں بشاشت آگئی "میں انہیں چھوڑنا نہیں چاہتی مگر سبق دینے کے لیے اس وقت انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر کہیں نکل جانا چاہتی ہوں۔"

"بھول کر بھی ایسا نہ کرنا۔" میں نے اسے ڈرایا "بیوی کی محبت سے مایوس شوہر سے زیادہ خطرناک درندہ اور کوئی نہیں ہوتا۔ تم اسے چاہو یا نہ چاہو مگر یہ یقین ضرور دلاتی رہو کہ تم اسے دل و جان سے چاہتی ہو۔"

"میں اپنا ہر جتن کر چکی ہوں مگر کامیابی نہیں ہوئی۔" وہ اپنی داستانِ الم بھول کر میری تجویز کے اسرار و رموز میں الجھ گئی۔ "تم نے آج تک میری چاہت کا جواب چاہت سے نہیں دیا مگر تم جانتے ہو کہ میں تمہیں ان سے ہزار گنا زیادہ چاہتی ہوں۔ اس دنیا میں' میں تمہیں اپنا سب سے بڑا ہمدرد سمجھتی ہوں۔ تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔"

میں پوری طرح مطمئن تھا کہ جہانگیر اپنی ایکس ٹینشن کا پلگ نکال چکا ہوگا۔ میں نے کہا "میں تمہارے اس اعتراف کی قدر کرتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم دونوں آپس میں لڑے بیٹھے ہو۔ میں نے محض مزاج پرسی کے لیے فون کیا تھا۔ اگر اس نے تمہیں مارا ہے تو تم خاموشی سے اسے شراب فراہم کردو۔ وہ زبان سے کچھ کہے نہ کہے' دل میں شرمندہ ہو کر رہ جائے گا۔"

"تم کہو گے تو میں یہ بھی کرلوں گی مگر وہ شرمندہ ہونے والی مخلوق نہیں ہیں۔ کل کا سورج طلوع ہوگا تو وہ آج رات کی کہانی کو یکسر بھول چکے ہوں گے۔ وہ چڑچڑے اور احسان فراموش مرد ہیں۔ ایک تم ہو کہ ہر وقت غزالہ کی خوشنودی کا خیال رکھتے ہو۔"

"وہ میرا خیال رکھتی ہے۔ میرا ہی نہیں' ویرا کا بھی خیال رکھتی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ اس وقت تم پسل کرو اور دیکھو کہ کیا ہوتا ہے۔ میں ایک آدھ روز میں خود تمہاری طرف آؤں گا اور اس کے دماغ کے کیڑے جھاڑ دوں گا۔"

"تم بھی وعدہ کرکے بھول جاتے ہو۔" سلمٰی کی آواز میں نرمی اور حلاوت تھی "مجھ سے پکا وعدہ کرو کہ کل یا پرسوں اِدھر ضرور آؤ گے۔"

"تم بھی وعدہ کرو کہ میرے مشورے پر عمل کرو گی۔ تمہاری طرح جہانگیر بھی تنہا ہے۔ اسے تمہارے سہارے کی ضرورت ہے۔"

"میں تم سے بات کرنے کے بعد دیکھتی ہوں۔ انہوں نے بدکلامی کی تو میں لوٹ آؤں گی' میری پسل کی قدر کی تو میں انہیں ایک بوتل ضرور دے دوں گی۔ میری الماری میں ان کی چھ سات بوتلیں جمع ہو چکی ہیں۔"

"اور یہ سارا خرچ گولڈ فارمیسی پر پڑ رہا ہوگا۔" میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"ہاں' ان کی دکان چل نکلی ہے۔ اب ہمیں ذاتی اکاؤنٹ سے پیسے نکلوانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ان کے شراب سمیت سارے اخراجات دکان کی آمدنی سے پورے ہو رہے ہیں۔"

"مجھے یہ اندازہ آج ہی ہوا کہ تم صرف چور نہیں' اعلیٰ پائے کی چور ہو۔"

"وقت اور حالات مجبور کردیتے ہیں۔ تمہیں اندازہ نہیں کہ وہ پیتے ہیں تو بس پیتے ہی چلے جاتے ہیں۔ انہیں کچھ ہوش نہیں رہتا کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کس حال میں ہیں۔ ایسے موقع پر میں خاموشی سے بوتل غائب کردیتی ہوں۔ سلمٰی

Downloaded from https://paksociety.com

کی آواز میں ایک گھریلو عورت کا درد پنہاں تھا۔ میں نے اس سے اِدھر اُدھر کی چند باتیں کرکے فون بند کردیا۔

"آج ان سے تمہاری باتیں کچھ زیادہ ہی لمبی ہوگئیں۔" سلطان شاہ میرے عقب سے یہ کہتا ہوا ڈرائنگ روم میں آگیا "میں تیسری بار آیا ہوں۔ غزالہ ہوش میں آچکی ہے اور تمہارا انتظار کررہی ہے۔"

"میں سلطان شاہ کے ساتھ ہولیا۔ غزالہ بستر پر دراز تھی۔ مجھے دیکھ کر اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"چاہو تو ہم دونوں باہر جاسکتے ہیں۔" ویرا نے اپنی جگہ چھوڑے بغیر پیش کش کی۔

"اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "غزالہ ایک مرتبہ ہوش میں آنے کے بعد دوا لے کر سوئی تھی۔"

"سنا ہے کہ آپ اول خان کے ساتھ کہیں جارہے ہیں۔" غزالہ نے قدرے کمزور آواز میں پوچھا۔

"اسی کی تلاش میں جارہا ہوں جس نے تمہیں اور ویرا کو اس حال میں پہنچایا ہے۔"

"اپنا خیال رکھیے گا۔ یہ لوگ بہت چالاک اور ان کے حوصلے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔"

"مجھے سب معلوم ہے۔ تم بے فکر رہو اور آرام کرو۔ تمہاری کنپٹی کا اب کیا حال ہے؟" میں نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"بہتر ہے.... اس دبلے پتلے فقیر کے ہاتھوں میں بہت طاقت تھی۔ آپ کے جانے کے بعد پھاٹک بند کرتے ہوئے میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ سامنے والے درخت کے سائے میں بیٹھا ہوا تھا.... اس وقت مجھے شبہ بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ ہمارے گھر کی نگرانی کررہا ہوگا۔ یہ لوگ یہاں ہماری توقع سے زیادہ منظم ہیں۔"

"جو ہونا تھا' وہ ہوگیا۔ اب یہ سوچ کر تم اپنے ذہن پر زور نہ دو۔ میں جلد ہی لوٹ آؤں گا۔" میں بستر پر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

ہم وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ غزالہ کو بے ہوشی اور مسکن دوا کے اثرات کی وجہ سے کچھ بتانے یا جاننے کا زیادہ موقع نہیں مل سکا تھا اس لیے ہماری گفتگو کرشن کی آمد کے واقعے کے گرد ہی گھومتی رہی۔

اپنے وعدے کے مطابق اول خان ٹھیک سات بجے آپہنچا۔ اس نے آتے ہی مجھے بتایا کہ وہ ایک جیپ میں اپنے ... چھ آدمی موہن ہاؤس کی طرف روانہ کرچکا ہے۔ ان لوگوں کو وہاں پہنچ کر فون کے تار کاٹنے تھے اور ہماری آمد کا انتظار کرنا تھا۔

"فون کے تار کاٹنے سے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔" ویرا نے کہا "یہ موبائل فون کا دور ہے۔"

"یہ ایک روایتی اقدام ہے۔ رفتہ رفتہ ہی یہ عادت ختم ہوگی۔" اول خان نے خوش دلی سے کہا۔

وہ گفتگو ڈرائنگ روم میں ہوئی تھی۔ وہ مجھ سے اجازت لے کر غزالہ کی عیادت کے لیے ہمارے کمرے کی طرف گیا تو ویرا نے دبی دبی آواز میں پوچھا "چھ سات آدمیوں کے ساتھ جانے کا مطلب ہے کہ اول خان کے ارادے خطرناک ہیں۔"

"ارادے تو میرے بھی خطرناک ہیں۔ کرشن کمار کا ذرا بھی سراغ مل گیا تو اس پر ہاتھ ڈالنے کی بھرپور کوشش کی جائے گی مگر اختیار کے اظہار کے لیے اکثر اوقات طاقت کا مظاہرہ ناگزیر ہوتا ہے۔ دو آدمیوں کی آمد کی خبر پاکر جگدیش ملاقات سے انکار کرسکتا ہے مگر اپنے دروازے پر بھاری نفری کی موجودگی اسے پریشان کردے گی۔"

"انشاء اللہ غزالہ دو تین روز میں ٹھیک ہوجائے گی۔" اول خان نے واپس آکر رائے دی "مگر ویرا کا معاملہ طول پکڑ سکتا ہے۔ یہ اپنی مجروح کہنی کے ساتھ مسلسل چلتی پھرتی نظر آرہی ہے۔"

"اب میں بھی غزالہ کے ساتھ لیٹوں گی۔" اس نے ہنس کر کہا "ڈریسنگ سے کہنی کے درد میں بہت افاقہ ہوا ہے۔"

ہم دونوں نے گھر والوں کو الوداع کیا' سلطان شاہ کو ہوشیار رہنے کی ہدایت دی اور گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ اول خان کے ایما پر میں نے آئی بی والوں کا اپریٹس اپنے ساتھ لے لیا تھا۔

"موبائل فون عام ہوجانے کے بعد وائرلیس ٹرانسمیٹرز کی افادیت بھی تیزی سے ختم ہوجائے گی۔" گھر سے روانگی کے بعد میں نے اول خان سے پوچھا۔

"ٹرانسمیٹرز کی اہمیت ختم نہیں ہوسکتی۔ اس پر ہم ایک فری کوئنسی پر ہروقت متعدد آدمیوں سے رابطے میں رہتے ہیں اور جس سے چاہتے ہیں' براہِ راست بات کرلیتے ہیں۔ موبائل فون لاسلکی ضرور ہے لیکن اس سے ایک وقت میں نمبر ملا کر صرف ایک شخص سے بات کی جاسکتی ہے۔ کسی اور سے بات کرنے کی ضرورت ہو تو پہلا رابطہ ختم کرنا پڑتا

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔" اول خان نے وضاحت سے بتایا۔

وہ بالکل سامنے کی بات تھی جو اول خان کے بتائے بغیر میرے ذہن میں نہیں آسکی تھی۔ موبائل فون کی افادیت انفرادی تھی جب کہ فوج اور پولیس سے لے کر شہری نظم ونسق اور سہولتوں کو برقرار رکھنے والے اداروں تک کے لیے لاسلکی ٹرانسمیٹرز کی اہمیت ناگزیر تھی۔

ہم دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے نصف گھنٹے میں اولڈ کلفٹن کے مطلوبہ رہائشی علاقے میں پہنچ گئے۔ وہاں ایک ذیلی سڑک کے کنارے اول خان کی جیپ کھڑی ہوئی تھی۔ قریب پہنچنے پر میں نے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دیکھا کہ اس کے عقبی حصے میں متعدد افراد سوار تھے۔

اول خان کی گاڑی کے قریب پہنچتے ہی جیپ حرکت میں آگئی اور اول خان نے گاڑی اس کے پیچھے ڈال دی۔

اسی گلی کے ایک مکان کے سامنے جیپ کنارے سے لگ گئی۔ اول خان نے اپنی گاڑی گھما کر پھاٹک کے سامنے روکی اور ہارن بجادیا۔ پھاٹک فوراً ہی کھل گیا۔ وہ مکان بہت بڑا نہیں تھا۔ تقریباً ہزار گز کے رقبے پر بنی ہوئی دو منزلہ عمارت کے کشادہ ڈرائیوے میں چار گاڑیاں اس طرح کھڑی ہوئی تھیں کہ پانچویں گاڑی کا اندر داخل ہونا ممکن نہیں ہوتا۔

ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں اندر کا جائزہ لینے کا عمل مکمل ہونے پر اول خان نے ہیڈ لیمپس بجھادیے۔ ادھیڑ عمر چوکیدار باہر آگیا۔ اول خان نے اس سے جگدیش کے بارے میں پوچھا۔

"صاحب! میں اندر معلوم کرتا ہوں۔ وہاں جگہ نہیں ہے۔ آپ گاڑیاں ادھر لگالیں۔" اس نے جیپ کے پیچھے اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس دوران میں وہ دزدیدہ نگاہوں سے جیپ کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔ جس میں دو چاق وچوبند لیکن سادہ لباس افراد باہر آچکے تھے اور غور سے موہن ہاؤس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"آپ کا نام کیا ہے صاحب؟" چوکیدار نے جانے سے پہلے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

"اظہر خان اور مظہر خان!" اول خان نے سوچے سمجھے پروگرام کے مطابق جواب دیا۔

چوکیدار کو کسی کذب بیانی سے روکنے کے لیے ہم دونوں نے انجن بند کیے بغیر گاڑی چھوڑ دی۔ ایس ٹی ایف کا ایک آدمی پارکنگ کے لیے تیزی سے قریب آگیا اور ہم دونوں چوکیدار کے پیچھے پیچھے اندر داخل ہوگئے۔

چوکیدار نے انٹرکام پر کسی سے بات کی۔ ہم نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا کہ دو گاڑیوں میں بہت سے لوگ آئے ہوئے تھے جن میں سے دو کے نام اظہر خان اور مظہر خان تھے۔

وہ تفصیل خاصی مرعوب کن تھی۔ اندر والے کی طرف سے فوراً ہی اذنِ باریابی مل گیا۔

پختہ روش پر خاصا فاصلہ طے کرکے چوکیدار نے ہمیں ایک کشادہ ڈرائنگ روم میں پہنچادیا جو خوب صورت ضرور تھا مگر اس کی آرائش میں غیر ضروری اصراف کا مظاہرہ نہیں کیا گیا تھا، ہمیں بٹھا کر چوکیدار واپس چلا گیا۔

"یہاں ان کی موروثی ثقافت کی جھلکیاں نظر آرہی ہیں۔" اول خان نے کمرے کا جائزہ لے کر کہا "مجھے اس کا جواب دینے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ اسی وقت اندر سے ایک ادھیڑ عمر اور بھاری بھرکم شخص گجراتی لب ولہجے میں سلام کرتا ہوا ڈرائنگ روم میں آگیا۔ اس کے بدن پر سفید کرتہ پاجامہ نظر آرہا تھا۔ اپنے وجود کے مٹاپے کی وجہ سے اسے چلنے میں دقت ہورہی تھی۔

ہم دونوں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ہاتھ ملایا۔ پتا چلا کہ وہی جگدیش تھا۔

"آپ کے نام معلوم ہوگئے۔ پتا نہیں چلا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں۔ اس نے قدرے پُرتشویش لہجے میں کہا "شاید ہم نے پہلے کبھی ایک دوسرے کو نہیں دیکھا۔"

"ہمارا تعلق ایک ایجنسی سے ہے اور ہم کوئی خاص مقصد لے کر تمہارے پاس آئے ہیں۔" اول خان نے اس پر اپنی بالادستی قائم کرنے کے لیے آپ کے بجائے تم کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے کہا "شراب کے علاوہ تمہارا اور کیا بیوپار ہے؟"

"کچھ نہیں۔ اسی سے اتنی آمدنی ہوجاتی ہے کہ کچھ اور سوچنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔" وہ دمے کا مریض تھا یا ہماری آمد سے گھبرا گیا تھا کہ وہ مختصر سا جواب دینے میں ہی اس کا سانس پھول گیا۔

"یہ دھندا صاف ستھرا ہے یا...!" اول خان نے سوال شروع کیا ہی تھا کہ جگدیش بیچ میں بول پڑا۔

"یہ کام صاف ستھرا نہیں ہے جو یہ کہتا ہے، جھوٹ بولتا ہے۔ حکومت جس چیز پر پابندی لگادے، اس کی ڈیمانڈ ختم ہونے کے بجائے بڑھ جاتی ہے اور بلیک میں چلی جاتی ہے۔ ہم لوگ بھی پرمٹ اور کوٹے خریدتے ہیں اور سارا مال بلیک میں ہاتھوں ہاتھ نکل جاتا ہے۔ ہمارا ریکارڈ صاف ہے ہر پارٹی کو مانگے بغیر، وقت پر اس کا بھتا دے دیتے ہیں۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"جب مال کی اتنی مانگ ہے تو تم نے حیدر آباد میں اپنا دفتر کیوں کھولا ہوا ہے؟"

"وہاں سے مال کی سپلائی بہت ہے اور ریٹ بھی بہت اچھا ملتا ہے۔" اس نے باقاعدہ ہانپتے ہوئے جواب دیا "گاؤں گوٹھوں کے بہت سے زمین دار اور وڈیرے فیشن میں ولایتی شراب پیتے ہیں۔ تنگی ہو جائے تب بھی دیسی شراب ولایتی بوتلوں میں ڈال کر اپنے مہمانوں کو پلاتے ہیں۔ اس پورے علاقے کی مارکیٹ صرف ہمارے ہاتھ میں ہے۔"

"ہری چند وہاں تمہارا منیجر ہے۔ اس پر تم کو کتنا بھروسا ہے؟" میں غور سے جگدیش کی طرف دیکھ رہا تھا۔

منیجر ہے اور رشتے دار بھی۔" وہ صوفے پر بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے بولا "کل رات بے چارے کی کار چوری ہو گئی۔"

بھونڈے انداز میں ہری چند کی کار کا ذکر کر کے وہ خود ہی جال میں پھنس گیا۔ اس بارے میں اول خان کا ہوم ورک مکمل تھا۔ اس نے کہا "ہری چند نے کار کی چوری کی ایف آئی آر آج صبح گیارہ بجے کٹوائی ہے جب کہ اس کی گاڑی آج صبح تین بجے کراچی میں ایک واردات میں پکڑی گئی تھی۔ رپورٹ اس نے اس وقت لکھوائی جب اسے پتا چل گیا کہ گاڑی پکڑی جا چکی ہے۔

"گاڑی سڑک پر کھڑی ہوتی ہے۔ رات میں کوئی اسے لے گیا تو ہری چند کو کیا پتا..... صبح وہ دیر سے اٹھا تو گاڑی غائب تھی۔ اس نے پرچا کٹوا دیا۔ میری اس سے فون پر بات ہوئی ہے۔ اس میں کوئی ہیر پھیر نہیں ہے۔"

"جگدیش!" اول خان نپی تلی مگر سخت آواز میں غرایا "یہ بھتے والا چکر نہیں ہے۔ تم نے جھوٹ بولا تو تمہارا حشر بہت خراب ہوگا۔ ہری چند کی کار بہت خطرناک واردات میں استعمال ہوئی ہے۔"

اسی وقت اس کا ملازم لدی پھندی ٹرالی دھکیلتا ہوا آ پہنچا اور گفتگو کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ ٹرالی پر بہت سے لوازم کے ساتھ کولڈ ڈرنکس اور تین اقسام کی اسکاچ کی کھلی ہوئی بوتلیں بھی سجی ہوئی تھیں۔

جگدیش نے اپنے ملازم کو ہاتھ کے اشارے سے واپس بھیج دیا اور ہم سے کہا "لو' دارو پانی کچھ لو۔ یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔"

اول خان نے ملازم کے نکل جانے کے بعد زبان کھولی "ہم یہ سب نہیں پیتے۔"

"وہسکی نہیں تو کولڈ ڈرنک لے لو۔" جگدیش نے خوشامدانہ انداز میں ایک مرتبہ پھر اول خان کی بات کاٹ دی "ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ گھر آیا مہمان کچھ کھائے پیئے بغیر واپس چلا جائے۔"

"ہری چند نے اپنی گاڑی کس کو دی تھی؟" اول خان نے اس کی بات کو نظر انداز کر کے درشت لہجے میں پوچھا۔

اس بار جگدیش' اول خان کا لہجہ برداشت نہ کر سکا اور بڑے ضبط و تحمل سے بولا "دیکھو! مجھ سے اس طرح بات مت کرو۔ میں حکومت کو بھاری انکم ٹیکس دیتا ہوں۔ شراب کا کاروبار کرتا ہوں مگر شریف اور معزز شہری ہوں۔"

"پورا انکم ٹیکس دیتے ہو تو پھر بھتے کس بات کے دیتے ہو؟ بلیک کی شراب کا نفع کس کھاتے میں دکھاتے ہو؟ ہم سے یہ سب باتیں نہ کرو۔ بات وہیں رہنے دو جہاں ہو رہی ہے۔" اول خان اسی لہجے میں غرایا "تم سیدھی طرح راہِ راست پر نہ آئے تو ابھی تمہیں اٹھا کر لے جائیں گے... باہر ہمارے چھ آدمی بالکل تیار ہیں۔ وہ اپنے مہمان خانے میں تمہاری تواضع کریں گے تو ذرا سی دیر میں تمہارے ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔"

"تم مجھے دھمکیاں دے رہے ہو۔ مجھے جو کچھ معلوم تھا

ڈیلاپین شوگر مہاسے

فربینا جسم کو موٹا اور خوبصورت بنانے کی یونانی دوا ہے جو فطرتی طور پر قابلِ عرصے میں بازو، کمر، کولہے، گردن، کندھے اور چہرے کے گالوں پر گوشت میں اضافہ کر کے جسم بھرا بھرا خوبصورت موٹا و تندرست بنا دیتی ہے۔ مکمل طور پر قدرتی اجزاء سے تیار کردہ قطعی بے ضرر مستقل اثرات کے لئے قیمت فی 350 روپے (وزن 900 گرام)

کریلا کیپسول کریلے کے بیجوں کے مغز سے تیار کردہ شوگر ختم کرنے کے لئے بہترین کریلا یونانی کیپسول قیمت فی 300 روپے، 180 کیپسول (برائے ایک ماہ) شوگر صفحہ ہستی سے مٹا دیتے ہیں۔

مہاسے چہرے کے دانے مہاسے، چھائیاں، داغ، دھبے، خون کی اندرونی گرمی یا ہارمونک تبدیلیوں کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ دونوں مسائل کیلئے نہایت عمدہ دوا "رشک قمر" قیمت فی 275 روپے (برائے ایک ماہ) ڈنگ گورا کرنے کیلئے حکیم ارشد کا خاص الخاص نسخہ قیمت فی 350 روپے۔ آپ ایک خط لکھ کر گھر بیٹھے بذریعہ V.P منگوائیں۔ (ہماری ادویات بازار میں دستیاب نہیں)

حکیم ارشد لیبارٹریز، پوسٹ بکس 2608 اسلام آباد

Downloaded from https://paksociety.com

وہ میں نے بتا دیا۔ اگر ہری چند نے کوئی گڑبڑ کی ہے تو اس بارے میں اسی سے پوچھ گچھ ہونی چاہیے اس کی حرکتوں کی ذمّے داری میرے سر نہیں ڈالی جاسکتی۔"

"اس کی باری بعد میں آئے گی۔ تم اپنی فرم کے چیف ہو' وہ گاڑی فرم کے نام پر ہے۔ تمہیں بتانا ہوگا کہ وہ گاڑی حیدر آباد سے نکل کر کراچی کیسے پہنچی اور اسے لانے والے کون لوگ تھے۔"

"جب مجھے کچھ معلوم ہی نہیں تو میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" اس کے چہرے پر بے چارگی پھیل گئی۔

میں ابتدا سے ہی جگدیش کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔

"تمہیں ہری چند کی گاڑی کے بارے میں کیا بتایا گیا ہے؟" میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اول خان کو خاموش رہنے کا اشارہ کرکے جگدیش سے پوچھا۔ اسے اپنی معلومات سے خوف زدہ کرنے کے بجائے میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ اس پورے قصّے میں اس کی معلومات کہاں تک ہیں اور وہ ہم سے کیا کچھ چھپا رہا ہے۔

"مجھے صبح روی نے اتنا بتایا تھا کہ ہری چند کی گاڑی چوری ہوگئی ہے۔ میں نے فون پر ہری چند سے بات کی تو اس نے بھی یہی بتایا۔ گاڑی کی پوری انشورنس ہے۔ اس نے ایف آئی آر لکھوادی۔"

"اس وقت تک تمہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ تمہاری کمپنی کی گاڑی کسی چکر میں پکڑی گئی ہے؟"

"اس وقت کیا' مجھے تو ابھی تک پتا نہیں تھا کہ وہ گاڑی کہاں ہے۔ اب تم سے سنا ہے کہ وہ گاڑی کسی واردات میں پکڑی گئی ہے۔ ہم سیدھے سادے کاروباری لوگ ہیں۔ دو اور دو کو جوڑ کر چار کرنا جانتے ہیں۔ کسی جرم سے اپنا کیا واسطہ۔ یہ کوئی اور ہی چکر معلوم ہوتا ہے۔ تم کو کوئی دوسرا گھر دیکھنا ہوگا۔" اس نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے اس کے جوابات کو اپنے ذہن میں گھمایا پھر اس سے پوچھا "تمہیں روی نے کار کے بارے میں بتایا تھا؟"

"ہاں!" اس نے بے ساختہ جواب دیا "ہری چند اسی کا سسرالی رشتے دار ہے۔ اس نے میرے بجائے روی کو فون کیا تھا۔ بعد میں نے خود اس سے بات کی تھی۔ پتا نہیں اس نے کیا چکر چلایا ہوا ہے۔"

"روی اس وقت گھر پر موجود ہے؟" میں نے کسی تجسّس کا مظاہرہ کیے بغیر' سرسری لہجے میں پوچھا۔

"ہاں' اوپر بیٹھا اپنی بیوی کے ساتھ رمی کھیل رہا ہوگا۔" روی کے بارے میں اس کا ذہن صاف تھا۔

"پھر اسے بھی بلالو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ہمیں کوئی کام کی بات بتا سکے۔"

اول خان کے درشت اور تحکمانہ لب ولہجے کے مقابلے میں میری مصلحت آمیز نرمی نے جگدیش کے موڈ پر خوشگوار اثر ڈالا تھا۔ اس نے اپنے داہنے ہاتھ پر تار کے سرے کے ساتھ جھولتا ہوا سفید بٹن دبایا' عمارت کے کسی اندرونی حصے میں گھنٹی بجنے کی آواز ابھری اور چند ثانیوں بعد' ٹرالی لانے والا ملازم تقریباً دوڑتا ہوا ڈرائنگ روم میں آ پہنچا۔

"اوپر سے روی بابو کو بلاؤ۔" جگدیش نے اسے ہدایت دی "بتا دینا کہ کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں۔"

ملازم اندر جانے کے بجائے تیزی سے ڈرائنگ روم سے نکلا کے راستے کی طرف دوڑا تو جگدیش برہم ہوکر اس پر برس پڑا "ابے سور کے بچے! اوپر سے روی کو بلانے کے لیے کہا ہے۔ تو باہر کہاں جارہا ہے۔"

"سرکار! روی بابو باہر جانے کے لیے تیار ہو کر ابھی ابھی تیزی سے نیچے اترے ہیں۔ ان ہی کو روکنے جارہا ہوں۔" ملازم نے رک کر گڑگڑاتے ہوئے جواب دیا۔

"دفع ہو' جلدی کر! وہ نکل نہ جائیں۔" جگدیش نے جلدی سے کہا۔ اسی وقت باہر پورچ میں کسی گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہونے اور فوراً ہی روانہ ہونے کی آواز آئی۔

باہر ملازم اونچی آواز میں روی بابو' روی بابو چلاّتا رہ گیا۔ اس کی آوازیں ڈرائنگ روم میں بھی سنی جارہی تھیں لیکن وہ کار گر ثابت نہ ہوسکیں۔ کار کی آواز تیزی سے دور ہوتی چلی گئی۔

"بیٹھے بیٹھے یہ اچانک کہاں نکل کھڑا ہوا!" جگدیش خود کلامی کے انداز میں تشویش سے بڑبڑانے لگا۔

اس وقت میرا ذہن روی کے بارے میں سوچے جارہا تھا۔ وہ مکان کی اوپری منزل پر رہتا تھا۔ اپنے پھاٹک پر گاڑیوں کے رکنے کی آواز سن کر اس نے یقیناً کسی اگلے حصے میں آکر باہر کا جائزہ لیا ہوگا۔ باہر دو گاڑیوں کے ساتھ ایس ٹی ایف کے چھ کمانڈو جوان موجود تھے۔ وہ سادہ کپڑوں میں تھے لیکن اپنی وضع قطع سے دور سے ہی نیم فوجی لگتے تھے۔ اگر روی کسی چکر میں ملوث تھا تو انہیں دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکنا ضروری تھا۔

وہ گھر میں رکا رہتا تو گفتگو کے کسی مرحلے پر اس کی طلبی کا واضح امکان موجود تھا۔ اس کے دل میں چور تھا۔ وہ اپنے گھر آنے والوں کا سامنا کرنے سے بچنا چاہتا تھا' اس نے اپنی

Downloaded from https://paksociety.com

ساری مصروفیات ترک کرکے پھرتی سے کپڑے تبدیل کیے اور گھر سے نکل بھاگا۔

ملازم کی بلند آوازوں اور جانے والی کار کے انجن کی بدلتی ہوئی آوازوں میں جو قلیل وقفے آئے تھے ان کی بنا پر یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ روی نے اپنے ملازم کی آوازیں نہ سنی ہوں۔ وہ گھر سے بھاگنے پر تلا ہوا تھا۔ اس نے ہر سنی اَن سنی کردی اور سب کو چکما دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔

وہ تجزیہ بظاہر طویل تھا لیکن آدمی کا ذہن پوری طرح بیدار ہو تو اس سے کہیں زیادہ طویل تجزیے چشم زدن میں مکمل ہوجاتے ہیں۔ میں نے چند لمحوں کے توقف کے بعد اول خان سے کہا "اپنے دو آدمیوں کو گاڑی میں اس کے پیچھے روانہ کردو۔ وہ اسے گھیر کر ہر قیمت پر واپس یہاں لے آئیں۔"

اول خان میری بات شروع ہوتے ہی میرا مدعا سمجھ چکا تھا۔ اس نے اپنی جیب سے ایس ٹی ایف کا اپریٹس نکالا اور حامد کو فوراً ہی جیپ میں روی کا پیچھا کرکے روکنے اور گھر واپس لانے کی ہدایات دے دیں۔

"وہ بہت عجلت اور تیزی میں یہاں سے نکلا ہے۔ میں اس کے پیچھے جارہا ہوں۔" حامد کی طرف سے جواب آیا۔

اول خان نے اپریٹس دوبارہ اپنی جیب میں ڈال لیا۔ بدلی ہوئی صورتِ حال پر اس کے چہرے سے اندرونی جوش و خروش کا اظہار ہونے لگا تھا۔ ملازم نے اندر آکر روی موہن کی روانگی کی رسمی اطلاع دی اور دوبارہ اندر غائب ہوگیا۔

ہم ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوکر گھر سے نکلے تھے مگر جگدیش کے لیے وہ واقعہ اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھا کہ وہ ذہنی پراگندگی میں مبتلا ہوگیا تھا۔ ذرا سی دیر میں یہ بات کھل کر سامنے آگئی تھی کہ ہری چند اور کرشن کمار کے کسی بھی خفیہ گٹھ جوڑ کے سلسلے میں جگدیش کا دامن صاف تھا۔ جو کچھ ہورہا تھا اس میں صرف روی ملوث تھا اور وہی ہماری گرفت میں آنے سے پہلے بھاگ گیا تھا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے انٹر کام پر اس سے میری بات ہوئی تھی۔" جگدیش پُرتشویش لہجے میں کہہ رہا تھا "وہ رمی میں اپنی بیوی سے جیتنے پر خوش تھا۔ کچھ کہے سنے بغیر گھر سے نکل کر اس نے مجھے پریشان کردیا ہے۔"

"شاید وہ ہمارے سوالات کے جواب دے سکتا تھا۔" میں سگریٹ سلگا کر کہا "اسی لیے وہ چلا گیا۔"

"تم لوگ ٹرالی سے کچھ تو لو۔" اس نے اصرار کیا "مجھے اچھا نہیں لگ رہا کہ ہم اتنی دیر سے خالی بیٹھے ہیں۔"

اندازہ

"ڈاکٹر صاحب! مجھے بیماری کیا ہے؟" معائنے کے بعد مریض نے جاننا چاہا۔

"یہ تو میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ تمہیں کیا مرض لاحق ہے۔" ڈاکٹر نے سر کھجاتے ہوئے کہا "لیکن ایک بات طے ہے کہ اگر تم بلڈنگ ہوتے تو اب تک تمہیں مخدوش قرار دے دیا جاتا۔"

میں نے اس کا دل رکھنے کے لیے پلیٹ سے نمکین مونگ پھلی کے چند دانے اٹھا کر منہ میں ڈال لیے۔ اول خان نے اپنی جگہ سے کوئی جنبش نہیں کی۔ اپنے اصولوں کے معاملے میں وہ بہت سخت تھا اور دشمن کے گھر کا پانی پینا بھی برا سمجھتا تھا۔

جگدیش کچھ دیر اپنی جگہ بیٹھا بے چینی سے پہلو بدلتا رہا پھر جھجکتے ہوئے بولا "اس لڑکے نے مجھے تمہارے سامنے شرمندہ کردیا ہے۔ اگر تم مجھ پر بھروسا کرو تو میں ذرا اندر کا چکر لگالوں۔ کچھ پتا تو چلے کہ وہ کہاں گیا ہے۔"

"تم بھی اسی کی طرح نکل جانا۔" اول خان اپنی تلخ نوائی سے باز نہ رہ سکا۔

اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ہمارے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور گھگیایا "میں کوئی چور اچکا نہیں ہوں جو بھاگ جاؤں گا۔ بیوی بچے اور بھرا گھر ہے۔ میرا جینا مرنا بھی یہیں ہوگا۔ میں بھاگ کر کہاں جاؤں گا۔ روی بے وقوف ہے۔۔۔"

میں نے اس کی بات کاٹ دی "اندر ہو آؤ۔ اس کی بیوی سے پتا چلے گا کہ وہ کیا کہہ کر گیا ہے۔"

اس نے اپنے جڑے ہوئے ہاتھ پیشانی تک لے جاکر میرا شکریہ ادا کیا اور تقریباً لڑھکنے والے انداز میں چلتا ہوا گھر کے اندر کھلنے والے دروازے کے پیچھے چلا گیا۔

"ہم صحیح جگہ آئے ہیں لیکن غلط آدمی سے ٹکرائے ہیں" اول خان نے کہا۔

"شکر ہے کہ تمہاری رائے تبدیل ہوئی ہے ورنہ جگدیش کے ساتھ ابھی تک تمہارا رویہ بہت سخت ہے۔"

"مجھے اس موٹے پر غصہ آرہا ہے۔ اسے پہلے ہی بتادینا چاہئے تھا کہ ہری چند اس کے بھائی کا سسرالی عزیز ہے۔"

میں ہنس پڑا "پوری بات سمجھے بغیر وہ کیسے سمجھ سکتا تھا کہ ہم کیا چاہ رہے ہیں۔ میرے حساب سے اس نے ہری چند کی

Downloaded from https://paksociety.com

کار کی چوری کا ذکر بھی بہت بے تکے انداز میں کیا تھا۔ ہر بات کہنے کے لیے کوئی موقع محل ضروری ہوتا ہے۔"

وقت بہت دھیرے دھیرے رینگتا رہا۔ اول خان نے مضطرب ہو کر اپریٹس پر حامد سے رابطہ کرلیا۔

"سر! میرا خیال ہے کہ ہم نے اس کی گاڑی دیکھ لی ہے" اول خان کے پوچھنے پر حامد نے دوسری طرف سے جواب دیا "وہ بہت تیز رفتاری سے جارہا ہے۔ ٹریفک کی وجہ سے ہمیں اس کے قریب پہنچنے میں دشواری ہورہی ہے۔ اوور!"

"وہ نظروں میں آیا ہوا ہے تو اسے اوجھل نہ ہونے دینا۔ وہ ہمارے لیے بہت اہم ہے۔ اوور!"

"آپ فکر نہ کریں سر' اسے کسی بھی سگنل پر رکنا پڑا تو ہم اسے جالیں گے' اوور۔"

"ہم کلفٹن کے پل پر ہیں۔ وہ اگلے سگنل سے بائیں طرف مڑ رہا ہے۔ سگنل سرخ ہوگیا ہے۔ اسے رک جانا چاہئے مگر وہ نہیں رکا اور تیزی سے مڑچکا ہے۔ اوور!" حامد نے بدلتی ہوئی صورتِ حال پر پوری کمنٹری دے ڈالی۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ پی سی ہوٹل نہیں جارہا۔ وہاں پہنچنے کے لیے اسے میٹروپول والے سگنل سے مڑنا چاہیے تھا۔ اپنی رفتار بڑھادو اور تم بھی سگنل کی پروا مت کرو۔ اس کا ہاتھ آنا بہت ضروری ہے' اوور اینڈ آل۔"

"تم نے بہت جلدی بات ختم کردی۔" میں نے حیرت سے کہا "چند لمحے اور بات ہوتی تو اس کی سمت کا صحیح اندازہ ہوجاتا۔"

"اپریٹس پر بات کرتے ہوئے وہ اسٹیئرنگ پر دونوں ہاتھوں کی گرفت نہیں رکھ سکتا" اول خان کے ذہن میں بہت باریک نکتہ موجود تھا۔ "اگلے سگنل سے اسے بائیں طرف مڑنا ہے۔ اس کے لیے اس کے دونوں ہاتھ خالی ہونے ضروری تھے۔"

"تم اپنے آدمیوں کی کارکردگی کی تمام جزئیات پر گہری نظر رکھتے ہو" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "تیز رفتار ڈرائیونگ کی یہ مجبوری میرے ذہن میں نہیں آسکی تھی۔"

"اس کے بعد پھر ایک موڑ ہے" اول خان کے ذہن میں اس راستے کا پورا نقشہ جما ہوا تھا "موقع ملتے ہی وہ خود تازہ ترین پوزیشن کے بارے میں اطلاع دے گا۔ دعا کرو کہ وہ کسی غلط گاڑی کا پیچھا نہ کررہا ہو۔"

حامد نے ابتدا میں جو کچھ کہا تھا اس کی روشنی میں غلطی کا امکان موجود تھا۔ قریب پہنچنے پر وہ کوئی اور کار ثابت ہوتی تو وہ ساری بھاگ دوڑ بے مقصد ثابت ہوسکتی تھی۔ میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

ہم دونوں ذہنی تناؤ اور فکرمندی کے عالم میں خاموش بیٹھے تھے کہ جگدیش کی اونچی بڑبڑاہٹیں سنائی دیں اور پھر وہ ہانپتا ہوا ڈرائنگ روم میں آگیا۔ اس کے پیچھے پیچھے ساڑی اور بلاؤز میں ملبوس ایک خوبصورت اور جوان عورت تھی جس کے اجلے چہرے پر بڑی بڑی سیاہ آنکھیں بہت پرکشش نظر آرہی تھیں۔ اس کے لمبے لمبے سیاہ بال ایک موٹی چوٹی کی صورت میں اس کی پشت کے بجائے سینے سے نیچے تک لہرا رہے تھے۔ پریشانی میں شاید اسے خیال ہی نہیں آیا تھا کہ اس کے بال کہاں تھے۔

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا" جگدیش ہانپتا ہوا صوفے پر گرگیا "یہ میری بھاوج اور روی کی بیوی ہے۔ میں اسے ہی ساتھ لے آیا ہوں۔ تمہیں جو کچھ پوچھنا ہے' اس سے پوچھ لو۔ عمر بھر روی کے سر میں درد نہیں ہوا۔ تم دونوں آئے ہو تو ایک دم اس کو اپنڈکس کا درد شروع ہوگیا۔ پتا نہیں یہ لڑکا کہاں میرا منہ کالا کروائے گا۔"

آنے والی دونوں ہاتھ جوڑ کر ہمارے سامنے قدرے جھکی اور پھر سب سے الگ ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے اور غلافی آنکھوں سے خوف و ہراس جھلک رہا تھا۔

"بتاؤ! انہیں بتاؤ کہ روی گھر میں بیٹھے بیٹھے ایک دم کہاں چلا گیا۔" ہمارے کچھ پوچھنے سے پہلے جگدیش اپنی بھاوج پر برس پڑا۔ پریشانی کی وجہ سے وہ اس وقت اعصاب زدہ ہورہا تھا۔

"وہ ڈاکٹر کے پاس گئے ہیں۔" کمرے کی فضا میں روی کی بیوی کی سہمی سہمی آواز گونجی۔

اسی لمحے اول خان کے اپریٹس پر اشارہ موصول ہونے لگا۔ اس نے فوراً ہی اپریٹس نکال کر حامد سے بات شروع کردی۔ روی موہن کی بیوی کی بات جہاں تک پہنچی تھی' وہیں رہ گئی۔

دوسری طرف سے حامد شرمندگی کے ساتھ میرے بدترین خدشے کی تصدیق کررہا تھا۔ وہ دونوں مشتبہ گاڑی تک پہنچ چکے تھے۔ گاڑی کا ماڈل وہی تھا جو روی کی کار کا تھا لیکن اس کا رنگ سیاہ کے بجائے سرمئی تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اسے کوئی خاتون چلا رہی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجئے

Downloaded from https://paksociety.com

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جمانگیر ڈاؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بین الاقوامی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مطلوبہ معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جی لائیڈ کی۔ ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گردی کی کارروائیوں کو ناکام بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر قدم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کرتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین معمولیوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے پیچھے جاں بازوں کی ایک ایسی پُراسرار فارمیشن کا سالار سربراہ تھا۔ جسے انٹیلی جنس فورس کہا جاتا تھا۔ جی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدا ہی دشمنی کے بعد میری حلیفہ بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غرالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو لانگ ٹوئنامی ایک چینی بدمعاش کے ہاتھوں شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ وہ سری طرف امریکا میں آمرٹل ہیبل نامی ایک سفید پوست سپر سوپر ٹی ہٹلر ہے جس نے اشرف سورخ کی ہلاکت کے بعد آمرٹل ہیبل نیوز ایسوسی ایٹڈ پریس کا اس منظم میں بہترین ہیروئن کی پیداوار کی ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے شوم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ وہ ڈیوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں مطعون ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے ساتھ ہم پاکستان واپس پہنچے، یہاں مدن موہن کے نیوکیل انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کنول راجوانی کا نام سامنے آیا۔ اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے چکنی مچھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے اسے واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری مخبری کے نتیجے میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی قونصلیٹ کا ملازم ایرائن ڈی ہنٹ تھا۔ میں اسے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے غدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ڈیٹا کی تلاش کر کے اس کے حوالے کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے مشکل ثابت ہو رہا تھا اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس بھی حاصل کر لیے۔ اس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے اولڈی سے رابطہ کیا کرنو مختار ہو چکا تھا اس نے مجھے ایڈیٹر قونصلیٹ کے میجر بخشی کے سپرد کر دیا۔ جس نے مجھے دھن راج سے بھی متعارف کرایا۔ میجر بخشی کرنل جمال دستی کا فوجی ماضی جاننا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تاہم بعد میں اسے کرنل جمال دستی کی حیثیت پر یقین آگیا۔ اولڈی ہنٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دہلی فرار ہو گیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی ایک اور کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر اولڈی ہنٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ڈیٹا کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال اس کے گھر سے حرام ہیں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی پیش کش کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مانگ لیا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خود کشی کر لی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرا لیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خود کشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچا رہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظور نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں متعدد اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک و شبے سے بالا تر نہیں تھی اس لیے اس کے نیکل فون پر آبزرویشن لگا کر اسے بی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نیا ٹائی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچا دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آبزرویشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ بوب رائیل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آرہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جاری تھی ہم اسے بوب رائیل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر بوب رائیل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہ فرار اختیار کی مگر ویرا نے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محب وطن ٹیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی فائرنگ کر کیا۔ ہوٹل میں بوب رائیل نے اپنی گھو خلاصی کی کوشش میں مہارت کا ہم ہوا اور بالآخر امریکی صدر کے فرمان کے تحت اپنے عہدے سے برخاست ہو کر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرام الٰہی نے تحقیق کے دوران میں بتایا کہ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کے پیغامات کے حوالے سے بلیک میل کرتا رہا ہے اور اس نے فاؤنڈیشن کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی فائل بنا رکھی ہے۔ ہم نے وہ فائل حاصل کر لی۔ مقبول چوہدری اور اکرام الٰہی بے مصرف ہو چکے تھے لہٰذا انہیں ٹھکانے لگا دیا گیا۔ اکرام الٰہی کی مرتب کردہ فائل سے ہمیں بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں۔ ان میں ایک نام مراد ظریف کا تھا جو اندرون سندھ ایک این جی او چلا رہا تھا۔ فائل سے ظاہر اس کی اہمیت کے پیش نظر میں نے اسے مقبول چوہدری کے حوالے سے بلانا چاہا مگر وہ قابو میں نہیں آیا۔ سلطان شاہ اس کی تلاش میں حیدر آباد گیا اور بد قسمتی سے مراد ظریف کے شکنجے میں پھنس گیا۔ سلطان شاہ کو چھڑانے کے لیے ہم نے پہلے مراد ظریف کو حیدر آباد سے گرفتار کیا اور پھر ایک مختصر سے معرکے کے بعد سلطان شاہ کو میرپور خاص سے بازیاب کرا لیا گیا۔ مراد ظریف نے ہماری تحویل میں خود کشی کر لی۔ پہلے تفتیش کے دوران میں انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیپال چھور کے علاقے میں مسیح تربیت کا کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارتی علاقے موہاڑ کی طرف چلا گیا ہے۔ آئی ای جلال کا خیال تھا کہ ان کی سرکوبی کے لیے ہمیں سرحد پار جانا چاہیے۔ میں نے اس پر کوئی رائے نہیں دی۔ اکرام الٰہی کی فائل میں مندرج دیگر افراد بھی اپنے انجام کو پہنچتے رہے۔ اس دوران میں کرشن کمار کے آدمیوں نے حیدر آباد میں موجود ہماری کار کا تعاقب کیا اور ہمارے گھر تک رسائی حاصل کر لی۔ ایک رات انہوں نے ہمارے گھر پر دھاوا بول دیا مگر اپنی بد قسمتی سے حیدر آباد کے رجسٹریشن والی کار سمیت ایک مردہ اور دو زندہ شکاروں کی صورت میں ہمارے ہاتھ آ گئے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ کرشن کمار انڈیا نہیں گیا بلکہ پاکستان میں ہی موجود ہے اور ہماری رہائش گاہ کو دیکھ چکا ہے۔ ہم نے انہیں پولیس کے حوالے کر دیا۔ یہ چاہتا تھا کہ کرشن ہمارے تھانے سے واقف ہونے کے بعد ہم سے ضرور نمٹارے گا۔ اسی امید کے تحت میں اور سلطان شاہ گھر سے باہر سڑکوں پر سنسر شپ گزر رہے تھے جب غیر متوقع طور پر وہ ہمارے گھر میں داخل ہوا اور ویرا کو یرغمال بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ اسے اغوا کر کے میں لاکھ ذرا انعام حاصل کرنے کا خواہش مند تھا مگر ویرا کی حاضر دماغی کے باعث اسے اپنی کوشش میں ناکامی ہوئی اور اسے راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔ ہمارے گھر پر شب خون کی کارروائی کے دوران میں استعمال ہونے والی کار کا رجسٹریشن شراب فروخت کرنے والی ایک کمپنی موہن اینڈ موہن کے نام پر تھا۔ کمپنی کا مالک عجدیش کرا چی میں رہائش پذیر تھا۔ میں اور اول خان ایس ٹی ایف کی نفری کے ہمراہ اس کے گھر پہنچ گئے۔ وہ سیدھا سادہ حقیقی بنیا تھا اس کے خیال میں کار کے حوالے سے اس کے بھائی روی سے پوچھ گچھ معمولات افزا ہو سکتی تھی، ہم روی سے ملنا چاہتے تھے مگر وہ اسی وقت اپنی کار میں بیٹھ کر عجدیش کے گھر سے روانہ ہو گیا۔ ایس ٹی ایف کے جوان اس کے تعاقب میں گئے مگر وہ ان کے ہاتھ نہ آ سکا۔

Downloaded from https://paksociety.com

ایس ٹی ایف فرض شناس اور ذمے دار اہل کاروں پر مشتمل ایک ایسی مضبوط تنظیم تھی جس کے کسی رکن کے بارے میں بھول کر بھی یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی تھی کہ اس نے جان بوجھ کر اپنے فرائض سے غفلت برتی ہوگی۔

ہمارا واسطہ اپنے جیسے جیتے جاگتے اور چالاک انسانوں سے پڑا ہوا تھا۔ ہم ان کی راہ پر لگے ہوئے تھے اور وہ خطرہ بھانپ کر اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ رہے تھے۔ ان حالات میں یہ ضروری نہیں تھا کہ ہمیں ہر بار کامیابی حاصل ہوتی۔ اس کشمکش میں کسی بھی وقت کسی فریق کو ناکامی ہوسکتی تھی اور میں ایسے امکانات کے لیے ذہنی طور پر ہر وقت تیار رہتا تھا لیکن اول خان' حامد کی رپورٹ سنتے ہی یوں مشتعل ہوگیا جیسے اس نے دیدہ ودانستہ اپنے فرائض سے کوئی چشم پوشی کی ہو۔

مجھے بخوبی اندازہ تھا کہ اول خان اپنے ماتحتوں میں حامد کو بہت زیادہ قابل اعتماد سمجھتا تھا اور اہم معاملات میں کافی عرصے سے اسے آگے رکھتا تھا لیکن اس وقت اول خان کے اضطراری لب ولہجے سے یہ ظاہر ہورہا تھا کہ روی موہن کا سراغ کھودینے کی خبر سن کر وہ مایوسی اور بددلی کا شکار ہوگیا تھا۔

کرشن کمار کو ابتدا میں ہم نے بہت زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ وہ مراد ظریف کے ایک کارندے کے روپ میں ابھر کر ہمارے سامنے آیا تھا اور شاید وہی ہمارے اندازے کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ حقیقت میں معاملہ بالکل الٹ تھا۔ صحرا کے پلیٹ فارم سے کی جانے والی سازش کا اصل سرغنہ کرشن کمار تھا اور مراد ظریف سمیت' سب لوگ اس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلیاں بنے ہوئے تھے۔

جب سے وہ قصہ شروع ہوا تھا' کئی بار ایسا ہوچکا تھا کہ کرشن کمار ہماری دسترس میں آتے آتے رہ گیا تھا۔ ہم اس کے پیچھے جہاں بھی پہنچے' وہ پہلے ہی وہاں سے نکل چکا تھا۔

جگدیش کے گھر پیش آنے والا تازہ ترین واقعہ شاید اول خان کے لیے زیادہ مایوسی کا سبب بنا تھا۔ ہم خاصی محنت سے ہری چند اور موہن اینڈ موہن کا سراغ حاصل کرکے اپنی راہ متعین کرتے ہوئے وہاں پہنچے تھے۔ وہاں سب کچھ موجود تھا۔ کڑیاں ملنے کا سلسلہ شروع ہوا تو روی موہن ہمارے سامنے آئے بغیر سب کو جل دے کر گھر سے ہی بھاگ نکلا تھا۔

اول خان کچھ دیر تک حامد پر برستا رہا۔ اسے قلق تھا کہ روی موہن کی گاڑی کے پیچھے لگ جانے کے بعد کسی مرحلے پر دھوکا کھاگیا اور اس کا سراغ گنوا بیٹھا۔ پھر اسے خود ہی اپنی زیادتی کا احساس ہوگیا۔ دھیمے اور ناصحانہ لہجے میں چند فقرے ادا کرنے کے بعد اس نے بات ختم کردی۔

"تمہارے بھائی کے ہاتھ صاف نہیں ہیں۔" حامد سے گفتگو ختم کرنے کے بعد اول خان نے جگدیش کو قہربار نظروں سے گھورتے ہوئے کہا "وہ یہاں سے اس طرح دیوانہ وار فرار ہوا ہے کہ میرے آدمی پوری کوشش کے باوجود اس تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔"

"انہوں نے کچھ نہیں کیا۔ وہ شریف آدمی ہیں۔" جگدیش سے پہلے اس کی بھاوج سہمی ہوئی آواز میں بول پڑی "میں نے خود دیکھا تھا۔ وہ بالکونی سے آئے تو ان کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا' انہیں بہت درد ہورہا تھا۔"

"وہ جھوٹا اور فریبی ہے۔" اول خان اس کی بات کاٹ کر برس پڑا "اپنے بچانک پر ہمارے آدمیوں کو دیکھ کر اس کے پیٹ میں درد اٹھا ہوگا۔ وہ اپنڈکس کا نہیں' خوف اور دہشت کا درد تھا کہ اب وہ پکڑا جائے گا۔"

"وہ کیوں پکڑے جاتے!" روی کی بیوی نے کمزور آواز میں احتجاج کیا "انہوں نے کوئی جرم تو نہیں کیا۔"

"کیوں مردوں کے منہ لگ رہی ہو؟" اس بار جگدیش نے اپنی کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے اسے ڈانٹ دیا "تجھے کیا پتا کہ تیرے میکے والے میرے بھائی کی آڑ میں کیا گل کھلا رہے ہیں... میرا زیادہ منہ نہ کھلوا۔"

اس کے شانے ڈھلک گئے اور آنکھوں میں خوف کی سفیدی گہری ہوگئی۔ اس نے اپنے سینے پر آئی ہوئی سیاہ چوٹی کو پشت پر ڈالا اور یوں پشت گاہ سے ٹک گئی جیسے اسے چکر آگئے ہوں۔

"اپنڈکس کا درد اٹھتا ہے تو آدمی گاڑی چلانے کے قابل نہیں رہتا۔" میں نے اس سے مخاطب ہوکر نرمی سے کہا۔ "روی گاڑی کو تیز رفتاری سے بھگا کر لے گیا ہے۔ اس نے تم سے بہانہ کیا ہوگا۔"

"وہ اچھے خاصے میرے ساتھ بیٹھے رمی کھیل رہے تھے اور بہت خوش تھے۔" میری نرمی کا سہارا پاکر وہ روہانسی آواز میں بتانے لگی "کسی بات پر چونک کر بالکونی تک گئے' واپس آئے تو چہرہ فق تھا۔ میں گھبرا گئی۔ پوچھا تو کہنے لگے کہ انہیں اپنڈکس کا درد اٹھا ہے۔ پھر وہ جلدی جلدی کپڑے بدل کر گھر سے نکل گئے۔ وہ ڈاکٹر کے پاس ہی گئے ہوں گے۔"

"ڈاکٹر رام دیال ہمارا فیملی فیزیشن ہے" جگدیش ہانپتے ہوئے بولا "غصے اور ذہنی تناؤ کی شدت سے اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر ابلتی ہوئی محسوس ہورہی تھیں "روی کو

Downloaded from https://paksociety.com

یوں سر پر پیر رکھ کر کہیں بھاگنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ رام دیال کو ایک فون کرتا تو وہ سر کے بل یہاں دوڑا چلا آتا۔ میں اسے ہر مہینے کس بات کے چار ہزار روپے دیتا ہوں؟"

"میں نے بھی ان سے یہی کہا تھا" روی کی بیوی کی آواز تقریباً رو دینے والی ہو گئی "وہ کہہ رہے تھے کہ ڈاکٹر رام دیال فزیشین ہے۔ ان کا معاملہ کوئی بہترین سرجن ہی حل کر سکتا ہے۔"

"اُلّو کا پٹھا ہے وہ!" جگدیش اپنی بھاوج کی پیش کی ہوئی وضاحت پر چڑ گیا "رام دیال ہم سب کا معالج ہی نہیں' دوست اور خیر خواہ بھی ہے۔ وہ سرجن کے پاس جانے کے لیے بھی کوئی اچھا مشورہ دے سکتا تھا' کوئی نام بتا سکتا تھا۔ اب روی پورے شہر میں کس کس سرجن کے مطب پر دستک دے گا۔ اچھے سرجن مصروف ہوتے ہیں۔ کوئی بھی اسے مہینوں سے پہلے کی تاریخ نہیں دے گا۔"

جگدیش اپنے غصے کی رو میں ایک بات کہہ گیا تھا مگر وہ میرے ذہن سے چپک کر رہ گئی۔ منہ مانگی فیس کی پیشگی ادائیگی کے باوجود شہر کے نامور اور ماہر معالجین سے فوری ملاقات کا وقت لینا واقعی ایک سنگین مسئلہ بن چکا تھا۔ مریض کا مسئلہ کتنا ہی سنگین اور فوری نوعیت کا ہو' معالج کی بروقت دستیابی ممکن نہیں تھی۔ ایسی حالت میں مطب کا نچلا عملہ مریض کے لواحقین کو یہی مشورہ دیتا تھا کہ وہ مریض کی جان بچانے کے لیے اسے فوری طور پر کسی اچھے اسپتال میں لے جائیں۔ شہر کے بیشتر بڑے اسپتالوں میں ہر شعبے کے ماہرین قدرے آسانی سے رابطے میں آجاتے ہیں لیکن ان اسپتالوں کے بارے میں سینہ بہ سینہ پھیلنے والی کہانیاں' موت سے خائف مریضوں کے قدموں کی زنجیر بن جاتی ہیں۔

"بھگوان کرے کہ انہیں ایڈکس کی تکلیف نہ ہوئی ہو' انہوں نے مجھ سے بہانہ کیا ہو۔"

وہ رندھی ہوئی آواز میں اپنے شوہر کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کر رہی تھی مگر جگدیش معاملے کی سنگینی کا اندازہ لگا چکا تھا۔ اس نے کھردرے لہجے میں اپنی بھاوج کو ڈانٹ دیا "ماروتی! اب میرے کان مت کھا۔ روی کو کہیں کوئی درد نہیں تھا۔ یہ سب سرکاری آدمی ہیں۔ دروازے پر ان کی بھیڑ دیکھ کر وہ یہاں سے بھاگا ہے۔ اس کے دل میں چور ہے۔"

"بھایا جی! تم تو ان پر الزام تراشی نہ کرو!" ماروتی نے اپنی بھیگتی ہوئی متوحش نگاہیں اپنے جیٹھ کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔ وہ اپنے شوہر کی مدافعت کے لیے اس وقت کسی زخمی شیرنی کی طرح غرائی تھی "ابھی تم میرے میکے والوں کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔ اب ان کو چور بنا رہے ہو۔ انہوں نے کیا چرایا ہے تمہارا؟"

"عزت!" جگدیش نے دونوں ہاتھ اپنی کھوپڑی پر رکھ کر کہا "اس نے یہاں سے بھاگ کر میری عزت چرائی ہے' میرے ماتھے پر کالک لگائی ہے۔ بتا' اب میں ان دونوں کو کیا جواب دوں؟"

"تم سے ان کے سوالوں کا کوئی جواب نہیں بن پڑتا تو تم اندر جا کر آرام کرو۔ میں خود ان کے ہر سوال کا جواب دے لوں گی۔ دیکھتی ہوں کہ یہ روی کو کیسے ہاتھ لگاتے ہیں۔"

میں ماروتی کے تیزی سے بدلتے ہوئے تیوروں کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ ہمارے مقابلے میں اپنے جیٹھ کی پسپائی اور بے بسی کو محسوس کرتے ہی اس کا خون کھول اٹھا تھا اور اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی خوف کی زردی' حیات آفریں سرخی میں تحلیل ہونے لگی تھی۔

اپنی بھاوج کا جواب سن کر جگدیش دہاڑتا ہوا اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا "ماروتی!" وہ غصیلی آواز میں دہاڑا "یہ نہ بھول کہ تو راجپوت خاندان کی بہو ہے۔ ہم اپنی بہو بیٹیوں کو یوں اجنبیوں کے ساتھ اکیلا چھوڑنے سے پہلے سب کو مار دیتے ہیں یا خود مر جاتے ہیں۔ تو عورت ہے اور عورت ہی رہ۔ تیرا آدمی بھاگ گیا مگر میں بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اپنی آن اور عزت کے لیے ان لوگوں سے آخری سانس تک قانونی لڑائی لڑوں گا۔ مجھے زیادہ ہوشیاری دکھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"تم اپنے لیے لڑو گے' روی کی گردن پھنسوا دو گے۔ تمہاری باتوں سے لگ رہا ہے کہ اب اس سے تمہارا دل بھر گیا ہے۔ اسے راستے سے ہٹا کر تم کاروبار پر قبضہ جمانے کی سوچ رہے ہو" ماروتی ایک دم بھڑک اٹھی۔

اول خان نے ان دونوں کے گھریلو جھگڑے میں دخل انداز ہونے کی کوشش کی مگر میں نے اس کا پیر دبا کر اسے وہیں خاموش کر دیا۔ ان دونوں کی آرا کا وہ سنگین تصادم ہمارے حق میں تھا۔ اندر کی کچھ ایسی گرہیں کھل کر سامنے آسکتی تھیں جن کی بنا پر ہمارا کام آسان ہو سکتا تھا۔

جگدیش اس کا وہ الزام سن کر سکتے میں آگیا۔ اس کے چہرے سے گہرے صدمے کے آثار نمایاں تھے۔ چند ثانیوں تک وہ ملامت بھری نظروں سے ماروتی کو گھورتا رہا پھر ذرا نیچی آواز میں بولا "تو راجپوت خاندان میں ضرور آگئی ہے لیکن تیری گندی سوچ ابھی تک نہیں بدلی۔ تو نے میرے مان

Downloaded from https://paksociety.com

کا خون کردیا' ماروتی! میں تجھے بات سلجھانے کے لیے یہاں لایا تھا مگر تو نے سب کچھ الجھا کر رکھ دیا ہے۔ اپنے گھر اور سوچ کا سارا گند بیچ چوراہے پر لے آئی ہو۔"

"یہاں سے بھاگنے والا میرا پتی ہے تو تمہارا بھی چھوٹا بھائی ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے میرے میکے کا نام کیوں لیا؟ میرے میکے والوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟" ماروتی باقاعدہ محاذ آرائی پر تل گئی تھی۔ غصے میں آنے کے بعد اس کے سوگوار چہرے پر حسن کا ایک عجیب سا نکھار اتر آیا تھا۔

"حیدر آباد والا ہری چند تمہارا بھائی ہے کہ نہیں؟" جگدیش نے دوٹوک انداز میں پوچھا۔

"ہے... مگر سگا نہیں خالہ زاد بھائی ہے۔" ماروتی نے محتاط الفاظ میں اعتراف کیا۔

"اسی کے لچھنوں کی وجہ سے یہ سرکاری نفری ہماری دہلیز پر آئی ہے۔"

"کان کھول کر سن لو' بھایا جی! ہری چند نے تم سے نوکری مانگی تھی نہ میں نے تم سے اس کی سفارش کی تھی۔" ماروتی کی زبان سے الفاظ تیروں کی طرح نکل رہے تھے "تم کو حیدر آباد کے لیے بھروسے کے ایک آدمی کی ضرورت تھی۔ تم وہاں گھر کا آدمی رکھنا چاہتے تھے لیکن تمہارے خاندان میں سب ٹیڑھے ہیں۔ راجپوت دوسروں کی غلامی کرلیتے ہیں لیکن کسی اور راجپوت کی نوکری پسند نہیں کرتے۔ اس سے ان کی باولی عزت پر حرف آتا ہے۔"

"ہمیں چھوڑ... اپنی بات کر" جگدیش نے اسے ڈانٹا "ہر اونچے اور بڑے خاندان میں کوئی نہ کوئی ٹیڑھ ہوتی ہے اور یہی اس کی پکی شناخت ہوتی ہے۔ جاٹ' جولاہے' تیلی اور کمہار مر کر بھی ہماری برابری نہیں کرسکتے۔"

"تم نے اپنی غرض سے اسے بلایا تھا" ماروتی اس بار فضا میں ہاتھ نچا کر تیزی سے بولی۔ اس میں چھپی ہوئی عورت رفتہ رفتہ باہر آتی جارہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی "ہری چند گلی لگائی نوکری چھوڑ کر تمہارے پاس آیا تھا۔"

"کیوں نہ آتا؟ ہم نے اسے دگنی تنخواہ دی تھی۔ یہ سب روی کی تجویز تھی اور میں نے اسے مان لیا تھا مگر اس نمک حرام نے ہمارے احسان کا یہ بدلہ دیا ہے کہ ہم مشکل میں پڑ چکے ہیں۔"

"قصور ہری چند کا ہے تو یہ تمہارے گھر کیوں آئے ہیں؟ جا کر اس کی گردن ناپیں۔"

"مجھے نظر آرہا ہے کہ وہ بھی نہیں بچے گا۔ ہمارا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ ہمارا ملازم ہے۔ روی یہاں آکر ان شریف آدمیوں سے دو منٹ بات کرلیتا تو ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجاتا۔"

ماروتی کی بڑی بڑی آنکھیں حرکت کرتی ہوئی' پہلی بار میرے چہرے پر مرکوز ہوئیں اور میرے بدن میں سنسنی کی لہر سی دوڑ گئی۔ ایسی جان دار اور طلب گار نگاہیں میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ ان آنکھوں میں سوال کے ساتھ مفاہمت کا ایک عجیب سا پیغام بھی پوشیدہ تھا جسے صرف محسوس کیا جاسکتا تھا' ضبطِ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا تھا۔

ماروتی کی بڑی بڑی' سیاہ غلافی آنکھوں کی کشش نے مجھے ایسا 'سحور' کیا کہ میں اس کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی بے ساختہ بول پڑا "جگدیش ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اس وقت کی صورت یہی ہے کہ اصل مجرم ہری چند ہے لیکن روی موہن نے ہمیں دیکھ کر یہاں سے فرار ہونے کے نتیجے میں خود کو مشکوک بنالیا ہے۔"

"اگر وہ آکر تم سے مل لیں تو یہ قصہ یہیں نمٹ جائے گا؟" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں!" بے ساختہ میرے منہ سے نکل گیا مگر میں نے فوراً ہی اپنی غلطی کا ادراک کرتے ہوئے اپنے یک لفظی جواب کی وضاحت کی "مگر یہ کہنا مشکل ہے کہ نتیجہ کیا ہوگا۔ روی اپنے سالے کے جرم میں شریک ہے تو وہ بھی پھنسے گا۔"

"روی ایسے نہیں ہیں۔ میں انہیں تلاش کرتی ہوں۔ انہوں نے مجھ سے بہانہ کیا تھا تو انہیں واپس تمہارے سامنے آنا ہوگا۔ وہ کسی اسپتال میں داخل ہوگئے ہیں تو تم وہاں جاکر ان سے مل سکتے ہو۔"

"تمہیں یقین ہے کہ تم اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہوجاؤ گی؟"

"لگن کے ساتھ کوشش کی جائے تو بھگوان بھی مل جاتا ہے' روی تو میرے شوہر ہیں" اس کے نرم و نازک لبوں پر پہلی بار ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی۔ اس کی وہ مسکراہٹ بہت پُرکشش بلکہ دل فریب تھی۔ شاید اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ میں اس کے جسن سے کسی حد تک متاثر ہوچکا تھا اور وہ جگدیش کی موجودگی کو نظرانداز کرکے مجھے اپنے جال میں گھیرنے کی کوشش کررہی تھی۔

میرے ذہن میں کہیں سے سفید نیولا در آیا۔ اس نے ہمارے گھر میں گھس کر ویرا کو اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ اس کی ناکامی کا سبب یہ تھا کہ واردات کے دوران میں ہی اس کے دماغ پر شیطان سوار ہوگیا اور وہ ویرا کو اٹھالے

Downloaded from https://paksociety.com

جانے سے پہلے اس کی تذلیل پر تل گیا۔ وہ اپنی اس کوشش میں بھی ناکام رہا مگر اس دوران میں اس نے ویرا کے ساتھ جو سلوک کیا' وہ اشتعال انگیز تھا۔ ویرا نے بہت نفرت اور کراہت سے وہ لمحے گزارے تھے۔

ہم کرشن کمار یا سفید نیولے تک نہیں پہنچ سکے تھے مگر اس کے ایک ہمدرد گھرانے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس گھر کی بہو میرے روبہ رو تھی۔ چند فطری اور لحاتی دلچسپیوں سے قطع نظر' مجھے اس خاتون سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن اگر وہ خود ہی پیش رفت کر کے مجھے ویرا کا انتقام لینے پر آمادہ کرنا چاہ رہی تھی تو وہ اس کی خوشی تھی' میں اسے نہیں روک سکتا تھا۔

میری ساری دلچسپی صرف اور صرف کرشن کمار کی ذات تک محدود تھی۔

جگدیش جہاں دیدہ آدمی تھا۔ جب تک بات الفاظ کے ذریعے ہوتی رہی' وہ خاموشی اور غور سے سب کچھ سنتا رہا لیکن جب ماروتی کے ہونٹوں پر اکسانے والی مسکراہٹ نمودار ہوئی تو اسے خطرے کا اندازہ ہو گیا۔

ماروتی نے بہت چالاکی کے ساتھ اسے سارے معاملات سے الگ تھلگ کر کے مذاکرات کی باگ ڈور خود سنبھال لی تھی اور حسن اور ذہانت کے مشترک استعمال کے ذریعے' آئی ہوئی بلا کو ٹالنے کا ارادہ کر چکی تھی۔

"ماروتی! روی تیری یہ ہنسی دیکھ لیتا تو ابھی ناک چوٹی کاٹ دیتا۔ اسے تلاش کر سکتی ہے تو اوپر اپنے کمرے میں جا۔ ہر جگہ فون کر۔ وہ اپنے کسی نہ کسی دوست کے گھر پہنچا ہو گا۔"

"فون پر روی کے دوست مجھے ٹال سکتے ہیں" ماروتی نے جگدیش کو نظر انداز کر کے مجھ سے کہا "میں سوچ رہی ہوں کہ تمہارے ساتھ اس مہم پر نکلوں۔ وہ کہیں نہ کہیں مل جائیں گے۔ یہ ان کی مرضی ہو گی کہ وہ میری ناک چوٹی کاٹ لیں یا اپنے لالچی بھائی کی کھوپڑی میں بھرا ہوا بھس باہر نکال پھینکیں" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اس مرتبہ بات جگدیش کی برداشت کی حد سے تجاوز کر چکی تھی۔ وہ جھپٹ کر ماروتی پر ٹوٹ پڑا۔ ماروتی چیخ چیخ کر اسے بُرا بھلا کہنے لگی مگر وہ اسے دھکے دے کر کسی نہ کسی طرح اندر پہنچانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

اسے گھر والوں کے حوالے کر کے وہ واپس آیا تو بری طرح ہانپ رہا تھا اور اس کا پورا بدن پسینوں میں شرابور تھا۔ ڈرائنگ روم میں آتے ہی وہ کرسی پر گرا اور اسکاچ کی ایک بوتل سے منہ لگا کر غٹاغٹ دو گھونٹ اپنے معدے میں اتار لے گیا۔

وہ غیر مسلم تھا' شراب کا پرانا بیوپاری تھا اس لیے اس کا عادی شرابی ہونا قرین قیاس تھا مگر یہ بات بھی یقینی تھی کہ مہذب عادی شرابیوں کی طرح وہ بھی کچھ ملائے بغیر' نیٹ پینے کا عادی نہیں رہا ہو گا۔ اس وقت جگدیش نے بوتل سے منہ لگا کر جو حرکت کی تھی اور اس نے جیسے بُرے بُرے منہ بنائے تھے' اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ شدید ذہنی دباؤ سے نجات حاصل کرنے کے لیے وہ اضطراری طور پر وہ حرکت کر گزرا تھا ورنہ وہ اس کا معمول نہیں تھا۔

اندر سے دھینگا مشتی اور کئی عورتوں کے زور زور سے بولنے بلکہ چیخنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ان میں ماروتی کی آواز سب سے نمایاں تھی۔ جگدیش نے اسے اندر ضرور پہنچا دیا تھا مگر وہ وہاں بھی مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ جگدیش سے ہونے والی لڑائی نے پورے گھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

"تمہاری بھاوج بہت منہ زور اور گستاخ عورت ہے" اول خان نے ہمدردی سے کہا۔

"آج اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ میرے سامنے یوں زبان کھولی ہے" جگدیش نے اپنی توند پر ہاتھ پھیرتے ہوئے تھکی ہاری آواز میں جواب دیا "ہم برسوں سے ایک ساتھ رہ رہے ہیں مگر آج ماروتی نے مجھے گہرا صدمہ پہنچایا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ کسی وقت یوں بازاری عورتوں جیسی حرکتوں پر اتر آئے گی۔"

"تم کو ہمارا ہم خیال پاتے ہی اسے جھٹکا لگا ہے اور وہ خود کو اچانک اکیلا سمجھنے لگی" اول خان نے بات ذرا آگے بڑھائی "اس نے اپنے شوہر کو بچانے کے لیے خود ہی سب کچھ کر گزرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ کوئی بھی خانہ دار عورت اتنی آسانی سے یہ حقیقت قبول نہیں کر سکتی کہ اس کا شوہر کسی سنگین جرم میں ملوث ہے۔"

"ہم عزت دار لوگ ہیں" وہ گہرے گہرے سانس لیتا ہوا بولا "آج روی اور اس کی بیوی نے ہمارے خاندان کے نام اور ساکھ کو تباہ کر دیا۔۔۔ مجھے بتاؤ کہ روی کیا کرتا پھر رہا ہے۔۔۔ وہ میرا بھائی اور میرا خون ہے مگر میں تمہارا پورا پورا ساتھ دوں گا۔ اگر اس نے کوئی جرم کیا ہے تو اسے اس کی سزا ملنی چاہیے۔"

"کچھ پکے بدمعاش اور مجرم ہوتے ہیں جن کا پیشہ ہی جرم کے ذریعے روزی کمانا ہوتا ہے۔" میں نے ان دونوں کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "وہ جیل اور حوالات میں بند

Downloaded from https://paksociety.com

رہیں یا اپنے گھر میں' انہیں اور ان کے گھر والوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ان کے مقابلے میں سفید پوش مجرم بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ وہ معاشرے میں اپنی عزت اور ساکھ سے فائدہ اٹھا کر بہت کچھ کرتے ہیں اور کسی کو کانوں کان کچھ پتا نہیں چلتا۔ جوں ہی ان کے چہرے سے نقاب اترتا ہے' ان کا سب کچھ یکایک تباہ ہوجاتا ہے۔ گھربار سے لے کر عزت آبرو' ساکھ اور کاروبار تک ہر چیز تباہ ہوجاتی ہے۔ روی نے گھر سے بھاگ کر اپنے جرائم کا آدھا اعتراف کرلیا ہے۔"

"ماروتی ذرا نیچی ذات کی عورت ہے۔ روی نے اسے اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اپنے گھر میں ڈال لیا تھا۔ وہ ایک ہی جھٹکے میں اپنی اصلیت پر آگئی۔ اگر تم لوگوں نے روی کے بارے میں کچھ ثابت کردیا تو سب سے زیادہ صدمہ اسی کو ہوگا۔ ہمارے خاندان میں آنے کے بعد اس نے ہمیں کبھی کسی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ آج پہلی بار میرے سامنے تن کر کھڑی ہوئی ہے۔"

"اس وقت وہ تمہیں اپنا اور روی کا دشمن سمجھ رہی ہے۔ اس کی یہ غلط فہمی جلد ہی دور ہوجائے گی" میں نے کہا۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں' روی کی گھٹیا اور بزدلانہ حرکت میرے سامنے ہے مگر پھر بھی بھگوان سے میری دعا ہے کہ میرا دیکھا اور سنا ہوا' سب غلط ہو اور روی آخر میں بالکل بے گناہ نکلے پھر بھی میرا رویہ شریفانہ ہے۔"

امید پر ہی دنیا قائم ہے اور ہر انسان امیدوں کے سہارے ہی جیتا ہے۔ جگدیش کو اپنی آرزو کے اظہار کا پورا پورا حق حاصل تھا۔ مجھے خود بھی اس کے بھائی سے کوئی پرخاش نہیں تھی۔ میں نے اس کی بات پر کوئی اعتراض کیے بغیر کہا "ہوسکتا ہے کہ اسے بھی اپنے رویے میں کوئی برائی محسوس نہ ہورہی ہو۔ ایک اچھی بیوی کی طرح وہ اپنے شوہر کو ہر شک سے بچانے کی کوشش کررہی ہے۔"

"مگر کس قیمت پر؟" اس نے برجستہ کہا "وہ جس طرح سینہ تان کر' آنکھیں جھپکا جھپکا کر اور مسکرا کر تم سے باتیں کررہی تھی' وہ کسی اچھی بیوی کو زیب دیتا ہے؟ وہ تم پر دوسرے ہتھکنڈے آزمانے کے چکر میں ہے۔"

"تم اس کے بڑے ہو۔ ہم تمہارے لیے غیر بلکہ شاید دشمن ہیں اس لیے تم ٹھیک سوچ رہے ہو" میں نے سگریٹ کا کش لے کر سنجیدگی سے کہا "ایک آدھ بار مجھے بھی محسوس ہوا تھا کہ وہ ہمیں رجھانے کی کوشش کررہی ہے مگر ہمارے نزدیک فرض ہر شے پر مقدم ہے۔ ہمارے نزدیک ماروتی کے حسن کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ ساری اہمیت اس بات کی ہے کہ وہ روی کی بیوی ہے اور اس کے ایسے دوستوں کے بارے میں جانتی ہے جن کے پاس وہ پناہ لے سکتا ہے۔"

جگدیش نے چونک کر میری بات کاٹ دی "ابھی تک تم نے صرف ایک واردات کا ذکر کیا ہے جس میں ہری چند کی گاڑی پکڑی گئی ہے۔ تم نے یہ نہیں بتایا کہ واردات کیا تھی اور روی کا جرم کیا ہے۔"

اس کا سوال جائز تھا۔ اسے وہ خیال بہت دیر سے آیا تھا۔ میں نے اسے بتایا "جرم نہیں بلکہ جرائم کا ایک سلسلہ ہے جس میں روی ملوث ہوسکتا ہے۔ قتل' اغوا سے لے کر ملک کے خلاف سازش جیسے معاملات ہمیں تمہارے گھر تک لائے ہیں۔"

بے اعتباری سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں اور وہ خوف زدہ آواز میں بولا "روی جیسا بھی ہو' اتنا برا نہیں ہوسکتا۔ قتل تو کیا' وہ کسی کو زخمی بھی نہیں کرسکتا۔ وہ یہاں عزت سے رہ رہا ہے۔ کھا کما رہا ہے۔ وہ اس ملک کے خلاف سازش کیوں کرے گا؟"

میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا "تم کرشن کمار کو جانتے ہو؟"

جگدیش کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا اور کہا "تم کس کرشن کمار کی بات کررہے ہو؟ یہ بہت عام سا نام ہے۔ دو کرشن میرے دفتر میں کام کرتے ہیں۔ تیسرا..."

"اب تم ماروتی بننے کی کوشش کررہے ہو" میں نے اس کی نگاہوں میں پوشیدہ خوف کو بھانپتے ہوئے سختی سے اس کی بات کاٹ دی "تم کو معلوم ہے کہ میں کس کرشن کمار کی بات کررہا ہوں۔"

"وہ کھوکھرا یا روالا کرشن کمار ہی ہوسکتا ہے۔ بچوں سے ملنے کے لیے میں میرپور خاص جاتا رہتا ہوں۔ وہیں دو تین بار اس سے ملاقات ہوئی ہے۔ وہ بہت دردمند دل کا مالک ہے اور تھر کے دور افتادہ علاقوں کے غریب لوگوں کے لیے بڑا کام کررہا ہے۔"

"تو کیا تمہارے بچے اتنے بڑے ہیں کہ کرشن کمار ان کا دوست ہوسکتا ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"بڑے کیا' بھگوان کی مہربانی سے تینوں جوان ہیں' دو بیٹے میرے ہیں' تیسرا روی کا ہے۔ ہم لوگ کم عمری میں شادی کرلیتے ہیں اس لیے ہمارے بچے ہمارے بڑھاپے سے پہلے جوان ہوکر سہارا بن جاتے ہیں مگر یہ تینوں عجیب ہیں' کراچی میں ان کا دل نہیں لگتا۔ اپنے آبائی گھر اور ماحول میں

Downloaded from https://paksociety.com

بہت خوش رہتے ہیں۔"

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا" میں نے اسے یاد دلایا "کرشن کمار ان میں سے کس کا دوست ہے؟"

"ان سے ملتا جلتا رہتا ہے مگر اس کی دوستی روی سے ہے۔ روی اکثر میرپور خاص جاتا رہتا ہے۔ پہلے کرشن کمار بھی وہیں رہتا تھا۔ بعد میں وہ کھوکھراپار چلا گیا مگر میرپور خاص میں اس کا گھر اب بھی ہے۔"

"تمہیں پتا چلا ہوگا کہ اس گھر میں کیا دھندے ہوتے تھے؟" میں نے پوچھا۔

وہ لمحہ بھر کے لیے ہچکچایا پھر بولا "مجھے یہ سب نہیں معلوم لیکن چند روز پہلے وہاں خوں ریزی ہوئی تھی۔ کچھ لوگ مارے گئے۔ میرپور خاص میں ابھی تک خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے۔ پولیس پکڑ دھکڑ کر رہی ہے مگر کسی کو نہیں معلوم کہ اس رات کرشن کمار کے گھر میں کیا ہوا تھا؟"

"تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔ تم اپنے آبائی شہر کے حالات سے باخبر رہتے ہو۔ یہ ایک اچھی عادت ہے" میں نے اس کے کھلے رویّے کو سراہتے ہوئے کہا "کرشن کمار کے آدمیوں سے میرپور خاص میں شروع ہونے والی لڑائی اب کراچی تک آپہنچی ہے۔ کرشن کمار آخری بار یہاں کب آیا تھا؟" میں نے آخری سوال اچانک ہی پوچھا تھا۔

"وہ تھر کا سوشل ورکر ہے۔ روی اسے چندے بھی دیتا رہتا تھا مگر وہ یہاں کبھی نہیں آیا۔ دراصل وہ نظر کا خراب آدمی ہے۔ ہم بال بچوں والے ہیں، چھڑے دوستوں کو گھر میں بلانا معیوب سمجھتے ہیں۔"

"ہری چند کی گاڑی میں اس نے چار ابنا کرتین بھیلوں کو کراچی روانہ کیا تھا۔ ان کے پیچھے پیچھے وہ خود بھی یہاں آیا ہوا ہے اور اب ہمیں اسی کی تلاش ہے۔ وہ کہاں مل سکے گا؟"

"مجھے نہیں معلوم" اس نے بے بسی سے کہا "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ کراچی میں میری اور اس کی کبھی کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔ کبھی روی نے بھی اس کے آنے کا ذکر نہیں کیا۔ مجھے یہ سب بہت زیادہ الجھا ہوا نظر آرہا ہے۔"

"میرے ذہن سے سوچو گے تو تمہاری ہر الجھن رفع ہو جائے گی۔ ہمارے یہاں آتے ہی روی نے گھر سے فرار ہو کر بات صاف کر دی ہے۔ وہ یہاں رکا رہتا تو ہمارے لیے الجھنیں پیدا ہو سکتی تھیں۔ تم دو اور دو چار کرنے والے ہو۔ ذرا سی عقل لڑاؤ گے تو تم بھی اس نتیجے پر پہنچو گے کہ کرشن کمار اور روی موہن میں گہرا گٹھ جوڑ ہے۔"

جگدیش کے چہرے پر خوف کی جگہ تشویش کے سائے لہرانے لگے اور وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا "اگر رام نہ کرے، تمہاری باتیں درست ہیں تو روی موت کے راستے پر بھاگ رہا ہے۔ ہم ہندو ہیں، ہمیں لوگ ویسے ہی شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ کوئی انیس بیس ہو گئی تو ذرا سی دیر میں رائی کا پہاڑ بنا دیا جائے گا۔"

"ہم یہاں کافی وقت گزار چکے ہیں۔" اول خان نے اکتائے ہوئے انداز میں زبان کھولی "اب چلنا چاہیے۔"

"جانے سے پہلے ہمیں روی کے قریبی دوستوں کا نام، پتے اور فون نمبر درکار ہیں" میں نے جگدیش کو آگاہ کیا۔

"وہ مجھ سے سات برس چھوٹا ہے۔ میری گود کا کھیلا ہوا ہے۔ رشتے داریوں کی بات الگ ہے ورنہ ہم دونوں کے ملنے جلنے والوں کے حلقے الگ الگ ہیں۔ کسی کسی سے بس سرسری دعا سلام ہے۔ میں اس بارے میں کچھ مدد نہیں کر سکتا۔"

"ماروتی باخبر معلوم ہوتی ہے۔ وہ ہمارے ساتھ روی کی تلاش میں نکلنے پر آمادہ تھی" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"مہاراج!" جگدیش نے التجائیہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے "اس وقت اسے نہ چھیڑنا، وہ بہت بپھری ہوئی ہے۔ تمہارے ساتھ نکل کھڑی ہوئی تو ہماری ناک کٹ جائے گی۔ شریف گھرانوں کی بہو بیٹیوں کا یہ دستور نہیں ہوتا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ روی کے بارے میں کوئی ذرا سا بھی سراغ ملا تو میں تم کو خبر کر دوں گا۔"

میں طنزیہ انداز میں ہنس پڑا "وہ کرشن کمار کی طرح لنڈورا نہیں ہے۔ ماروتی جیسی خوبصورت بیوی کا شوہر ہے۔ گھر بار کو وہ کب تک بھولا رہے گا؟ ہمارے آدمی تمہارے گھر اور دفتر کی نگرانی کریں گے۔ وہ جہاں بھی آیا، چوہے کی طرح پکڑا جائے گا۔"

جگدیش اپنے بے ہنگم وجود اور اس میں سمائی ہوئی پیچیدگیوں کے باعث کسی بھی طرح ایک عام آدمی قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ ہماری آمد کے بعد پیش آنے والے واقعات نے اس کی رہی سہی ہمت بھی ختم کر دی تھی۔ وہ ڈرائنگ روم سے نکل کر ہانپتا ہوا، مشکل سے ہمارے ساتھ برآمدے تک آیا۔ اس کی پتلی حالت کے پیشِ نظر ہم نے اس سے وہیں ہاتھ ملائے اور آگے بڑھ گئے۔

ہم برآمدے سے اترے ہی تھے کہ کوئی چیز میرے شانے سے ٹکرا کر پختہ فرش پر لڑھک گئی۔ میں نے چونک کر فرش کی طرف دیکھا تو لائن دار کاغذ کی ایک وزنی سی گولی نظر آئی۔ اسے اٹھاتے ہوئے غیر ارادی طور پر میری گردن پیچھے گھوم

Downloaded from https://paksociety.com

گئی۔

برآمدہ خالی تھا۔ جگدیش ہم سے گلوخلاصی حاصل کرتے ہی اندر جاچکا تھا اور اوپری منزل کی ایک بالکونی میں ماروتی کھڑی ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔ مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی وہ مسکرائی اور اس نے دھیرے سے ہاتھ ہلایا۔

اپنے چہرے سے وہ بہت پرجوش نظر آرہی تھی مگر اس کے اظہار سے مجبور تھی۔ وجہ یہ تھی کہ اوپر کی بالکونی میں کھڑے ہونے کی وجہ سے وہ پھاٹک سے باہر تک' ہر ایک کی نگاہوں کی زد میں تھی۔ ان میں ایس ٹی ایف کے آدمی اس کے لیے بے ضرر تھے لیکن مون ہاؤس کا چوکیدار اس کے بارے میں جگدیش سے کوئی مخبری کرسکتا تھا۔

کاغذ کی گولی اٹھاتے ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ صرف کاغذ نہیں تھا۔ ماروتی نے اسے اپنے نشانے تک پہنچانے کے لیے کنکریا کسی اور بھاری چیز کے گرد لپیٹا تھا تاکہ ہوا سے اس کا رخ تبدیل نہ ہوسکے۔

وہ یقیناً ماروتی کی طرف سے کوئی پیغام تھا۔ اس کاغذ کو وہیں کھول کر پڑھنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے وہ گولی اسی طرح اپنی جیب میں ڈالی اور اول خان کے ساتھ پھاٹک کی طرف بڑھتا رہا۔

جگدیش سے رخصت ہونے کے بعد جو کچھ ہوا وہ اول خان کی نظروں میں آچکا تھا۔ چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد وہ سوال کیے بغیر نہ رہ سکا "ماروتی نے تمہیں کوئی خاص پیغام دیا ہے۔ ویرا ٹھیک کہتی ہے کہ عورتیں بہت جلد تمہاری طرف مائل ہوجاتی ہیں۔"

میرے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی "ویرا کی بہت سی باتیں بے سروپا ہوتی ہیں۔ میں ان پر دھیان نہیں دیتا۔ حیرت ہے کہ تم نے اس کی کہی ہوئی ایک مہمل سی بات یاد رکھی ہے۔"

"ہم دونوں شروع سے اب تک ساتھ ساتھ ہیں۔ وہ میری طرف متوجہ کیوں نہیں ہوئی؟"

"رشک یا حسد کرنے کی ضرورت نہیں' یہ پیغام تم لے لو۔ ابھی میں نے اسے پڑھا بھی نہیں ہے" میں نے ہنس کر پیش کش کی۔

"بات مذاق میں مت ٹالو۔ یہ ایک اہم سوال ہے' تمہاری کامیابی میں کئی بار ایسی من چلی عورتوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔"

"اس میں کبھی بھی میرا کوئی قصور نہیں رہا' جو کچھ ہوتا ہے' بس ہوتا چلا جاتا ہے۔"

"ہمیں اس نئی راہ پر ڈالنے کا سہرا بھی نیما کے سر ہے" اول خان نے کہا "وہ نسرین کے گھر میں مقبول چوہدری کی روپوشی اور اس کے کسی اہم بریف کیس کی موجودگی کے بارے میں مخبری نہ کرتی تو ہم فورڈ فاؤنڈیشن کے خلاف اکرم الٰہی کی بنائی ہوئی فائل تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ہمیں آگے بڑھنے کی راہ ان ہی کاغذوں سے ملی ہے۔"

ہم گیٹ تک پہنچ چکے تھے۔ گفتگو کا وہ سلسلہ وہیں منقطع ہوگیا اور ہم مون ہاؤس سے نکل گئے۔

باہر اول خان کی پوری نفری موجود تھی۔ حامد قصوردار نہ ہونے کے باوجود سرجھکا کر اس کے پاس آیا "سوری سر! ابتدا سے ہی ہمارے اور اس کے درمیان کافی فاصلہ تھا اور اندھیرے کی وجہ سے ہم غلط گاڑی کے پیچھے لگ گئے تھے۔"

"اوکے۔ اوکے!" اول خان نے اس کی بات کاٹ دی "جو ہوا' اسے بھول جاؤ اور اسٹیشن فور پہنچ کر اگلی ہدایات کا انتظار کرو۔ تمہاری زبان سے ناکامی کی ابتدائی خبر سن کر شاید میں ضرورت سے زیادہ مشتعل ہوگیا تھا۔"

حامد کی بڑائی یہ تھی کہ اس نے اول خان سے بہت کچھ سن کر بھی اپنے افسر کے سامنے سر نہیں اٹھایا تھا اور اول خان کے کردار کی عظمت یہ تھی کہ اپنی غلطی کا احساس ہوجانے کے بعد وہ اپنے ماتحت سے معذرت کا ارادہ کررہا تھا۔

اولڈ کانفٹن سے ایس ٹی ایف کی جیپ میٹروپول ہوٹل کے گرد گھومتی ہوئی شاہراہ فیصل کی طرف نکل گئی۔ ہم سیدھے صدر کے قلب کی طرف ہولیے۔ اول خان نے ایک مرتبہ پھر ماروتی کا ذکر چھیڑ دیا "تم ماروتی کے پیغام کو بھولے بیٹھے ہو۔"

وہ پیغام واقعی بہت اہم تھا۔ اول خان کی باتیں سن کر میرا ذہن نہ جانے کن بھول بھلیوں میں بھٹک گیا تھا کہ میں ماروتی کی پھینکی ہوئی کاغذ کی گولی کو بالکل بھلا بیٹھا تھا۔ میں نے جیب سے وہ گولی نکال کر نہایت میں کاغذ کو کھولا۔ اندر سے لوڈو کا ایک باری دانہ نکل کر میری گود میں گر گیا۔ میں نے نیون سائنز کی تیز روشنیوں کے انعکاس میں دیکھا کہ وہ کسی کاپی سے پھاڑا ہوا صفحہ تھا۔

تحریر پڑھنے کے لیے مجھے کیبن لائٹ روشن کرنی پڑی۔ اس پر انگریزی میں مختصر سا پیغام لکھا ہوا تھا۔ "مجھے فون ضرور کرنا' میں انتظار کروں گی۔" ان دو سطور کے نیچے فون نمبر بھی لکھا ہوا تھا۔ وہ نمبر جگدیش سے ملنے والے تین نمبروں میں بھی شامل تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"وہ میرے فون کا انتظار کرے گی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ روی کی تلاش میں گھر سے کہیں جانے کا ارادہ ترک کرچکی ہے" میں نے دھیرے سے کہا۔

"یہ نیک فال ہے" اول خان نے سنجیدگی سے کہا "مگر سوال وہی ہے کہ ماروتی ذرا سی دیر کی ملاقات میں تمہاری اتنی گرویدہ کیسے ہوگئی کہ اس نے پورے اعتماد سے تم سے رابطہ قائم کرڈالا؟"

"تمہارے اسی سوال نے مجھے سوچوں میں گم کردیا تھا۔ میرا واسطہ ایسی عورتوں سے بھی پڑتا رہا ہے جنہوں نے مجھے ذرا بھی اہمیت نہیں دی۔ بعض نے تو شاید دوبارہ میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ صرف ایسی عورتیں یا لڑکیاں میری طرف متوجہ ہوتی رہی ہیں جو کج روی کے کسی نہ کسی درجے پر تھیں یا یوں کہہ لو کہ رنگین مزاج تھیں۔"

"ایسی عورتوں کو تم میں کیا خاص بات نظر آتی ہے؟ ماروتی تمہاری طرف اس طرح متوجہ ہوئی تھی جیسے لوہا مقناطیس کی طرف لپکتا ہے۔ وجیہہ اور خوب رو ہونے کے باوجود تمہارے چہرے پر اوباشی کی کوئی علامت نہیں ہے۔ پھر ان اتفاقات کا کیا سبب ہے؟"

"محض میری بدقسمتی!" میں نے ہنس کر جواب دیا۔ "غنیمت ہے کہ تم نے خود ہی مان لیا کہ میرے چہرے پر اوباشی کی کوئی نشانی نہیں ہے۔ موقع ملا تو میں ماروتی سے ضرور پوچھوں گا کہ اس کی نظریں تمہارے بجائے میرے اوپر کیوں ٹھہری تھیں؟"

"بدقسمتی نہیں، یہ تمہاری خوش قسمتی ہے۔ اس خوبی کی وجہ سے بعض اوقات تمہارا کام آسان ہوجاتا ہے۔"

میرے اور اول خان کے درمیان بہت زیادہ بے تکلفی پیدا ہوچکی تھی لیکن اس نے کبھی بھی مجھ سے کسی ممنوعہ موضوع پر بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہ خرابی ویرا کے مزاج میں تھی کہ وہ کرید کرید کر ہمیشہ نہایت نازک اور ذاتی نوعیت کے سوال کرتی رہتی تھی مگر اول خان بھی کوئی مشینی روبوٹ نہیں، ایک ذہین انسان تھا۔ کھلی آنکھوں سے ہر طرف نظر رکھتا تھا۔ ماروتی کے رویے نے آخرکار اسے بھی زبان کھولنے پر مجبور کردیا۔

اپنے سوال کا جواب مل جانے کے بعد اول خان نے موضوع بدل دیا اور ہم دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے گھر واپس پہنچ گئے۔

گھر پر ہمیں یہ جان کر خوشی ہوئی کہ کسی باقاعدہ معالج سے رجوع کیے بغیر ہم لوگوں نے ذاتی تجربات کی روشنی میں ویرا اور غزالہ کے لیے جو علاج تجویز کیے تھے، وہ کارگر رہے تھے۔ غزالہ کی کنپٹی کا درد بہت کم ہوچکا تھا، ویرا کی کہنی کے درد میں بھی افاقہ ہوا تھا۔

ہم میں سے ہر ایک اس خیال سے متفق تھا کہ ماروتی کو فون کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا اور مجھے یہ نیک کام جلد از جلد کرلینا چاہیے تھا۔ ایک خاص بات یہ سامنے آئی کہ ماروتی نے صرف ایک فون نمبر لکھا تھا اس لیے یہ امکان تھا کہ وہ نمبر موہن ہاؤس کی دوسری منزل پر صرف روی موہن اور اس کے اہل خانہ کے استعمال میں ہو مگر مجھے یہ استدلال کمزور نظر آرہا تھا۔ اگر وہ نمبر ماروتی کا تھا تو جگدیش کو صرف دو نمبر بتانے پر اکتفا کرنا چاہیے تھا۔ ایک طرف وہ ماروتی کو ہم سے دور رکھنے کی سرتوڑ کوشش کررہا تھا تو دوسری طرف ہمیں اس سے براہِ راست رابطے کی آزادی کیسے دے سکتا تھا؟

گھر پہنچ کر چائے کی ایک پیالی معدے میں اتارنے کے بعد میں نے ماروتی کا دیا ہوا نمبر ملالیا۔

پہلی گھنٹی بجنے پر ہیلو کی سپاٹ سی آواز آئی اور میں نے پہچان لیا کہ بولنے والی ماروتی تھی۔

"لوڈو کے دانے پر لپٹے ہوئے کاغذ کی گولی کا شکار بول رہا ہوں" میں نے ماروتی کو راہ دینے کے لیے مزاحیہ انداز میں کہا۔

"اوہ، مظہر!" اس کی آواز میں تجسس امڈ آیا "میں ہر گھنٹی پر تمہاری آواز سننے کی امید کررہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ تم میری التجا کو نہیں ٹھکراؤ گے۔ تم اپنے چہرے سے رحم دل اور نرم خو معلوم ہوتے ہو۔"

"میرے ساتھی کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" موقع ملتے ہی میں نے سوال کرڈالا۔

"اس سے ڈر لگ رہا تھا۔ وہ خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے" ماروتی نے بلا تردد اپنی رائے دے دی "میں سوچ سمجھ کر تم سے مخاطب ہوئی تھی اور مجھے خوشی ہے کہ میرا فیصلہ غلط نہیں تھا۔ یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کسی ہوٹل میں مل سکتے ہو؟"

"ہوٹل میں؟" میں اس کے غیر متوقع سوال پر بوکھلا گیا۔

"فون پر رابطہ ہوگیا ہے تو ہوٹل میں ملنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"ہے!" اس کی آواز میں دعوت آمیز اصرار تھا "تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں جو فون پر نہیں کی جاسکتیں۔"

"پہلے وہ باتیں ختم کرلو جو فون پر کی جاسکتی ہیں۔ اس

Downloaded from https://paksociety.com

دوران میں، میں کچھ سوچ لوں گا۔" میں نے اسے ٹالا۔

"مجھے ایمان داری سے بتاؤ کہ تمہیں روی کی تلاش کیوں ہے؟" قدرے توقف کے بعد ماروتی کی آواز آئی۔

"وہ مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ہے اور کچھ بدنام لوگوں کی پشت پناہی کررہا ہے۔"

"مجھ سے کھل کر بات کرو۔ ان لوگوں کے نام بتاؤ۔ میں اپنے روی کے بہت سے رازوں سے واقف ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ تمہاری مدد کرسکوں۔" اس کی نرم اور کھنک دار آواز یک بہ یک قدرے دھیمی اور رازدارانہ ہوگئی۔

میں نے اول خان کی طرف دیکھا، لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر جواب دیا "شاید تم نے کرشن کمار کا نام سنا ہو۔"

"اوہ... وہ کمینہ!" ماروتی کی آواز میں حقارت امڈ آئی "جب بھی آتا ہے، روی کی نظریں بچاکر ایسی بھوکی نگاہوں سے مجھے گھورتا ہے کہ اس سے گھن آنے لگتی ہے۔ صورت سے ہی نیولا معلوم ہوتا ہے جو سانپ کے شکار کے لیے تیار بیٹھا ہو۔"

ماروتی کے الفاظ سن کر میں دنگ رہ گیا۔ کرشن کمار کے مشاہدے کے بارے میں اس کے اور ویرا کے الفاظ میں حیرت ناک یکسانیت تھی۔ دونوں عورتوں کے لیے وہ گھناؤنا اور کراہت آمیز ملاقاتی تھا جو کسی نیولے سے مشابہ تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ویرا نے کرشن کمار کو سفید نیولے کا خطاب دیا تھا اور ماروتی اسے صرف نیولا کہہ رہی تھی۔

ماروتی نے اس کی آمد اور اس سے اپنا سامنا ہونے کا ذکر کرکے مجھے چونکا دیا تھا۔ میں نے تیزی سے پوچھا "کیا وہ تمہارے گھر آتا رہتا ہے؟"

"یہاں کبھی نہیں آیا۔ ہم میرپور خاص میں ہوتے ہیں تو وہ اکثر روی کے پاس آتا رہتا ہے۔"

"تمہیں علم ہے کہ وہ کم از کم کل سے کراچی میں موجود ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہوگا... مجھے نہیں معلوم" ماروتی کی آواز سے بیزاری مترشح تھی۔ "اس سے ہمارا میل جول بس میرپور خاص تک ہے۔ روی نے کبھی اس کی کراچی آمد کا ذکر نہیں کیا۔"

"وہ یہاں ہے۔ ہم اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں" میں نے زور دے کر کہا "وہ ایک خطرناک مجرم ہے۔"

"تم اسی کا سراغ حاصل کرنے کے لیے ہمارے گھر تک پہنچے تھے؟" ماروتی کی آواز میں حیرت تھی۔

"ہاں، ہمارے پاس ثبوت تھے کہ ہری چند اور کرشن کمار نے مل کر ایک سازش کی تھی۔"

"اگر وہ کراچی میں ہے اور روی اس کے بارے میں جانتے ہیں تو تم یقین کرو کہ میں اسے پکڑوا سکتی ہوں۔"

ماروتی کے لہجے کے اعتماد نے مجھے حیرت میں ڈال دیا "شاید تم کو علم نہیں کہ وہ کس پائے کا مجرم ہے۔"

"وہ کیسا ہی چالاک اور مکار کیوں نہ ہو۔ میں اسے پکڑوا سکتی ہوں مگر اس کے لیے میری دو شرائط ہیں۔"

گفتگو اسپیکر فون پر ہورہی تھی۔ سب ہی وہ مکالمے سن رہے تھے۔ اول خان نے جلدی سے ہاتھ ہلا کر اشارہ کیا کہ میں ماروتی کی شرائط مان لوں۔ وہ ایک بڑا اور ناقابل یقین وعدہ کررہی تھی۔ میں نے کہا "پھر ہم سے غلطی ہوئی کہ تمہارے گھر سے خالی ہاتھ لوٹ آئے۔ کرشن کمار اور روی کی شریک کار ہونے کے جرم میں ہم تمہیں اپنی تحویل میں لے سکتے تھے۔"

"مجھے ڈرانے کی کوشش نہ کرو۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ ابھی تک مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ تم میری شرائط قبول کرو گے تو میں تمہارے لیے کام شروع کروں گی۔ مجھے یقین ہے کہ ایک دو روز میں وہ تمہارے ہاتھ آجائے گا۔"

"تمہاری شرائط کیا ہیں؟" میں نے دانستہ کچھ توقف اختیار کرنے کے بعد پوچھا۔

"میری پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ تم روی کو معاف کردو گے۔ بالکل بھول جاؤ گے کہ اس معاملے میں ان کا کوئی ہاتھ رہا ہے۔ میرا گھر آباد رہنے کے لیے یہ بہت ضروری بلکہ ناگزیر ہے۔"

"یہ ناممکن ہے" میں نے سخت لہجے میں کہا "شاید جگدیش نے تمہیں نہیں بتایا کہ روی کس چکر میں پھنس چکا ہے۔"

"بھایا جی، مکّار اور دوغلا ہے۔ تمہارے سامنے وہ سب کچھ روی کے سر پر ڈال کر خود تمہارا ہم نوا بن گیا تھا۔ تمہارے چلے جانے کے بعد اسی نے مجھے بتایا ہے کہ اب روی کا بچنا مشکل ہے۔"

"اپنی گردن بچانے کے لیے وہ بھی روی کا ساتھ نہیں دے گا۔ وہ گھر آیا تو ہمیں خبر مل جائے گی۔"

"جگدیش نے مجھے بتادیا ہے کہ تمہارے آدمی ہمارے گھر اور دفتر کی نگرانی کریں گے۔ تمہارے سامنے وہ مجھے گھر سے باہر جانے سے روک رہا تھا۔ اب وہ خود کہہ رہا ہے کہ میں گھر سے نکلوں اور روی تک پہنچنے کی کوشش کروں۔"

"کیوں؟ وہ تمہارے ذریعے روی تک کیا پیغام پہنچانے

Downloaded from https://paksociety.com

کی کوشش کررہا ہے؟"

"تم بھول رہے ہو کہ وہ دونوں ایک باپ کی اولاد ہیں' آپس میں سگے بھائی ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ روی خطرہ ٹلنے تک گھروں کا رخ نہ کریں۔ ان کے لیے کراچی اور میرپور خاص خطرناک ہوچکے ہیں۔ وہ خاموشی سے سرحد پار نکل جائیں ورنہ مارے جائیں گے۔" ماروتی نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر زہریلے لہجے میں کہا۔

"اگر میں نے تمہاری شرائط نہ مانیں تو تم اس کے مشورے پر عمل کروگی؟" میں نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں" ماروتی کی آواز سے اس کا مضبوط ارادہ جھلک رہا تھا "تم میری شرائط مانوگے۔ میں تمہیں مجبور کردوں گی۔ تمہارے لیے روی نہیں' کرشن کمار اہم ہے۔ تم نے روی کو معاف نہ کیا تو کرشن کمار بھی کبھی تمہارے ہاتھ نہیں آسکے گا۔ جگدیش شیطانی ذہن کا مالک ہے۔ وہ میرے ساتھ دہرا کھیل' کھیل رہا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ کسی بھی ملک میں ایجنسیاں کسی کے پیچھے لگ جائیں تو اس کا انجام عبرت ناک ہوتا ہے۔ روی سرحد پار کرتے ہی اشتہاری مجرم بن جائیں گے۔ وہ کبھی یہاں لوٹ کر نہیں آسکیں گے اور آبائی کاروبار جگدیش کے قبضے میں آجائے گا۔ میرے لیے یہ ممکن نہیں ہوگا کہ میں گھربار' اثاثے اور میکے کو چھوڑ کر' سرحد عبور کرکے روی کے پاس چلی جاؤں۔ میرا گھر اجڑے گا تو میں سب کچھ پھونک کر رکھ دوں گی۔ میں بہت خودپرست عورت ہوں۔ کچھ پتا نہیں کہ میرے سینے میں بھڑکنے والی آگ مستقبل میں مجھے کیا بنادے..... مجھے یقین ہے کہ اس بربادی کو ٹالنے کے لیے تم میری شرائط مان لوگے۔ تمہیں تمہارا مجرم مل جائے گا' میرا گھر آباد رہے گا اور جگدیش کی ناپاک حسرتیں کبھی پوری نہیں ہوسکیں گی۔"

میں سوچ میں پڑگیا۔ موہن ہاؤس سے ہماری واپسی کے بعد بہت سی تبدیلیاں رونما ہوچکی تھیں۔ ماروتی کو ان تبدیلیوں پر غور کرکے اپنی راہ متعین کرنے کا موقع مل گیا تھا جب کہ ہماری پیش رفت صفر تھی۔

ماروتی تصورات کی دنیا میں رہنے والی کوئی خوش فہم عورت نہیں تھی۔ اس نے جگدیش کی تجویز اور اپنے منصوبے کے ہر پہلو کا جائزہ لے لیا تھا۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی' حقائق سے بہت قریب تھا۔ اس کے پاس ہم سے سمجھوتا کرنے یا پھر ہر ایک سے کھلی جنگ شروع کرنے کے سوا کوئی تیسرا راستہ نہیں تھا۔ اس کی تقریر نے میرے چاروں ساتھیوں کو بھی حیران کردیا تھا۔ خاص طور پر اول خان تو شاید سوچ بھی نہیں سکا ہوگا کہ ماروتی جیسی حسین اور خانہ دار عورت اپنے گھر کو خطرے میں دیکھ کر اتنی دور جاسکتی ہے۔

"ٹھیک ہے۔ تمہاری یہ شرط مجھے منظور ہے" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "اگر کرشن کمار زندہ حالت میں ہمارے ہاتھ آجاتا ہے تو ہم روی کو بالکل بھول جائیں گے..... تمہارا گھر۔"

ماروتی نے میری بات درمیان سے ہی کاٹ دی "مجھ سے یہ گول مول باتیں نہ کرو۔ اس کی زندگی یا موت پر میرا کوئی اختیار نہیں ہے۔ مقابلے میں تم اسے مارسکتے ہو۔ سارے راستے بند پاکر وہ خودکشی کرسکتا ہے۔ کچھ بھی ہوسکتا ہے' وہ زندہ رہے یا مرجائے' تمہارے ہاتھ آجائے گا اور تم روی کو ذرا بھی تنگ نہیں کروگے۔"

"چلو' یہ طے ہوگیا" میں نے ماروتی کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈال دیے "اتنی دیر سے ہم تمہاری پہلی شرط میں ہی الجھے ہوئے ہیں۔ اس بارے میں تمہاری دوسری شرط کیا ہے؟"

"وہ بہت آسان ہے۔ کل رات میں کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ایک لگژری روم بک کراؤں گی اور تم وہاں آؤگے" وہ گھوم پھر کر دوبارہ اسی نکتے پر آگئی جس سے میری اور اس کی گفتگو کا آغاز ہوا تھا۔ غزالہ اپنی چھٹی حس کے کسی اشارے کے تحت اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔

"فون پر ساری باتیں ہوگئی ہیں۔ اب ہوٹل میں ملنے کی کیا ضرورت باقی رہ گئی ہے۔" میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اول خان اور ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے ماروتی سے فون پر کہا۔

اس مرحلے پر اول خان معنی خیز انداز میں مسکراتا ہوا اٹھا اور ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا۔

"تم اس ضرورت کا اندازہ نہیں کرسکتے" ماروتی کے گہرے سانس کے بعد وہ فقرہ سنتے ہی میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی اور میں نے پھرتی سے ریسیور اٹھا کر اپنے کان سے لگالیا۔ اسپیکر فون کا سلسلہ خود بہ خود موقوف ہوگیا۔

"بہت سی باتیں صرف آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کی جاسکتی ہیں" ماروتی کی بات جاری تھی "تم پہلی نظر میں ہی مجھے اچھے لگے تھے اور تم سے بات کرنے کی خواہش میرے دل میں جاگ اٹھی تھی۔ بھایا جی نے لعن طعن کرکے میری اس معصوم سی خواہش کو بہت توانا کردیا۔ اب میں چار من کے

Downloaded from https://paksociety.com

اس منحوس اُلّو کے منہ پر تھوک دینا چاہتی ہوں۔"

سلطان شاہ بھی جا چکا تھا مگر ویرا پوری ڈھٹائی سے اپنی جگہ پر بیٹھی شک آمیز نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

میں نے کن انکھیوں سے ویرا کا جائزہ لیا پھر ماؤتھ پیس میں کہا "منہ پر تھوکو یا اس کی پشت پر لات جماؤ مگر اس چکر میں مجھے نہ گھسیٹو۔ ہم لوگ اپنے کام سے کام رکھتے ہیں' کسی کے ذاتی معاملات میں نہیں الجھتے۔"

"شاید تم جگدیش بھایا کی کسی ہوئی بات بھول گئے" زہریلی ہنسی کے ساتھ ماروتی کی آواز ابھری "میں ایک اونچے خاندان کی بہو ہوں۔ جو بات میرے دماغ میں سما جائے' وہ ہر قیمت پر کر گزرتی ہوں۔ تمہارے ساتھ کچھ وقت گزارنے کی آرزو اتنی شدید ہو چکی ہے کہ میں اس کے سامنے بے بس ہوں۔ یہ میری دوسری نہیں' پہلی شرط ہے۔ کرشن کمار پر ہاتھ ڈالنے کے لیے تمہیں میرا مان رکھنا ہوگا۔"

"خدا کا خوف کرو ماروتی' جگدیش کو تمہارے ان ارادوں کی بھنک بھی مل گئی تو وہ تمہیں گولی مار دے گا۔"

"گرجنے والے بادل برسا نہیں کرتے۔ اس کے فرشتوں کو بھی کچھ معلوم نہیں ہوگا۔ وہ یہی سمجھے گا کہ میں روی کی تلاش میں جا رہی ہوں۔ سچ پوچھو تو میری اور تمہاری ملاقات ان ہی کی زندگی کے لیے ہوگی۔ روی کے فرار سے پہلے میں نے تمہیں دیکھا بھی نہیں تھا" اپنے جیٹھ کے لیے ماروتی کے کہے ہوئے ہر لفظ سے زہر ٹپک رہا تھا۔ اس وقت ماروتی اپنا اصل روپ بھول چکی تھی۔ وہ خود کو صرف اور صرف جگدیش کے خاندان کی بہو تصور کر رہی تھی جس کی پامالی کے بعد وہ جگدیش کے خاندانی غرور کے خلاف اپنے یعنی ماروتی کے دل میں ٹھنڈک محسوس کر سکتی تھی۔

"تم جگدیش کی بھاوج نہیں' اپنے جوان بیٹے کی ماں بھی ہو....." میں نے اسے یاد دلانا چاہا مگر اس نے بے اعتنائی سے میری بات کاٹ دی۔

"وہ اتنا جوان بھی نہیں ہے' صرف چودہ برس کا ہے۔ وہ اپنے باپ اور تاؤ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ابھی سے شراب پیتا ہے۔ میرے ساتھ کھڑا ہو جائے تو میرا بھائی یا دیور معلوم ہوتا ہے۔ کم سنی کی شادی کے نتیجے میں اولاد اتنی تیزی سے بڑی ہو جائے تو ماں اس رفتار سے بوڑھی نہیں ہو سکتی۔ میں تین برس کے بعد تیس کی ہو جاؤں گی۔ تم میرے ہم سن ہی معلوم ہوتے ہو۔ مجھ سے ایسی باتیں مت کرو۔"

"اس وقت تمہارے ذہن پر ضد سوار ہے۔ میں نے تمہاری ایک بات مان لی' ایک بات تم مان لو۔" ویرا نے

ویرا کی موجودگی کی وجہ سے میں الفاظ کے انتخاب میں بہت احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ کوئی ایسی بات میری زبان پر نہیں آئی تھی کہ ویرا کو موضوع سخن کی اصل سنگینی کا اندازہ ہوتا۔ وہ بات جاننے کے لیے بے چین تھی اور ہاتھ ہلا ہلا کر مجھ سے کچھ دریافت کر رہی تھی۔ میں فون پر مصروف ہونے کی وجہ سے اسے کوئی جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

"پتا نہیں تم کیسے مسلمان ہو؟" ماروتی میرے کانوں میں پگھلا ہوا سیسا انڈیلنے لگی "اونچی ذات کی ایک خوبصورت ہندو عورت تمہاری باندی بننے کے لیے تیار ہے اور تم بھاگ رہے ہو۔ میں نے تو سنا ہے کہ پچھلے مسلمان مال دار قوموں سے لڑتے تھے اور فتح پانے کے بعد دشمن کی دولت اور خوبصورت عورتوں کو آپس میں بانٹ لیتے تھے۔ تم مجھے کرشن سے ہونے والی لڑائی میں اپنا انعام کیوں نہیں سمجھ لیتے؟"

وہ اپنے سفلی جذبوں سے مغلوب ہو کر تاریخ کو مسخ کر رہی تھی۔ جگدیش کے خلاف اس کی نفرت نے ایک عجیب ہی روپ دھار لیا تھا۔ میں نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے' میں کل تمہیں فون کروں گا۔"

"کل میں تمہیں اس گھر میں نہیں ملوں گی۔ مجھے اپنے روی کے لیے ہر حال میں کچھ نہ کچھ کرنا ہے۔ تمہارے لیے صرف آج کی رات ہے۔ میں بھایا جی کی باتوں کو یاد کر کر کے انگاروں پر لوٹ رہی ہوں۔ میں رات بھر نہیں سو سکوں گی۔ تمہارا ارادہ بدل جائے تو رات میں کسی بھی وقت مجھے فون کر لینا۔ صبح کا اجالا پھیل گیا تو تم مجھے اور کرشن کمار کو کھو چکے ہو گے۔"

"تمہیں روی سے اپنی وفا کا بھی کوئی پاس نہیں ہے!" میں نے ویرا کو بھول کر اسے ملامت کی۔

"میں اسی کے لیے یہ سب کر رہی ہوں۔" ماروتی ہٹ دھرمی پر تلی ہوئی تھی "ہم زندگی بھر کے لیے ایک مضبوط بندھن میں بندھے ہوئے ہیں۔ وہ دوسری عورتوں سے ملتا ہے تو یہ بندھن ٹوٹتا ہے نہ میری اور تمہاری ملاقات سے ٹوٹے گا۔ روی میرے ہیں اور میں ان کی رہوں گی۔"

ماروتی کا وہ عجیب و غریب فلسفہ سن کر میری کھوپڑی گھوم گئی۔ کسی عورت کی طرف سے ایسی پر فریب وفاداری کا اظہار میرے لیے انوکھا تجربہ تھا۔ اس کی باتیں سن سن کر میرے وجود میں سنسنی کی لہریں دوڑ رہی تھیں اور دماغ میں خیالات کے چھوٹے چھوٹے آتش فشاں پھٹ رہے تھے۔

اپنی دوسری شرط منوائے بغیر وہ کسی تعاون پر آمادہ نہیں تھی۔

"تم مصر ہو تو میں تمہاری دوسری شرط بھی مانے لیتا

Downloaded from https://paksociety.com

ہوں" میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

ریسیور پر اس کی ہلکی سی' پرغرور ہنسی کی آواز سنائی دی پھر اس کی آسودہ آواز ابھری "کل شام سات بجے میں ہوٹل شیراٹن کی لابی میں تمہارا انتظار کروں گی' وقت کا خیال رکھنا۔"

"اوکے۔ بائے!" یہ کہہ کر میں نے ریسیور کریڈل پر واپس ڈال دیا اور نئی سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگیا۔

"اس سے تمہارا کیا سمجھوتا ہوا؟ اس کی دوسری شرط کیا تھی؟" ویرا نے فون بند ہوتے ہی ایک سانس میں بہ یک وقت دو سوال کرڈالے۔

میں ماروتی سے ہونے والی جبری مفاہمت پر اندر سے بہت مضطرب اور خالی خالی سا تھا مگر میں نے اپنی کیفیت ویرا سے چھپانے کے لیے اطمینان سے سگریٹ سلگائی' ایک گہرا کش لینے کے بعد نتھنوں سے دھواں خارج کیا پھر سکون سے کہا "کچھ نہیں' اس کی وہی احمقانہ ضد تھی کہ میں اس سے ملوں۔"

"تو تم کل رات اس حرام زادی سے ملنے جارہے ہو؟" ویرا مجھے گھورتے ہوئے غرائی۔

"مجبوری ہے" میں نے اپنے شانے اچکا کے بے پروائی سے جواب دیا "اس کی ساری باتیں تم سن چکی ہو۔ وہ ضدی بلکہ ہٹ دھرم عورت ہے۔ اپنی بات منوائے بغیر ٹس سے مس ہونے پر آمادہ نہیں تھی۔ میں نے سوچا کہ مل لینے میں کیا حرج ہے۔"

"تم اتنے معصوم یا احمق نہیں ہو کہ فائیو اسٹار ہوٹل کے لگژری روم میں اس سے ملاقات کے مضمرات کو نہ سمجھتے ہو۔ وہ بہت کمینی عورت ہے۔ تمہارے ساتھ مل کر اپنے جیٹھ کی عزت خاک میں ملانا چاہتی ہے۔"

"احمقانہ باتیں مت کرو" میں نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا "جب تک کسی واقعے کی تشہیر نہ ہو' اس سے کسی کی نیک نامی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ اتنی بے وقوف نہیں ہے کہ وہ یہ بات نہ جانتی ہو۔"

"وہ خود اقرار کرچکی ہے کہ وہ انا پرست عورت ہے۔ وہ تمہیں گھیر کر۔"

"فرض کرو کہ تمہارے خدشات درست ہیں" میں نے ترشی سے اس کی بات کاٹ دی "پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟ مجھے کوئی متبادل بتاؤ۔"

"تم اس سے ملنے سے انکار کرسکتے تھے" ویرا نے کمزور لہجے میں کہا۔

"میں مقررہ وقت اور مقام پر نہ پہنچوں تو یہ مقصد خود بہ خود حاصل ہوجائے گا مگر یہ یاد رکھنا کہ پھر وہ کرشن کمار کے خلاف ہماری مدد کرنے کے بجائے اس کا ساتھ دے گی۔ ہمیں اپنی بساط از سرنو جمانی ہوگی۔"

میرے اور ویرا کے مباحثے کی آوازیں سن کر اول خان بھی ڈرائنگ روم میں آگیا۔ ویرا کہہ رہی تھی "ملاقات کا وعدہ کرکے تم وقت حاصل کرچکے ہو۔ اس دوران میں ہمیں اسے اٹھالینا چاہیے۔ وہ کیسی ہی ضدی اور اڑیل ہو' میں چند گھنٹوں میں اسے زبان کھولنے پر مجبور کردوں گی۔ بس تم اسے موہن ہاؤس سے نکال کر میرے حوالے کردو' باقی کام میں خود دیکھ لوں گی۔"

ویرا کے وہ فقرے اتنے جامع تھے کہ اول خان پوری صورت حال سمجھ گیا۔ اس نے کسی توقف کے بغیر کہا "نہیں' یہ نہیں ہوگا۔ ماروتی کوئی لڑاکا یا گروہ بند عورت نہیں ہے۔ ہم دشمن کی ایک خانہ دار عورت پر ہاتھ نہیں اٹھاسکتے۔"

"میں بھی عورت ہی ہوں لیکن ڈینی نے پوری طاقت کے ساتھ میرے خلاف محاذ کھولا ہوا تھا" ویرا نے جل کر گڑے مردے اکھیڑنے شروع کردیے۔ وہ اس دور کی بات کررہی تھی جب میں شی کا باغی تھا اور وہ جمی لائیڈ کی وفادار ہوا کرتی تھی۔

اول خان نے مسکراتے ہوئے' بہت نرمی سے جواب دیا "تم عورت ضرور تھیں مگر خانہ دار نہیں تھیں۔ تم دونوں ہی ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے ہوا کرتے تھے۔ اس کی بہت سی سزا غزالہ نے بھی بھگتی تھی۔"

"عورت ہونے کی وجہ سے وہ کسی رورعایت کی حق دار نہیں ہے۔" ویرا لاجواب ہونے والی نہیں تھی۔

"پھر ایک بات اس سے بھی زیادہ اہم ہے" میں نے ویرا سے مخاطب ہوکر کہا "ماروتی نے یہ نہیں کہا کہ وہ کرشن کمار کے بارے میں کچھ جانتی ہے۔ وہ ہماری مدد کرنے کا وعدہ کررہی ہے۔ جب وہ خود اندھیرے میں ہے تو اسے اٹھانا بے سود ہوگا۔ تم اسے لب گور پہنچا کر بھی کچھ نہیں اگلوا سکو گی۔ خالی کیسٹ کو دنیا کے بہترین ساؤنڈ سسٹم پر چلا کر بھی کچھ نہیں سنا جاسکتا۔"

ویرا کی آنکھیں سوچنے کے انداز میں قدرے سکڑ گئیں۔ چند ثانیوں بعد وہ بولی "تمہاری اس بات میں تھوڑا بہت وزن معلوم ہوتا ہے۔ اب تک جو کچھ ہوا' اس میں ماروتی کے ارادوں کا کوئی دخل نہیں تھا۔ جو کچھ ہوا' پچھلے ڈیڑھ دو گھنٹوں میں ہوا ہے۔ اس کا سارا ردِعمل

Downloaded from https://paksociety.com

اضطراری اور جذباتی رہا ہے۔ پتا نہیں وہ کس بل بوتے پر کرشن کمار کو پکڑوانے کا دعویٰ کر رہی ہے اور تم کیوں اس پر اعتبار کر رہے ہو۔"

"ہاں! یہ سوچنا پڑے گا کہ وہ کس حد تک اپنی بات پوری کرنے کی اہل ہے" اول خان سر ہلا کر بولا۔

"اس کے حق میں صرف ایک بات جاتی ہے" میں نے کہا "وہ روی کے تمام دوستوں اور ٹھکانوں سے واقف ہے۔ اس کا فون ٹیپ کیا جائے اور اگر وہ اپنے گھر سے باہر نکلے تو اس کا پیچھا کیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح ہم ماروتی کی کسی مدد کے بغیر کرشن کمار کے ٹھکانے تک پہنچ جائیں۔ ایسی صورت میں، میں اس سے ملنے کی کوفت سے بچ جاؤں گا۔"

ویرا میرے تبصرے پر خوش ہو گئی "بس، میں بھی یہی چاہ رہی تھی۔ ماروتی سے تمہاری ملاقات ناگزیر نہیں ہے۔ اگر ہم اپنے ہاتھ پیر ہلاتے رہیں تو کامیابی کی کوئی نہ کوئی راہ نکل سکتی ہے۔"

ماحول میں در آنے والی کشیدگی اور تلخی چند لمحوں میں کافور ہو چکی تھی۔

"ان چکروں میں الجھ کر شاید ہم میں سے کسی نے یہ نہیں سوچا کہ کرشن کمار کے بارے میں تمہارا اور ماروتی کا تجزیہ اور مشاہدہ بالکل یکساں ہے۔" تناؤ ختم ہونے کے بعد میں نے ویرا سے کہا۔

"وہ کیسے؟" ویرا کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں اور پھر اسے خود ہی ماروتی کے الفاظ یاد آ گئے اور وہ بے ساختہ ہنس پڑی "میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ اسے دیکھتے ہی ذہن میں نیولے کا تصور ابھر آتا ہے۔"

ویرا کی ہنسی سے غزالہ اور سلطان شاہ کو بھی پیغام مل گیا کہ ماحول کی کشیدگی دور ہو چکی تھی۔ وہ دونوں بھی پھرتی سے واپس لوٹ کر ہمارے ساتھ شامل ہو گئے۔

باتوں کے دوران میں اول خان کو یاد آیا کہ موہن ہاؤس کی نگرانی کرنے والوں کو نئی حکمتِ عملی سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا۔ انہیں گھر میں روی کی آمد کے ساتھ، وہاں سے ماروتی کی کہیں روانگی پر بھی نگاہ رکھنی تھی۔ وہ اپنا اپریٹس لے کر کھانے کے کمرے میں چلا گیا۔ میری دانست میں وہ بندوبست بے سود تھا کیونکہ جگدیش اور ماروتی، دونوں کو علم تھا کہ ہمارے آدمی موہن ہاؤس اور موہن اینڈ موہن کی نگرانی کر رہے تھے۔ وہ دونوں ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے کہ ان کی کوئی خفیہ سرگرمی ہمارے آدمیوں کی نظروں میں آ جائے۔ وہ میری اپنی رائے تھی مگر میں نے اس بارے میں اپنی زبان بند ہی رکھی۔ وہ معاملہ اس قدر الجھ گیا تھا کہ کہیں سے کامیابی کے کسی موہوم امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

دوسری طرف سلطان شاہ کے دل میں جگدیش کے خلاف غبار بھر گیا تھا۔ وہ جگدیش کے دوغلے پن پر برہم تھا۔ اس نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ روی کو ہمارے حوالے کرنے میں پورا پورا تعاون کرے گا مگر ہماری واپسی کے بعد ہی اس نے ماروتی کو شہ دی تھی کہ وہ کسی بھی طرح روی سے رابطہ کر کے اسے پاکستان سے نکل جانے پر آمادہ کر لے۔

وہ ان لوگوں کی گھریلو سیاست تھی کہ ماروتی کو جگدیش کا مشورہ پسند نہیں آیا تھا۔ اسے گمان ہوا تھا کہ جگدیش اپنے بھائی کو پاکستان سے بھگا کر سب کچھ خود ہڑپ کر جانا چاہتا تھا جبکہ حالات کے پیشِ نظر اس کا مشورہ بہت مناسب تھا۔ اگر ماروتی مجھ سے کیے ہوئے وعدے کے مطابق کرشن کمار کو چند روز میں گھیرنے میں کامیاب نہ ہوتی تو روی کا مستقبل بہت تاریک ہو سکتا تھا۔

ہم دیر تک ان ہی نکات پر سر کھپاتے اور کرشن کمار کے بارے میں تبادلۂ خیال کرتے رہے پھر اول خان روانگی کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ جانے سے پہلے اس نے کسی سے ماروتی کا فون ٹیپ کرنے کے بارے میں بات کی تھی۔ اسے وہاں سے خلاف توقع کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں ملا تھا۔ اولڈ کلفٹن کے اس رہائشی علاقے کا ٹیلی فون ایکسچینج دی آئی پی تصور کیا جاتا تھا کیونکہ وہاں بہت سے اہم سیاسی اور سفارتی افراد مقیم تھے۔ علاقے کی اہمیت کے پیشِ نظر وہاں آبزرویشن مشینیں ہر وقت مصروف رہتی تھیں جس کے سبب ماروتی کے فون کی فوری نگرانی محال تھی۔

ماروتی کی مدد کے بغیر کرشن کمار تک رسائی کے لیے جو دو راستے نکالے گئے تھے، ان میں سے ایک میرے اپنے تجزیے کے نتیجے میں ناقص ثابت ہوا تھا اور دوسرے طریقے پر فوری عمل کرنا ممکن نہیں تھا۔

بارہ بجے سے پہلے ہی ہم چاروں الگ ہو کر اپنے کمروں میں آ گئے۔ غزالہ پر مسکن دواؤں کے اثرات شاید باقی تھے۔ وہ بستر پر دراز ہونے کے چند منٹ بعد ہی سو گئی مگر میں خواب گاہ میں پھیلی ہوئی مدھم روشنی میں بستر پر بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا۔ پچھلی رات کی کم خوابی کے باوجود نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

میں نے بستر چھوڑ کر کمرے میں ہی ٹہلنا شروع کر دیا۔ میں سگریٹیں پھونکتا اور کمرے میں ٹہلتا رہا اور وقت بہت

Downloaded from https://paksociety.com

سست رفتاری کے ساتھ گزرتا رہا۔ دو بجے کے بعد اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ غزالہ کی گہری نیند اچٹ جانے کے اندیشے سے میں نے پہلی ہی گھنٹی پر لپک کر فون اٹھایا اور بٹن دبا کر' آنے والی کال ریسیو کرلی۔

دوسری طرف سے اول خان بول رہا تھا "مجھے امید تھی کہ میری طرح تم بھی جاگ رہے ہوگے۔ دوسروں کی نیند میں مخل نہ ہونے کے خیال سے میں نے تمہارے موبائل پر رابطہ کیا ہے۔"

"تم صرف بے خوابی کی وجہ سے فون نہیں کرسکتے۔ خیریت تو ہے نا؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے ابھی موہن ہاؤس فون کیا تھا۔ ماروتی گھر سے غائب ہوچکی ہے۔" اس نے انکشاف کیا۔

"یہ اطلاع تمہیں اپنے آدمیوں سے ملی ہوگی۔" میں نے قیاس ظاہر کیا "وہ اس وقت کہاں ہے؟"

"میرے آدمی اپنی جگہ پر مستعد ہیں۔ انہوں نے گیٹ سے کسی کو نکلتے ہوئے نہیں دیکھا پھر بھی ماروتی گھر پر نہیں ہے۔"

وہ خبر چونکا دینے والی تھی۔ میرے استفسار پر اول خان نے جو کچھ بتایا' اس کا خلاصہ یہ تھا کہ اس نے کسی اندرونی تحریک کی بنا پر رات گئے ماروتی کو مزید کریدنے کے لیے اس کے فون نمبر پر رابطہ کیا تو دیر تک گھنٹیاں بجنے کے باوجود کوئی جواب نہیں ملا۔ رانگ نمبر مل جانے کے خیال سے اس نے فون بند کرکے کئی بار وہ نمبر ملایا لیکن ہر بار نتیجہ وہی رہا۔

ماروتی سے رابطے میں ناکامی پر اول خان نے وائرلیس ٹرانسمیٹر پر اپنے آدمیوں سے رابطہ کیا تو وہ مستعد تھے۔ انہوں نے بتایا کہ موہن ہاؤس کے پھاٹک سے کوئی گاڑی باہر نکلی تھی نہ کوئی ذی روح وہاں سے برآمد ہوا تھا۔ اپنے آدمیوں کی اس اطلاع پر اول خان تشویش کا شکار ہوگیا۔ خاصی سوچ بچار کے بعد اس نے جگدیش کے دیے ہوئے دوسرے نمبر پر رابطہ کیا۔ اپنے خاندان پر ناگہانی آفت کے نزول کے باعث وہ بھی جاگ رہا تھا اور آواز سے خاصا پریشان معلوم ہورہا تھا۔

اس نے از خود اول خان کو ماروتی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا لیکن اس کے خصوصی سوال پر جگدیش نے اعتراف کیا کہ ماروتی گھر پر موجود نہیں تھی۔ وہ رات کے ایک بجے روی کی تلاش کا عزم لے کر گھر سے نکل گئی تھی۔ موہن ہاؤس کی نگرانی کرنے والوں کی نگاہوں سے بچنے اس نے گھر سے گاڑی لی تھی' نہ مین گیٹ کی راہ اختیار کی تھی۔

وہ احاطے کی پچھلی دیوار پھاند کر ایک خالی پلاٹ پر اتری تھی اور پھر رات کے اندھیرے میں کہیں غائب ہوگئی تھی۔ جگدیش کو اس کے ارادوں اور منزل کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔

"یہ عورت ہمارے اندازوں سے کہیں زیادہ تیز و طرار ثابت ہورہی ہے۔" وہ تفصیل سننے کے بعد میں نے فکرمندی سے کہا "اس جیسی عورتیں چھپکلی جیسی چیز سے دہشت زدہ ہوجاتی ہیں مگر وہ بے خوفی سے اتنی رات گئے دیوار کود کر نکل گئی۔ مجھے شبہ ہے کہ اب وہ کل شام سات بجے ہوٹل ہی میں نظر آئے گی۔ اس کا کہیں اور سراغ نہیں مل سکے گا۔"

"میرے لیے بھی ماروتی کی یہ حرکت حیران کن ہے اسی لیے میں نے تمہیں اپنی تشویش میں شامل کیا ہے۔ وہ صاحب حیثیت لوگوں کا رہائشی علاقہ ہے جو رات کو سنسان ہوجاتا ہے۔ اسے کوئی سواری حاصل کرنے میں خاصی دشواری ہوئی ہوگی۔"

"اس کے سامنے ایک مشن ہے۔ وہ کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لائے گی۔ مجھے افسوس ہورہا ہے کہ وہ ہم سب کو جل دے کر نکلنے میں کامیاب ہوگئی۔ کسی کو خیال تک نہیں آیا کہ ہنومان کی وہ پجارن بندریا کی طرح دیواریں بھی

جاسوسی ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ
ایک کیمیاگر کی داستان شوق
جو مقصد کی تلاش میں دربدر پھرتا رہا
مفرور
راوی
صفدر علی
مصنف
اقلیم علیم
اپنے قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں یا براہ راست ہمیں خط لکھیں
کتابیات سپلی کیشنز پوسٹ بکس ۲۳ کراچی ۱

Downloaded from https://paksociety.com